فی اثبات

حضرت ایمانِ ابی طالب رضی اللہ عنہ

محقق العصر
حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

جلد دوم

چشتی کتب خانہ
فیصل آباد

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرونِ ملک مقیم ھیں

مو منین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ھیں.
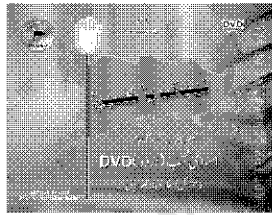
منجانب.

سبیلِ سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

الم یجدک یتیما

عیون المطالب

فی اثبات

دوم

ایمان ابی طالب رضی اللہ عنہ

محقق العصر

حضرت علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ

چشتی کتب خانہ

جھنگ بازار فیصل آباد

نام کتاب	ایمان ابی طالب دوم
مصنف	علامہ صائم چشتی رحمۃ اللہ علیہ
پہلی بار	رمضان المبارک ۱۳۹۵ھ
چھبیسویں بار	دسمبر 2008ء
طابع	محمد شفیق مجاہد
کمپوزنگ	چشتی کمپوزرز
ہدیہ	

ملنے کا پتہ

شبیر برادرز

۴۰ اردو بازار لاہور

انتساب

بنام شیخ الحرمین، سیّد الاولیاء، مجدد مائتہ ستہ، تاج العلماء

آلِ رسول، جگر گوشہء بتول سیّدنا و مرشدنا

حضرت علامہ سیّد محمد بن رسول برزنجی قدس سرہ العزیز

جنھوں نے گیارھویں صدی ہجری میں سیّدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے مومن اور ناجی ہونے پر ایمان افروز کتاب تالیف فرمائی۔

گر قبول اُفتد زہے عزوشرف

خادم الاولیاء والعلماء

صائم چشتی

یکم ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ

نذر عقیدت

بحضور

عالی مرتبت، امام اہلسنت، استاذ العلماء، شیخ رضا سیّدنا و مرشدنا

حضرت امام سیّد قاضی احمد بن زین دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ

مفتی حرمین الشریفین جنہوں نے ۱۳۰۳ھ میں

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب ایمان ہونے پر

عظیم صحیفہ نور "اسنیٰ المطالب فی نجات ابی طالب" تالیف فرمایا۔

گر قبول افتد زہے عز و شرف

خادم الاولیاء والعلماء

صائم چشتی

یکم ذوالحجہ ۱۴۰۰ھ

تقریظ معظّمہ

از عالی جناب شیخ الاسلام والمسلمین حافظ القرآن والحدیث حضور

خواجہ محمد قمر الدین سیالوی صاحب مدظلہ العالی

سجادہ نشین آستانہ عالیہ سیال شریف

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم۔ الحمد للّٰہ العظیم الرجاء بالالتجاء من جمیع البلاء والعذاب والعتاب والبلواء والصلوٰۃ والسلام علی من واعد بہ بالعطاء لکل مابہ رضائہ والقضاء سیدنا محمد حبیبہ ومحبوبہ فی کل آوان الاھولا سیما یوم النشور والجزاء وعلی آلہٖ واصحابہٖ وعلی جمیع الاولیاء من امتہ والاتقیاء:

اما بعد فقد رائت بعض السطور من کتاب المصنف للمولوی الصائم چشتی عمت میامنہ فی ثبوت الایمان لسیدنا ابی طالب وصرت فرحانا من عزلہ من شرذمتہ قلیل العلم بل معدوم حیث یصححیون یقول عدم الایمان لوالد امام الاولیاء لسیدنا ومولٰنا علی بن ابی طالب رضی اللّٰہ تعالیٰ عنہ ویفرحون بھذہ التقولات التافصۃ الضیۃ الجنذی والحق ان مارتی من دلائل ایمانہ واذعانہ فیھما احق بالتسلیم وتدرتی ذلک من صنف کتابا با الموسوم باسنی المطالب فی نجات ابی طالب وقد طبع ذلک الکتاب فی مصر و مارتی بخاف ذالک فلا یدل علی المنکر الایمان کماھو الظاھر عند من تامل واللّٰہ رسولہ اعلم۔

محمد قمر الدین غفر لہ سیالوی

ترجمہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

تمام حمد و ثنا سزاوار ہے اس خدا کو جس سے تمام مصائب، عذاب و عقاب اور دکھوں میں نجات پانے کی بڑی اُمید کی جاتی ہے اور صلوٰۃ و سلام ہو اس ذات پر جس سے اللہ تعالیٰ نے ہر پسندیدہ چیز کے دیئے جانے کا وعدہ فرما رکھا ہے اور یہ فیصلہ شدہ امر ہے کہ سیّدنا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر آن خدا کے محبوب ہیں بالخصوص یوم النشور و جزا کو اللہ تعالیٰ آپ پر اور آپ کے آل و اصحاب اور آپ کی اُمّت کے جمیع اولیاء و اتقیاء پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔

امّا بعد میں نے مولوی صائم چشتی صاحب کی تالیف شدہ کتاب کی بعض سطور کا مطالعہ کیا ہے جس میں سیّدنا ابو طالبؑ کے ایمان کے ثبوت میں بہت بابرکت دلائل دیئے گئے ہیں تو مجھے اُن قلیل بلکہ معدوم قلم کاروں سے علیحدہ روش نے بہت خوش کیا ہے جو حضرت سیّدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والدِ گرامی حضرت ابو طالب کے عدم ایمان پر شور مچاتے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو طالبؑ کے ایمان و ایقان کے دلائل

اس مقام پر پہنچ چکے ہیں کہ انہیں تسلیم کئے بغیر چارہ ہی نہیں۔ چنانچہ اس کے متعلق ایک کتاب اسنی المطالب فی نجات ابی طالب تصنیف کی گئی ہے جو مصر میں طبع ہو چکی ہے اور جو کچھ اس کے خلاف بیان کیا گیا ہے وہ ان کے انکار ایمان پر دلالت نہیں کرتا جیسا کہ غور و فکر سے کام لینے والے پر یہ بات ظاہر اور عیاں ہے۔ واللہ اعلم ورسولہ۔

محمد قمر الدین غفرلہ سیالوی

تاریخِ تصنیف

محترم المقام عالی جناب حضرت **نادرؔ جاجوی** صاحب مدظلہ العالی

یہ صحیفہ لاجواب بے مثال ہے کتاب
حقیقتوں کے کھل گئے حسین و دل نشین باب

مصدقِ رسول ہیں اصولِ اصلِ بُوتراب
روائتوں کی تیرگی میں یہ طلوعِ آفتاب

مصنفِ کتاب کا ہے لفظ لفظ کامیاب
جہانِ علم و فن میں ہے عجیب تر یہ انقلاب

حسیں نگارشات نے اُلٹ دیئے ہیں سب نقاب

صدا ہے یہ سروش کی
عجیب و نادر انتخاب

۰۰ ھ ۱۴

فہرست

باب یازدھم

باب دوازدہم

باب پانزدہم

تقدیم

﴿از مصنف﴾

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِهِ الْکَرِیْم

خدائے بزرگ و برتر کا شکر ہے کہ میں نے جب سے عالمِ شعور میں قدم رکھا ہے میرا عقیدہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق درست ہی رہا۔

تاہم دل میں یہ خلش ضرور چٹکیاں لیتی رہی کہ اسلام کے اتنے بڑے خادم کے متعلق اس قسم کی روایات کیوں آئی ہیں جن سے اُن کا کافر و مشرک اور جہنمی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ عجیب و غریب داعیہ ہی اس ضخیم و عظیم کتاب کو معرضِ وجود میں لانے کا باعث بنا اگرچہ اس کی کئی دیگر وجوہات بھی ضمنی طور پر موجود ہوں اس کتاب کی تصنیف و تالیف سے پہلے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق کئی ایک صوفیاء عظام اور علماء کرام سے بھی گفتگو ہوئی چنانچہ صوفیائے کرام کے ارشادات کا مجموعی تاثر یہی رہا کہ ہم لوگ تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق قطعی طور پر نیک گمان رکھتے ہیں اور انہیں ہرگز ہرگز جہنمی نہیں سمجھتے ۔ کیونکہ اُن کی خدمات جلیلہ جو اُنہوں نے اسلام کے لئے کی ہیں وہ کسی بھی صورت میں جہنم کی آگ

نہیں ہوسکا علمائے اہلِ سنت و جماعت میں سے کچھ حضرات کی گفتگو کا ماحصل وہی تھا جو صوفیائے کرام کے کلام سے ظاہر ہے۔

کچھ حضرات کا خیال تھا کہ چونکہ ایک طرف حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو بے پناہ محبت طبعی ہے اور اسلام کے لئے اُن کی خدمات بھی اظہر من الشمس ہیں اور دوسری جانب اُن کے متعلق معتبر کُتب میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے اُن کا کافر و مشرک اور جہنمی ہونا واضح طور پر ثابت ہوتا ہے لہٰذا بہتر یہ ہے کہ توقف کیا جائے اور ان کی شان کے خلاف کوئی لفظ زبان پر نہ لایا جائے کیونکہ عین ممکن ہے کہ ان کی نجات و مغفرت ہو جائے۔

اسی دوران کچھ ایسے علماء حضرات سے بھی تبادلۂ خیالات کا موقعہ ملا جن کا نہ اپنے دلوں پر قابو ہے اور نہ اپنے ذہنوں پر اور قلوب و اذہان کے ساتھ ساتھ ان کی زبانیں بھی اپنے بس میں نہیں ہوتیں۔

یہ اُس گروہ کے لوگ تھے جو اپنے مبلغ علم کو گنج قارون خیال کر کے اپنی محدود معلومات پر قطعی طور پر مطمئن ہوتے ہیں نیز ان کے خیالات و تصورات میں جو بات ایک بار جم جائے اُسے دُنیا کی کوئی طاقت بدل نہیں سکتی۔

وہ نہیں چاہتے کہ کسی معاملہ میں مزید تحقیق کر لی جائے تا کہ اُن کے سرمایۂ علمی میں بھی اضافہ کی راہیں کھل جائیں اور واقعات بھی نکھر کر اُن کے

سامنے آجائیں۔

ہمیں ان حضرات سے نہ تو کچھ کہنا ہے اور نہ ہی موضوعِ سخن بنانا ہے یونہی برسبیلِ تذکرہ ان لوگوں کا ذکر آ گیا ورنہ ہم تو انھیں ویسے ہی مرفوع القلم سمجھتے ہیں۔

بہر صورت ان مختلف اقسام کے حضرات سے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے متعلق گفتگو ہمارے ذوقِ تجسس کا سبب بنتی گئی۔ صوفیائے کرام اور اچھے بھلے پاکیزہ فطرت اور ذی مرتبت اور صاحب دل علماء حضرات کا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بارے میں عقیدۂ مودّت و محبت اس بات کی دلیل معلوم ہوا کہ ذخیرۂ کتبِ اسلامیہ میں اس قسم کی روایات ضرور موجود ہوں گی جن میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے مومن اور جنتی ہونے کا ثبوت موجود ہو اور یا پھر جو روایات اُن کے ایمان کے خلاف ہیں وہ ہی مخدوش ہوں۔

بس یہی لگن اور خیال تحقیق و تجسس کی وادیٔ غیر ذی زرع میں لے آئے اور نتیجۂ یہ پاکیزہ کتاب تیار ہو گئی۔

سابقہ ادوار کے صوفیائے کرام میں دو قسم کے بزرگ ہیں ایک تو وہ ہیں جو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے معاملہ میں بالکل خاموش ہیں اور انہوں نے نہ تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حق میں کوئی رطب اللسانی کی ہے اور نہ ان کے خلاف کوئی لفظ زبان سے نکالا ہے

اور دُوسرے وہ ہیں جو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکرِ خیر نہایت ادب و احترام اور نہایت مستحسن الفاظ میں کرتے ہیں اسی طرح علمائے کرام میں بھی اسی قسم کے دو گروہ ہیں ایک تو وہ شخص جو ضرور تاً روایت نقل کر دیتے ہیں لیکن اِس کے ساتھ حضرت ابو طالبؑ کی خدمات کا ذکر اس انداز سے کر دیتے ہیں جس سے روایت کی سنگینی میں کمی واقع ہو جائے۔

دُوسرا گروہ علمائے کرام کا وہ ہے جو مخالف روایت نقل کرنے کے بعد کچھ ایسی روایات نقل کر دیتے ہیں جن سے حضرت ابو طالبؑ کا مومن ہونا ثابت ہو جائے۔

تیسری قسم کے لوگ جنہیں ہم علمائے ظواہر کا نام دے چکے ہیں اُن کا تذکرہ ہی بے سود ہے۔ وہ لوگ محض حضرت ابو طالبؑ کے متعلق ہی بدگمان نہیں بلکہ ان کے نزدیک امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام آباؤ اجداد اور والدین کریمین رضی اللہ عنہم بھی کافر و مشرک اور جہنمی ہیں بلکہ وہ اُن کو کافر و مشرک ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا چکے ہیں۔

بہر حال یہ نا قابلِ تذکرہ لوگ ہیں ویسے بھی ہماری یہ کتاب اس قسم کے عقیدہ کے لوگوں کے لئے غیر ضروری ہے علاوہ ازیں ہمیں دورانِ تحقیق ایک ایسے گروہ کی کُتب پڑھنے کا موقعہ ملا جن کے نزدیک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مومن و موحد ہونا تو مُسلّم ہے لیکن اُن کے خلاف بیان کی جانے والی زیادہ تر روایات جو اُمیّہ نے بغضِ علی کی وجہ سے تیار کروائی

ہیں وہ اس معاملہ میں انتہائی شدت سے کام لیتے ہوئے اُن اکابر صحابہ کرام پر بھی شدید طعن کرتے ہیں جن کے اسماء گرامی کسی نہ کسی طریقہ سے ان روایات میں موجود ہیں۔

ہمیں اُن لوگوں سے اس معاملہ میں ہرگز اتفاق نہیں کیونکہ محدثین کرام نے حدیث کا معیار قائم کر رکھا ہے اور یہ ترازو کسی بھی روایت کا وزن کر لینے کے لئے بہر صورت کافی ہے۔

روایات پر جرح و تعدیل کے اُصول مرتب ہو چکے ہیں اور اس متعین شدہ طریقِ کار سے پتہ چل جاتا ہے کہ کوئی روایت کس حد تک صحیح اور درست ہے اور کس حد تک ناقابلِ قبول ہے۔

ویسے بھی اس قسم کا سخت رویہ محققین کی شان کے خلاف ہے کہ تمام تر راویان حدیث پر بدزبانی اور طعنہ زنی کی جائے اور انتہائی پست انداز سے اُن کا ذکر کیا جائے۔

بہرحال کاروانِ تجسس جانب منزل رواں رہا اگرچہ راستے میں کئی پر پیچ وادیوں اور دشوار گذار گھاٹیوں سے بھی گذرنا پڑا اور آخر میں کئی ایک ایسی روایات میسر آ گئیں جنہیں نہایت وثوق سے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے حق میں پیش کیا جا سکتا ہے۔

ممکن ہے کچھ لوگ اِن روایات کو ضعیف قرار دے کر نظر انداز کرنے کی کوشش کریں لیکن ایسا ہونا مشکل ہے کیونکہ آئمہ حدیث

فضائل ومناقب میں آنے والی ضعیف حدیثوں کو بھی درست تسلیم کرتے ہیں بلکہ فضائل میں آنے والی ضعیف احادیث کو فضائل میں کمی کرنے والی صحیح حدیثوں کا ناسخ قرار دیتے ہیں جس کی تفصیل ہم موقعہ پر بیان کریں گے۔

علاوہ ازیں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے خلاف آنے والی روایات کو جب اصول محدثین پر جانچا گیا تو یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ یہ متعدد وجوہ سے ناقابلِ قبول اور محلِ نظر ہیں حالانکہ انہیں اس طرح پیش کیا جاتا ہے کہ قطعی طور پر صحیح اور درست تصور ہوں۔

ایک خاص بات جو ہم اپنے قارئین پر واضح کر دینا ضروری سمجھتے ہیں یہ ہے کہ ہم نے اس کتاب کو عقیدۂ اہلِ سنّت و جماعت کے مطابق مرتّب کیا ہے اس لیے عین ممکن ہے کہ ہماری تحقیق ہر طبقہ کے لوگوں کے ذہنوں کے عین مطابق نہ ہو۔ کیونکہ ہم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کا معیار حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومن ہونے پر بھی رکھا ہے ہمارے عقیدہ اہلِ سنت و جماعت میں یہ مسئلہ متفقہ علیہ ہے کہ حضرت عبدالمطلبؓ قطعی طور پر مومن وموحد کفر وشرک کی نجاستوں سے پاک اور جنتی ہیں اور اُن کے مومن ہونے کو بھی ہم نے اپنے مُوقف میں ایک زبردست دلیل کے طور پر پیش کیا ہے۔

ویسے ہماری یہ تحقیق بالکل ایسی بھی نہیں کہ عام قارئین اس کو درخورِ اعتناء نہ سمجھتے ہوئے قابلِ توجہ ہی قرار نہ دیں اس ایک دلیل کے علاوہ بھی

مجموعی طور پر ایسے بیشمار دلائل پیش کر دیے ہیں جن سے انکار کرنے کی کسی بھی طبقہ کے لوگوں کو گنجائش نہیں۔

یہاں ہم اُن حضرات کے خیالات کا اظہار ضرور کریں گے جو انتہائی تذبذب کے عالم میں ہیں اُن کے سامنے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تین حیثیتیں ہیں اور وہ بیک وقت ان تینوں حیثیتوں کو قائم رکھنے کی کوشش کرتے ہیں حالانکہ ان میں ہر حیثیت ایک دوسرے کے متضاد ہے اس لحاظ سے اُن کے ذہنی اضطراب کی کیا کیفیت ہوتی ہوگی یہ قارئین خود اندازہ لگائیں۔ یہ لوگ دورانِ گفتگو بیک وقت ان تینوں باتوں کا اظہار کرتے ہیں۔

اوّل ! یہ کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اور دین اسلام کی بہت زیادہ خدمات سرانجام دی ہیں اس لئے اُن کی شان میں کوئی غلط جملہ نہیں کہنا چاہیے۔

دوم ! یہ کہ اُن کی ان خدمات کا صلہ ضرور ملے گا اور ان کی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت ومؤدت ضرور رنگ لائے گی۔

سوم ! یہ کہ انہوں نے رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے احکام کی تعمیل نہ کرتے ہوئے اسلام قبول نہیں کیا اس لئے وہ قطعی طور پر جہنمی ہیں اور جب تک کوئی شخص ایمان نہ لائے اس کے تمام عمل بیکار محض ہیں"

ہم ان عقائد پر آئندہ چل کر ضرور تبصرہ کریں گے لیکن یہاں اتنا سوال ضرور کریں گے کہ جب آپ ایک شخص کو اپنے خیال میں کافر و مشرک گمراہ بے ایمان اور جہنمی متصور کیے ہوئے ہیں تو پھر وہ کونسا جملہ ایسا باقی ہے جو اُن کی شان کے لائق نہ سمجھتے ہوئے کہنے سے گریز کرتے ہیں اور جب کافر و مشرک اور بے ایمان کے تمام اعمال اکارت جائیں گے تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اُن کی خدمات کا نفع مل جانے کا کیوں یقین رکھا ہوا ہے۔ ان حضرات کا خیال یہ بھی ہے کہ جب انہوں نے کلمۂ توحید پڑھنے سے ہی انکار کر دیا تو اُن کی باقی خدمات کا ذکر بے سود ہے اور ایسی کسی دلیل کی ضرورت ہی باقی نہیں جس سے اُن کے کفر و شرک کی نفی ہوتی ہو۔

ہم ان حضرات کی خدمت میں مودبانہ گذارش کریں گے کہ اگرچہ کلمہ نہ پڑھنے کی روایت متعدد معتبر کتب میں موجود ہے لیکن وہ روایت ہر لحاظ سے انتہائی مخدوش اور ناقابلِ اعتبار ہے اس کے برعکس بے شمار ایسے شواہد موجود ہیں جو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب ایمان ہونے پر دلالت کرتے ہیں اِس لئے صرف ایک ہی روایت پر اتنی بڑی شخصیت کے کفر و ایمان کا دارومدار نہیں رکھا جا سکتا جبکہ وہ روایت اصول حدیث کے مطابق بھی درست نہ ہو۔

بہر صورت ہم نے اس روایت کو مختلف زاویوں کی صورت میں قارئین کے سامنے پیش کر دیا ہے اور ایسے بے شمار شواہد پیش کر دیے ہیں جن

سے یہ روایت محلِ نظر اور نا قابلِ یقین ثابت ہوتی ہے اس لئے خداوندِ قدوس جلّ وعلا کی بے پایاں رحمت اور اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لطفِ عمیم سے مکمل یقین اور کامل امید ہے کہ یہ پر خلوص کاوش وکوشش ہرگز اکارت نہیں جائے گی بلکہ اس سے اُمتِ مُسلمہ کو بے شمار فوائد حاصل ہوں گے اور اس کے ساتھ ہی میرا اس بات پر بھی کامل ایمان ہے کہ یہ کتاب میرے لئے دونوں جہان میں کارآمد اور نفع بخش ثابت ہوگی۔

بایں ہمہ میری ایک دلی تمنا اور زبردست خواہش یہ بھی ہے کہ جب میں محشور کیا جاؤں تو قبر سے اُٹھتے وقت یہ مقدس صحیفۂ نور میرے ہاتھوں میں ہو اور جب عرش کے دُولہا حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ربّ عظیم کے عرش عظیم کے قریب تشریف فرما ہوں تو یہ ارمغانِ محبّت وعقیدت حضور سیّدالاولیاء، بابِ مدینۃ العلم، تاجدارِ ہَل اتیٰ، مُرتضیٰ، شیرِ خدا، مُشکلکشا، امیر المومنین، سیدنا مُرشدنا مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی وساطت جلیلہ سے آپ کی خدمت میں پیش کر کے اپنے والدین کے لئے بھی اور اپنے لئے بھی سند نجات ومغفرت حاصل کروں۔ دُعا فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے محبوب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے صدقہ سے میری اس آرزو کو شرف قبولیت عطا فرمائے۔

آمین بجاہ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

خاکپائے اہل بیت مصطفےٰ علیہم السلام ﴿صائم چشتی﴾

بابِ نہم

اعلیٰ حضرتؒ تصدیق کے محتاج ہیں؟

۱۷ استارے

مُصدِّقین و تصدیقات

مصدقین و تصدیقات

جلد اوّل میں بعنوان یہ کتاب اور اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ میں متعدد وضاحتی نوٹ تحریر ہو چکے ہیں درج ذیل وضاحت ہمارے بعض محبین کے مُسلسل تقاضوں کی مرہونِ احسان ہے حالانکہ ہم اِس کی ہرگز ضرورت محسوس نہیں کرتے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکتؒ مندرجہ ذیل تصدیقات کے کہاں تک محتاج ہیں یہ الگ مسئلہ ہے تاہم ہمیں یہ ہرگز پسند نہیں کہ اہلِ سنّت و جماعت بریلوی علمائے کرام کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ خادم کے ساتھ بھی تصادم ہوا جائے چہ جائیکہ ہم ان ذی وقار حضرات کو ہدفِ طعن بنائیں جو اس دَورِ پُرفتن میں حق و صداقت کی شمع فروزاں کئے ہوئے ہیں۔

قسم خدا کی محبت نہیں عقیدت ہے
ہمارے دل میں بڑا احترام ہے اُن کا

اگر یہ مسئلہ مختلف فیہ نہ ہوتا اور دشمنانِ خاندانِ رسول ہاشمی نے اس قدر شدّت اختیار نہ کی ہوتی تو ممکن ہے کہ کتاب ہذا کی ترتیب موجودہ

زاویوں سے قدرے مختلف ہوتی اور ہم اپنے اِن بزرگوں کے ارشادات کو سامنے لائے بغیر ہی اپنی تحقیق پیش کر دینے پر اکتفاء کر لیتے مگر اب تو ہمیں اِس مسئلہ میں ان کے شدید تعاون کی ضرورت ہے اس لئے ہم ان حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ درخواست کریں گے کہ موجودہ حالات کا ٹھیک ٹھیک اندازہ لگانے کی کوشش فرمائیں وہابیت تو خارجیت کا ایک ذیلی ادارہ ہے اور حالات یہ ہیں کہ خارجیت پوری قوت سے آپ پر حملہ آور ہو چکی ہے۔

آج خوابوں سے بھیانک ہیں حقائق کے نقوش

دوستو نیند سے جاگو گے تو ڈر جاؤ گے

حُسنِ ظن سوءِ ظن سے بہر طور بہتر ہے "ظنّ المومنین خیراً" منصوص اَمر ہے اس سے پہلو تہی نہ فرمائیں۔

اِختلافی مسائل میں طرفین کوئی ہم نواؤں کا جمِ غفیر مل سکتا ہے آپ ستره حضرات کے مقابلہ میں ہمارے پاس سینکڑوں بریلوی حضرات کے اَیسے خطوط موجود ہیں جو انہوں نے بغیر ہماری سفارش کے ہمیں خراجِ تحسین کے طور پر تحریر فرمائے ہیں ہم ان سب حضرات کے شکر گزار ہیں مگر ہم ان سب کو اس کتاب میں شامل کر کے تصادم کی صُورت پیدا کرنے کے حق میں نہیں ہم اپنے ان کرم فرماؤں کا بھی شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے باوجود اِختلاف کے قلم کا تقدس مجروح نہیں ہونے دیا اور جو لوگ اِخلاقی اقدار کا تحفظ کرتے ہوئے سلیقے سے نکتہ رسی کرتے ہیں وہ بہر صورت قابلِ احترام

ہیں۔

چمن میں چھیڑتی ہے کس مزے سے غنچہ و گل کو
مگر بادِ صبا کی پاک دامانی نہیں جاتی

البتہ ہمارے وہ بزرگ جو شدّتِ جذبات سے مغلوب ہوکر اظہارِ خیال فرماتے ہیں اگرچہ اس قابل نہیں ہوتے کہ ان کا محاسبہ نہ کیا جائے مگر وہ بھی اغیار نہ ہوں تو خود کو شدّتِ جذبات پر قابو پانے کے لئے تیّار کرنا پڑتا ہے اور یہ کوئی آسان کام نہیں بہر کیف اس صورت حالات کو یہی کہا جا سکتا ہے کہ قہرِ درویش بر جانِ درویش یا پھر

تنہائی میں دِل کھول کے رو لیتے ہیں ورنہ
محفل میں تو ہم ذکر بھی اُن کا نہیں کرتے

جیسا کہ ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ ہم زیرِ نظر مضمون لکھنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتے تھے لیکن بعض اُحباب کا خیال تھا کہ ان حضرات کے ارشادات کو زیرِ بحث لائے بغیر اس قدر عظیم و ضخیم کتاب اِعتراضات کے بوجھ تلے دبی رہے گی اور انصاف پسند قارئین کرام کے ذہنوں میں بھی ایک بے نام سی خلش یقیناً موجود رہے گی علاوہ ازیں ہماری اپنی کیفیت بھی کچھ ایسی ہی تھی کہ،

میں نے مر مر کے بجھائی تھی تیری یاد کی آگ
پھر بھی کچھ داغ سُلگتے رہے مدھم مدھم

بہر حال ان چند وضاحتی سطور کے بعد ہم ان واجب الاحترام بزرگوں سے شرف ہمکلامی حاصل کرتے ہیں جنہوں نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکتؒ کے رسالہ کی تصدیق کا سہارا لے کر اپنے اپنے انداز میں خامہ فرسائی کی ہے۔

ان واجب التکریم بزرگوں کے اسمائے گرامی لیئے بغیر محض اس ترتیب سے ہی استفادہ کریں گے جو مذکورہ رسالہ کے آخر پر مرتب صاحب نے ملحوظ رکھی ہے اور پھر تحریریں تو خود ہی محرر کے طرز انداز کی غماز ہوتی ہیں اس لئے بغیر نام کے بھی پہچان ہو جاتی ہے۔

جب سے ملی ہے مجھ کو تصور کی روشنی
دیکھے بغیر آپ کو پہچانتا ہوں میں

تصدیقِ اول!

آپ نے محض یہ فرمایا ہے کہ

"اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلویؒ کا مسلک درست ہے"

آپ نے اپنی علمی وجاہت اور خاندانی عظمت کے پیش نظر ہمیں کسی بھی طریقہ سے طعن و تشنیع کا ہدف نہیں بنایا حالانکہ آپ کی اس تحریر سے پہلے ایک شر پسند بزرگ نے ہمیں بالمشافہ آپ سے متصادم کرانے کی کوشش بھی کر ڈالی تھی جس کے جواب میں ہم نے صرف ان کے صاحبزادہ والا شان کی

چند تحریروں کا حوالہ دیا تو آپ بغیر مزید کچھ ارشاد فرمانے کے مسجد کو تشریف لے گئے۔

یہاں یہ بتا دینا بھی ضرور معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو اللہ تبارک وتعالیٰ جَلَّ مجدہٗ الکریم نے جن عظیم تر سعادتوں سے نواز رکھا تھا وہ مِن حیث المجموع علماء کرام میں سے شائد ہی کسی کو نصیب ہوں آپ کے والدِ گرامی اور آپ کے اپنے تلامذہ جید علماء کی صورت میں پاک و ہند کے چپہ چپہ میں شوکتِ اہلسنّت کی تصویر بن کر متمکن ہیں سوادِ اعظم اہلِ سنّت وجماعت پر آپ کا یہ احسان اس قدر بھاری اور عظیم ہے جس کو خراج عقیدت پیش کرنے کے لئے سُنّی حضرات کی گردنیں ہمیشہ خم رہیں گی آپ نے زندگی کا ہر لمحہ تبلیغِ حق و صداقت اور بقائے اہلِ سنّت کے لئے وقف کر رکھا تھا اب آپ کا وصال باکمال ہو چکا ہے پُوری زندگی ناموسِ رسالت کی حفاظت کرنے والے یہ بزرگ اَب پرچمِ رسالت مآب کے زیرِ سایہ آرام سے سو رہے ہیں۔

خُدا رحمت کُند ایں عاشقانِ پاک طینت را

دوسرے مصدق!۔

ان تصدیق کنندگان میں دُوسرے بزرگ بھی انتہائی قابلِ احترام ہیں خاص طور پر آپ بہت بڑے باپ کے بیٹے ہونے کے ساتھ ساتھ خود کو بھی اس دَور کے بڑوں میں شمار سمجھتے ہیں اور شائد یہ درست بھی ہو کیونکہ آپ

بقول قتیل شفائی اپنے متعلق کچھ اس قسم کا خیال رکھتے ہیں۔

جو ہم نہ ہوں تو زمانے کی سانس رُک جائے
قتیل وقت کے سینے میں ہم دھڑکتے ہیں

بہر کیف! آپ کا ارشاد ہے "ہمارا مسلک اعلیٰ حضرت کی اتباع ہے اور احادیث صحیحہ جن کو میں پڑھاتا ہوں ان میں بکثرت عدم ایمانِ ابوطالب مذکور ہے اور ان کے ایمان لانے پر کوئی حدیث دال نہیں"

ہم نے سطور بالا میں آپ کے متعلق جو کچھ عرض کیا ہے اس پر مُہرِ صداقت لگانے کے لئے آپ کا یہ ارشاد ہی بہر صورت کافی ہے کہ احادیث صحیحہ جن کو میں پڑھاتا ہوں۔

اندریں صورت آپ کو حدیث پڑھنے سے متہم کرنا یقیناً زیادتی ہوگی کیونکہ جب پڑھانے کی اسٹیج آجائے تو پڑھنے سے بے نیاز ہونا ہی پڑتا ہے یہی وجہ ہے کہ اہلسنت وجماعت کے ترجمان عصرِ حاضر کے عظیم جریدہ "افق" کراچی میں ہماری کتاب ایمان ابوطالب کے متعلق کسی کے سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ایمانِ ابوطالب کتاب کے مصنف نے گپ شپ لگائی ہوگی کیونکہ اُن کے ایمان پر کوئی دلیل نہیں گویا آپ نے ہماری کتاب پڑھے بغیر ہی اندازہ لگالیا کہ اس میں گپ شپ ہی ہوسکتی ہے

قارئین کرام کو بھی اب تو اندازہ ہوگیا ہوگا کہ پڑھانے کا مرحلہ آجائے تو پڑھنے کی ضرورت قطعاً ختم ہوجاتی ہے کاش آپ جو احادیث صحیحہ

کی کُتب پڑھاتے ہیں ان میں وہ احادیث صحیحہ بھی پڑھ لیتے جن میں حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کو پوری قوّت سے کافر ومشرک ثابت کیا گیا ہے معاذ اللہ،

اگر یہ نہیں تو کم از کم وہ اَحادیث صحیحہ تو ضرور پڑھتے جن میں فاتحہ خلف الامام، آمین بالجہر اور رفع یدین کا اُثبات ہوتا ہے اگر یہ بھی مناسب نہیں تھا تو اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں دیئے گئے ان ریمارکس سے ہی لطف اندوز ہو لیتے جو سراج الاُمّت امام اعظم ابو حنیفہ اور صاحبین رضی اللہ عنہم کے علاوہ دیگر تمام احناف پر بھی ضربِ شدید کی حیثیت رکھتے ہیں مگر ہم پڑھانے والوں کو پڑھنے کی ترغیب کیسے دے سکتے ہیں کیونکہ اپنا تو یہ حال ہے کہ،

پھولوں سے زخم کھائے ہیں کانٹوں سے سی لئے
یہ بھی رفو گری کی انوکھی مثال ہے

تیسری تصدیق!

تیسرے مصدق بڑے پہنچے ہوئے بزرگ ہیں اور خُدا کے فضل و کرم سے ہر زمانہ میں ہمہ جہت شخصیت ہونے کے دعویدار بھی رہے ہیں آپ کی عادت کریمہ میں شروع ہی سے یہ چیز شامل رہی ہے کہ اگر کسی سُنی بزرگ کو ان کی عظمت کا اعتراف کرتے ہوئے عُلمائے اہلسنت نے شیخ

القرآن کا خطاب دیا تو آپ نے اپنے پہلے خطابات میں "شیخ القرآن" کا اضافہ فرما لیا اور اگر کسی عظیم محدث کو "شیخ الحدیث" کا خطاب ملا تو آپ فوراً شیخ القرآن والحدیث بن بیٹھے بات طویل ہونے کا خدشہ ہے بس آپ یوں سمجھ لیجئے کہ آپ عظیم ترین سیاست دان، جلیل القدر مفکر، رفیع الشان مناظر، عظیم المرتبت خطیب، شیخ القرآن، شیخ الحدیث، شیخ الاسلام، شیخ المدرسین، شیخ التفسیر، شیخ الشیوخ، شیخ العلماء، شیخ الادبا، شیخ المحققین، شیخ المصنفین اور نہ جانے کیا کیا ہیں ہم نے بچشم خود آپ کی پہلی اور آخری ضخیم کتاب دیکھی ہے جو چھوٹے سائز کے پورے اڑتالیس صفحات کا گھیراؤ کرنے کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی بھی غماز ہے کہ اس کی پوری کی پوری عبارت شرح عقائد اور تکمیل الایمان کا چربہ ہے مگر آپ کی عظمت کا یہ پہلو ہمیشہ آفتاب نصف النہار کی طرح تابندہ ودرخشندہ رہے گا کہ آپ نے اصل کتابوں کا تذکرہ نہ کرنے میں آخر تک احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا۔

بایں ہمہ آپ اکثر آپے سے باہر رہنے ہی کو ترجیح دیا کرتے تھے اور اصاغر کے ساتھ آپ کا حُسنِ سلوک دیکھتے ہی یہ خیال پیدا ہو کر دم توڑ دیتا کہ

ٹوٹے ہوئے بتّوں کو حقارت سے نہ دیکھو
اک روز خلاؤں میں بکھر جاؤ گے تم بھی

اور پھر آخر یہی ہو کر رہا اس داستانِ اَلم کی چند جھلکیاں ابھی بیان ہوں گی پہلے آپ کے وہ ارشادات عالیہ ملاحظہ فرمائیں جو آپ سے دوران

تصدیق صادر ہوئے آپ فرماتے ہیں۔

اعلیٰ حضرت نے دلائل و براہین کی روشنی میں اس امر کو بھی واضح کر دیا ہے کہ اگرچہ ابو طالب کا ایمان کسی قطعی دلیل سے ثابت نہیں تاہم ابو طالب اور ابولہب کے کفر میں فرق ہے ابولہب اور اس کے امثال اشقیاء کے لئے اشد العذاب ہے اور ابو طالب کے صرف پاؤں آگ میں ہیں ابولہب کا کافر اور جہنمی ہونا ضروریات دین سے ہے مگر ابو طالب اس حد کا نہیں کہ معاذ اللہ خلاف پر تکفیر کا احتمال ہو۔

اعلیٰ حضرت کی ان تحقیقات عالیہ کے بعد اب کسی صحیح سنی العقیدہ بالخصوص رضوی کے لئے جدید تحقیق کا دعویٰ سراسر باطل ہے یہ تحقیق نہیں بلکہ تخریب ہے جس سے جماعت میں انتشار پھیلنے کا خطرہ ہے۔

نہایت ہی قابل افسوس تو یہ ہے کہ جو لوگ عربی صحیح طور پر لکھنے اور پڑھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے صحیح ترجمہ نہیں کر سکتے ایمان ابی طالب کتاب میں جو عبارات اِدھر اُدھر سے سرقہ کر کے نقل فرمائی ہیں اُن کے اعراب تک درست نہیں کر سکے اور دعویٰ محقق اعظم ہونے کا کر رہے ہیں۔

فقیر ان محققین کی خدمت میں عرض گزار ہے!

کہ دنیا روزے چند عاقبت کار با خداوند۔

محض سستی شہرت حاصل کرنے یا حطام دنیوی جمع کرنے کے لئے ایسے نازک اور اہم دینی مسائل پر قلم اٹھانے کی جرأت نہ کریں اور اگر

تصنیف وتالیف کا شوق ہی ہے تو کم از کم کسی ذمہ دار اور مُستند عالمِ دین کی طرف مراجعت کر لیا کریں اگر خُود استطاعت نہیں تو کسی عربی درس گاہ کے طالب علم سے عباراتِ منقولہ تو صحیح کروا لیا کریں تا کہ اہلِ علم کی نظر میں تضحیک کا نشانہ تو نہ بننا پڑے۔

دیانت داری سے مسائلِ غیر منصوصہ میں اِختلاف کی گنجائش ہوتی ہے مگر اپنے گریبان میں جھانک کر یہ بھی غور فرمائیں کہ آپ کون ہیں اختلاف کرنے والے اور آپ کی علمی حیثیت کیا ہے اور کس سے اختلاف کر رہے ہیں۔

جناب والا کتاب وسنت کی تصریحات اور اجماع اہلِ سنت کے بعد اب چودھویں صدی کے کسی برخوردار یا مست کا قول کیا وقت رکھتا ہے۔

اعلیٰ حضرت کے اس رسالہ مُبارکہ کو پڑھنے کے بعد آپ کو اپنے مؤقف سے فوراً رجوع کرنا چاہیے یہ چند کلمات بطور نصیحت اور خیر خواہی سپردِ قلم کیے گئے ہیں اور ہدایت اللہ کے ہی ہاتھ میں ہے۔

﴿مصدق مدظلہٗ العالی کی مراد مست اور برخوردار سے کیا ہے؟

یہ تو وہی جانیں آثار سے پتہ چلتا ہے کہ یا تو حافظ محمد برخوردار اور حضرت مولانا مست جمال مدظلہٗ العالی یا خواجہ قمر الدّین مدظلہٗ العالی اور محرر ایں سطور ہیں یا پھر اُن کے ذہن میں کوئی اور بھی ہو سکتے ہیں ﴿واللہ اعلم﴾ ہمارے خیال میں شق ثانی ہی زیادہ درست ہے کیونکہ اسکے

پیچھے چند سیاسی اُمور بھی کارفرما ہیں اِس لئے بھی شق زیرِ تبصرہ آ ئے گی ﴿مصنف﴾

جوابِ آں غزل

سوچا تھا تیرے غم سے ملی ہے ہمیں نجات
یہ سوچتے ہی پھر سے تری یاد آ گئی

مندرجہ بالا شعر اس لئے ہدیہ قارئین کرنا پڑا کہ درج ذیل سطور رقم کرتے وقت ہمیں اپنے اس جلیل القدر بزرگ کی وہ باتیں ایک ایک کر کے یاد آ رہی ہیں جنہیں ہم ایک ایک کر کے گوشہ ہائے دِل و دماغ سے نکال چکے تھے اور ہم یہ سوچ رہے ہیں۔

کون لفظوں کے دریچوں میں چُھپا بیٹھا ہے
کس کی یادوں کی مہک گلشنِ تحریر میں ہے

بہر کیف ! ہمارے یہ بزرگ عملی طور پر دیگراں را نصیحت تک ہی محدود ہیں اور ہمارے سامنے آپ کی سیاسی قلابازیوں کی مکمل تصویر لرزہ بر اندام ہے۔

اہلِ سنت و جماعت کی طرف سے میدانِ سیاست میں آپ کے قدوم میمنت لزوم سے جو گفتی و ناگفتی باتیں منصۂ شہود پر آئیں قلم بند کی جائیں تو یقیناً آئندہ نسلوں کے لئے نہایت ہی کار آمد ثابت ہوتیں مگر،

کچھ تلخیاں حیات کی تقدیر بن گئیں
ہر ذوقِ آرزو کو دبانا پڑا ہمیں

چنانچہ آپ کے متعلق اخبارات و رسائل کے تمام تر تراشے نذر آتش کرتے ہوئے اُن تمام تر حقائق کو غلط قسم کی افواہوں کے نام سے موسوم کرتے ہوئے خود کو مجبور کریں گے کہ ان جگر خراش واقعات کو اپنا واہمہ اور خواب پریشان متصور کریں کیونکہ،

یُوں تو ہم آگاہ ہیں صیّاد کی تدبیر سے
پر اسیرِ دامِ گل اپنی خوشی سے ہو گئے

سُنا ہے ہمارے یہ بزرگ جو کبھی وطن عزیز ہیں "امیر المومنین" کی حیثیت سے تختِ خلافت پر متمکن ہونے کے خواب دیکھا کرتے تھے آج کل اپنے آبائی گاؤں میں بحیثیت راعی کے اپنے ذوق کی تکمیل کر رہے ہیں اس لئے کہ عوام کالانعام بھی ریوڑ کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان پر حکومت کرنے والا راعی کہلاتا ہے جب کہ کالانعام کا کل اڑا دینے کے باوجود بھی آپ کے راعی ہونے میں خاص فرق نہیں آیا ہاں اگر کچھ فرق ہے تو صرف اتنا کہ

دُور جلتا تھا سرِ شام نشیمن اُن کا
وہ سمجھتے رہے یہ شام کی لالی ہوگی

بہر کیف! آپ کو راعی بننا تھا سو بن گئے ہمیں آپ نے برخوردار کہا ہے تو یہ بالکل درست ہے بلکہ ہم اپنی عزت افزائی کے شکر گزار ہیں۔

البتہ شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت پیر سیالوی مدظلہ العالی کو حقارت سے مست کا لقب دینا صریحاً زیادتی ہے، کیونکہ جب آپ کو پہلی بار ''امیر المومنین'' بننے کا شوق پیدا ہوا تو انہی پیر سیال کے پیچھے چوکڑیاں بھرتے پھرتے تھے آپ کی طرف سے شائع ہونے والا وہ یادگار پوسٹر بھی ابھی تک ہمارے پاس محفوظ ہے جس میں حضور پیر سیال کو صدر مجلس کی حیثیت سے آپ نے خود بے شمار خطابات والقابات دے رکھے ہیں اندریں صورت سوائے اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

یہ کون لوگ اندھیروں کی بات کرتے ہیں
ابھی تو چاند تری یاد کے ڈھلے بھی نہیں

بات بڑھانا ہمارا مقصود ہرگز نہیں چونکہ ہماری وجہ سے آپ نے ایک واجب التکریم ہستی پر طعن کیا ہے لہٰذا ضروری تھا کہ آپ کی یادداشت واپس لانے کی کوشش کی جاتی۔

بہرکیف! پیر سیال مدظلہ العالی نے ''ایمان ابوطالب'' کے متعلق جو فتویٰ صادر فرمایا یہ محض ان کا اپنا قول ہونے تک ہی محدود نہیں بلکہ انہوں نے امامِ اہلسنت قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے۔

لہٰذا آپ کو مناسب نہیں تھا کہ آپ انہیں حقارت سے چودھویں صدی کا مست کہتے ہاں اگر آپ نے انہیں عقیدت ومحبت اور خلوص ونیاز

مندی سے مست کہا ہوتا تو ہم آپ کو ایک مست کا ہی مصرعہ ضرور سناتے بلکہ اس پر عمل کرنے کی ترغیب بھی دیتے کہ،

برو اے مدعی نادان چہ دانی سِرِّ مستاں را

اور اسی عالی قدر مست و مجذوب کا یہ مصرعہ بھی آپ کی نذر کرتے۔

حیدریم قلندرم مستم

اور اگر پھر بھی آپ کے زُہد و اتقاء اور زیادتی ءِ علم کی تسکین کا سامان فراہم نہ ہوتا تو یہ شعر بھی آپ کو سنایا جا سکتا تھا۔

آں جا کہ زاہداں بہزار اربعیں رسند

مستِ شرابِ عشق بیک آہ می رسد

ہمارے خیال میں اہلِ محبت کو مست و مخمور کر دینے والے ان اشعار کے بعد آپ نے یقیناً اپنے اس جملہ سے رجوع کر لیا ہوگا جو کتابیًا حضرت پیر سیال مدظلہ العالی کے لئے رقم فرمایا تھا۔

اب رہی ہماری بات تو اپنے متعلق صرف یہ کہیں گے کہ

ہم کو نفرت سے نہیں پیار سے مصلوب کرو

ہم تو شامل ہیں محبت کے گنہگاروں میں

آپ نے جو پند و نصائح ہمارے لئے تجویز فرمائے ہیں کاش ان سے خود بھی مستفیض و مستفید ہوتے آپ کا ارشاد ہے کہ ہم نے یہ کتاب سستی شہرت اور حطامِ دنیوی کے حصول کے لئے لکھی ہے جسے اچھا فعل قرار نہیں دیا

جا سکتا عالیجاہ یہ جملہ لکھتے وقت یہ تو خیال فرمایا ہوتا کہ ہم مہنگی شہرت حاصل کرنے کے ذرائع کہاں سے لاتے کبھی ہمیں اس قسم کی صدارت کا رُوئے زیبا دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا جو حادثاتی طور پر کچھ عرصہ آپ کے زیرِ عاطفت آرائشِ جمال سے مزین ہو کر پس پردہ چلی گئی۔

اگر ہمیں چند لمحے بھی اِس قسم کی صدارت مل جاتی اور ساتھ ہی آپ کے پرخلوص مشوروں کی دولت بھی نصیب ہوتی تو ہو سکتا ہے کہ ہم آپ سے بھی زیادہ مہنگی شہرت خرید سکتے اور یہ بھی عین ممکن تھا کہ سیٹیں فروخت ہونے سے پہلے ہی بک ہو جاتیں اور خریداریوں چلاتے پھرتے،

میری یادوں کے اُفق پر آپ کے وعدوں کے چاند
اُس قدر چمکے نہیں ہیں جس قدر گہنائے ہیں

بہر حال! حطامِ دنیوی اور دنیا روزے چند کا جواب ہم کیا عرض کر سکتے ہیں آپ ہی کوشش فرمائیں شائد سطور بالا میں ان کی بھی کوئی شق موجود ہو البتہ ایک شعر سُن لیجئے شائد اس کا تاثر ہی اس کہانی کو نمایاں کر دے جو ہم کسی بھی صورت میں نوکِ قلم پر نہیں لانا چاہتے، شعر نذر ہے۔

نیم شب شمع کے چہرہ پہ پسینہ کیوں ہے
زندگی چھین لی شاید کسی پروانے کی

آپ نے فرمایا ہے کہ ہمیں عربی زبان پر دسترس حاصل نہیں اور دعویٰ محقق ہونے کا کیا ہے؟

آپ کی جان کی قسم ہم نے کبھی محقق ہونے کا دعویٰ نہیں کیا یہ آپ کو شدید غلط فہمی ہوئی ہے البتہ آپ اس دعویٰ میں قطعی طور پر حق بجانب ہیں کہ ہم عربی زبان سے نابلد ہونے کی وجہ سے نہ عبارت درست کر سکتے ہیں اور نہ ہی ترجمہ ٹھیک کر سکتے ہیں اور نہ ہی عربی عبارات پر اعراب ٹھیک طور پر لگا سکتے ہیں۔

اس ضمن میں ہم آپ کو مزید یقین دہانی کراتے ہیں کہ آپ یہ سب کچھ فرمانے میں قطعی طور پر حق بجانب ہیں اور ہمیں اپنی اس کمزوری کا مکمل طور پر احساس ہے اور یہ کمزوری اس وقت مزید ضعف و ناتوانی کا شکار ہو جاتی ہے جب آپ جیسے تمام علوم وفنون کے بحرِ ناپیدا کنار کا تصور بھی سامنے موجود ہو مگر حضور بندہ نواز یہ مت بھولئے کہ،

دفن کر سکتا ہوں سینے میں تمہارے راز کو
اور اگر چاہوں تو افسانہ بنا سکتا ہوں میں

اور اسے بھی یاد رکھا کریں کہ آپ کی عربی دانی سے تا حال صرف چھوٹے سائز کے اڑتالیس صفحات کا ظہور ہوا ہے اور وہ بھی خالصتاً عبارات مسروقہ اس لئے کہ آپ نے ان عبارات کے ماخذ بتانے سے مکمل طور پر گریز بھی کیا ہے اور کامل طور پر پرہیز بھی فرمایا ہے کہ اور آپ نے سرقہ کی اس واردات کو چھپانے کے لئے اُلٹا ہماری کتاب کو سرقہ شدہ عبارتوں کا مجموعہ قرار دیا ہے شاید آپ کی اصطلاح میں اگر عبارات نقل کرتے وقت

اصل کتابوں کے نام اور صفحات وغیرہ لکھ دیئے جائیں تو اسے اِدھر اُدھر سے سرقہ کی گئی عبارتوں کا نام دیا جاتا ہے اور عبارتیں دُوسری کتابوں سے لے کر اپنے نام پر شائع کی جائیں وہ تحقیق کہلاتی ہیں۔

کتنی ہے سادگی ترے حُسن کلام میں
شوخی بھی جس کو دیکھ کر سنجیدہ ہو گئی

بہر کیف! خداوند قدوس جلّ و علا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آپ "امیر المومنین" بنتے بنتے رہ گئے ورنہ آپ نے اب تک شرعی حدود جاری کر دی ہوتیں اور ہم سرقہ بالجبر کے جُرم کی پاداش میں ہاتھ سے ہاتھ دھو بیٹھے ہوتے اور خُدا ہی اپنی حکمتوں کو بہتر جاننے والا ہے ویسے یہ آپ کے لئے بھی ایک نصیحت ہے۔

سہارا جو کسی کا ڈھونڈتے ہیں بحرِ ہستی میں
سفینہ ایسے لوگوں کا ہمیشہ ڈوب جاتا ہے

عالیجاہ! آپ نے اپنا مضمون شروع کرتے وقت اعلیٰ حضرت عظیم البرکتؒ کے فیصلہ کا خیر مقدم کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جناب ابوطالب کا کفر ضروریاتِ دین سے نہیں کہ معاذ اللہ ان کے ایمان کے قائلین کی تکفیر ہو سکے بلکہ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ مسائلِ غیر منصوصہ میں اختلاف کی گنجائش ہے،

حیرت ہے کہ آپ یہ جانتے ہوئے بھی ہمیں طعن و تشنیع کا ہدف

بتانے سے باز نہ رہ سکے اور سب سے تحیّر آفرین آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اختلافی مسائل میں عام آدمی حصّہ نہیں لے سکتا گویا اس علمی کشتی میں برابر کا جوڑ ہونا ضروری ہے اور پھر اس سے بھی چند قدم اور آگے بڑھ کر حیران کُن آپ کا یہ ارشاد ہے کہ اب چونکہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا رسالہ چھپ چکا ہے لہٰذا اس کی روشنی میں ہمیں اپنے موٴقف سے رجوع کر لینا چاہیے گویا آپ یہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ ہم نے یہ کتاب اعلیٰ حضرت کے موٴقف کی مخالفت میں نہیں لکھی۔

رُکنا ذرا کہ گردشِ دوراں سے پُوچھ لُوں
کِس کی تلاش میں ہے، کوئی مجھ سے کام ہے؟

حضور والا! آپ کی ہمارے خلاف لکھی ہوئی تمام تر عبارت تناقض و تصادم کا شکار ہو کر رہ گئی ہے آپ جانتے ہیں کہ اعلیٰ حضرتؒ کی تحقیق ہماری کتاب کے جواب میں مع آپ کی تصدیق کے طبع ہوئی ہے لہٰذا ہمارا اعلیٰ حضرت عظیم البرکتؒ سے اختلاف کرنا کسی بھی صورت میں ثابت نہیں کیا جاسکتا لہٰذا آپ کا یہ قول باطل ہے کہ غیر منصوصہ مسائل میں اختلاف کرنے کے لئے اعلیٰ حضرتؒ کے مقابلہ میں ہم موزوں نہیں ہیں۔

محبت کا سبق دے کر ستم ایجاد کر ڈالا
سجا کے خُود گلستاں، آپ ہی برباد کر ڈالا

بندہ نواز الفاظ کی یورش حقائق کا رُخ تبدیل نہیں کر سکتی آپ کے

اس قول میں بھی ذرّہ برابر صداقت نہیں کہ اختلافی مسائل میں صرف وہی حصّہ لے سکتا ہے جو برابر کا آدمی ہو ورنہ محترم سیّد محمود احمد رضوی صاحب کو بھی آپ اِس اَمر کی اطلاع ضرور دیتے مگر شائد وہاں آپ ان کے برابر کا جوڑ نہ ہوں اور پھر وہ آپ کے اُستاد زادے بھی تو ہیں۔

بہرکیف! یہ آپ کا اپنا اندازِ فکر اور زاویہ نگاہ ہے ورنہ مُتقدمین سے متاخرین کے سینکڑوں اختلافات کتابوں میں بھرے پڑے ہیں حالانکہ ان متاخرین میں سے اکثر حضرات کی علمی حیثیت پہلوں کے مقابلہ میں عشرِ عشیر بھی نہیں اور اس کے ساتھ ہی یہ ناقابل تردید حقیقت بھی ہمیشہ سے موجود ہے کہ،

احساس کے انداز بدل جاتے ہیں ورنہ
آنچل بھی اُسی تار سے بنتا ہے کفن بھی

آخر پر التجا ہے کہ آپ ہماری پُوری کتاب پڑھ کر عربی عبارات کا اغلاط نامہ تحریر فرما کر بھیج دیویں جسے شکریہ کے ساتھ آپ ہی کے نام سے شاملِ اشاعت کر دیا جائے گا چونکہ یہ آپ ہی کا مخلصانہ مشورہ ہے لہٰذا اس کارِ خیر کو خود ہی سرانجام دیں اور اللہ ہی توفیق عطا فرمانے والا ہے۔

چوتھی تصدیق!

چوتھے مُصدّق ایک ایسے پیارے بزرگ ہیں جو شدّتِ طبع سے اکثر

طور پر مغلوب رہنے کے باوجود اسم بامسمّٰی ہیں۔

اگرچہ آپ نے بھی تصدیق کے سہارے جی کھول کر دل کا غبار نکالا ہے مگر ہم باوجود اُن کے ہر جملہ پر پُوری پوری قوت گرفت رکھنے کے ان کے متعلق کسی قسم کا تبصرہ نہیں کریں گے۔

اس کی وجہ ان سے خوف زدہ ہونا ہرگز نہیں اور نہ ہی وہ کوئی خوفناک قسم کی چیز ہیں بلکہ،

سرخیِ رُخ کی قسم لرزشِ لَب کی قسم
ہم نے چاہا ہے انہیں عظمتِ کردار کیساتھ

اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ مجدہٗ الکریم کے حضور میں حضور رحمۃ اللعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے صدقہ سے ہماری دُعا ہے کہ وہ آئندہ بھی کبھی ہمارے زیرِ تبصرہ نہ آئیں اور ہمارے معاملہ میں خاص طور پر خود کو سنبھالنے کی کوشش فرمائیں کیونکہ ہم ان سے اس لئے پیار کرتے ہیں کہ وہ بازاری جنس نہیں اور جس مسئلہ سے پُورے طور پر واقف ہوں اس میں جھول کے قائل نہیں اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ اعلیٰ حضرت کے مسلکِ حق کی مکمل اِتباع کرتے ہیں اور اختلافی مسئلہ کی صُورت میں یہ امتیاز نہیں رکھتے کہ اعلیٰ حضرت کے مسلک سے اختلاف رکھنے والا بہت بڑی علمی شخصیت ہے یا مجھ جیسا معمولی آدمی اس امر کا اندازہ آپ کے صرف اس ایک جملے سے ہی لگایا جاسکتا ہے جو انہوں نے مجھے ہدفِ تنقید بناتے ہوئے رقم فرمایا ہے کہ اگر

ایمان ابو طالب" کا اثبات کرنے والے علماء متقدمین اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق ملاحظہ فرما لیتے تو یقیناً اپنے مسلک سے رجوع کرتے،

ہم نے یہ حوالہ استہزا کے طور پر نہیں دیا بلکہ مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ آپ مسلک کے معاملہ میں ایک نا قابلِ شکست چٹّان ہیں اندریں صورت اگر انہیں فنا فی الاعلیٰ حضرت کہا جائے تو ہرگز غلط نہیں ہوگا۔

یہاں سے قارئین غلط مطلب اخذ کرنے کی کوشش نہ کریں ہر شخص کا اپنا ایک منصب ہے اور یہ قطعی ضرورت نہیں کہ ان کے دائرہ احتساب میں آنے والے تمام مسائل میں ہم ان سے اتفاق بھی رکھتے ہوں ہمارا مطلب صرف یہ ہے کہ وہ جس منصب پر ہیں اس کی اہلیّت بھی رکھتے ہیں اور بے پیندے کے لوٹے کی طرح لڑھکتے نہیں پھرتے، چونکہ ہم نے متعدد بلند پایہ اور عظیم المرتبت شخصیتوں کے پھسلنے کا مشاہدہ بچشم خود کیا ہے اس لئے ان کے درمیان ایسی شخصیت کا دم بہر صورت غنیمت ہے۔ بہر حال!

ہم سے محبتوں کی نمائش نہ ہو سکی
ہاں اتنا جانتے ہیں انہیں چاہتے ہیں ہم

پانچویں تصدیق!

پانچویں مصدّق فرماتے ہیں فقیر کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت سیدنا

شاہ احمد رضا خاں قدس سرّہ کی تحریر پر اعتماد ہے آپ نے جو کچھ مسئلہ ہذا کے متعلق لکھا ہے صحیح اور حق ہے فقط،

چشمِ ماروشن دلِ ماشاد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت نے قائلینِ ایمان ابی طالب کی تکفیر نہیں فرمائی اس لئے قطعاً تشویش نہیں البتہ آپ جس تفسیر کا ترجمہ فرماتے ہیں اس کے حاشیہ میں نوٹ ضرور لکھنا پڑے گا بہر حال!

کوئی داغ جل نہ جائے کوئی زخم پھٹ نہ جائے
ذرا دیکھ کر گزرنا مرے دِل کی رہگذر سے

چھٹی تصدیق!

آپ نے اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کو چند نئے حوالوں سے بھی نوازا ہے اور ایک حوالہ کشف المحجوب شریف کا دیا ہے داتا علی ہجویری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تالیف مبارکہ سر آنکھوں پر مگر اس میں بیان کردہ تمام مسائل کو اعلیٰ حضرت کے مسلک کے مطابق ثابت کرنا انتہائی دشوار ہوگا بہر حال انہوں نے ہمیں طعن و تشنیع بھی نہیں کیا اور ویسے بھی وہ گوشہ نشین اور کبر سِن بزرگ ہیں جن کا حال یقیناً اس شعر کا غماز ہے۔

ماضی کی یاد کو میں سجا کر شعور میں
دیتا ہوں زندگی کو سہارا کبھی کبھی

علاوہ ازیں تفسیر صاوی اور افضل الفوائد کے حوالوں سے اعلیٰ

حضرت عظیم البرکت کے علم میں اضافہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے وہ آپ کا خیال خام ہے تفسیر صاوی میں اس مسئلہ کے آخر میں صوفیاء کرام کا یہ قول درج ہے کہ حضرت ابوطالب ایمان لے آئے تھے جبکہ خواجہ خواجگان حضرت نظام الدین اولیاء اپنی افضل الفوائد کے بعد کی تصنیف نظام التوحید میں واضح طور پر فرماتے ہیں کہ حضرت ابوطالب دنیا سے ایمان کے ساتھ رخصت ہوئے ہیں۔

ساتویں تصدیق!

یہ بزرگ انتہائی اختصار پسند ثابت ہوئے ہیں اور آپ نے صرف یہ گرہ لگائی ہے الجواب صحیح خدا جانے آپ نے کس مُصدّق کے جواب کو درست فرمایا ہے کیونکہ چھٹے بزرگ کی رہائش گاہ ان سے ایک سو پینتالیس کلو میٹر کے فاصلہ پر ہے اور استفسار کرنے والے کی تحریر فرداً فرداً گھوم رہی ہے بہرحال کسی کے جواب کو تو درست کہا ہی ہوگا ہمیں کیا۔

جان بچی لاکھوں پائے

آٹھویں تصدیق!

یہ مصدّق بزرگ فرماتے ہیں اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مجدد دین و ملّت شیخ الاسلام والمسلمین سیّدی امام احمد رضا خاں بریلوی قدس سرہ کی مسئلہ مذکور کے متعلق تحقیق کے ساتھ فقیر کو پورا اتفاق ہے۔

آپ ایک شریف النفس اور نیک سیرت بزرگ ہیں اس لئے مختصر طور پر مطلب کی بات کہنے پر ہی اکتفاء فرمایا ہے اور اپنے منصبِ عالیہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہمیں ہدفِ تنقید نہیں بنایا بہر کیف! آپ کو اتفاق نہیں ہوگا تو اور کس کو ہوگا؟

نویں مصدق!

یہ وہ بزرگ ہیں جنہوں نے ان رسائل کا ترجمہ فرمانے کی سعادت حاصل کی ہے آپ فرماتے ہیں جس مسئلہ کو اس صدی کے مجدّدِ برحق سیدنا اعلیٰ حضرت مولانا الشاہ احمد رضا خاں صاحب بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین آیاتِ قرآنیہ پندرہ احادیثِ نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور اسی ۸۰ صحابہ کرام وتابعین وعلمائے اعلام علیہم الرضوان کے ارشاداتِ عالیہ کی روشنی میں محقق ومدلل ومبرہن فرمایا اس کے حق وصواب ہونے میں کیا شک ہے۔ الخ

خدا کرے آپ کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ کے اس فرمان میں بھی شک نہ رہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کفر ضروریات دین سے نہیں اس لئے ان کے ایمان کے قائلین کی تکفیر کا معاذ اللہ احتمال نہیں۔

جس کا صاف صاف مطلب یہ ہے کہ قائلینِ ایمان سے اظہارِ تنفّر کا جواز اعلیٰ حضرت کے مسلک میں ہرگز موجود نہیں ہوسکتا ہے آپ اس حقیقت

پر غور فرمانے کی زحمت گوارا فرما ہی لیں آپ کی خدمتِ اقدس میں صرف یہ گزارش ہے کہ،

تسکینِ دِل کے واسطے وعدہ تو کیجئے
مجھ کو یقین ہے آپ سے آیا نہ جائے گا

دسویں تصدیق!

یہ بزرگ فرماتے ہیں اعلیٰ حضرت قُدس سرہٗ کی تحقیق اور ان کا مسلک درست ہے خیال تو اچھا ہے مگر آپ اس شرط کو توڑتے ہوئے اکثر ان لوگوں سے گھل مل جاتے ہیں جن کے ساتھ اِس قسم کے الحاق واِتحاد کو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت رحمۃ اللہ علیہ نے قطعی حرام فرمایا ہے بہر کیف آپ ایک عظیم مجاہدِ اسلام اور رسول ہاشمی کے بے باک سپاہی ہیں مگر!

تجھ کو کس نام سے پکاروں میں
آج تک یہ بھی فیصلہ نہ ہوا!

گیارھویں تصدیق!

آپ فرماتے ہیں الجواب ہوالموفق للصواب ابوطالب کے بارے میں اعلیٰ حضرت قدس سرہ العزیز کا مسلک صحیح ہے اور یہی جمہور اہلِ سُنّت کا موٗقف ہے اور یہی ہمارا اختیار ہے۔

آپ نے بھی کسی دوسرے بزرگ کے جواب کو ہی صواب کے

مطابق فرمایا ہے۔ ترتیب کے لحاظ سے دسویں بزرگ کی ہموائی معلوم ہوتی ہے کیونکہ ہر دو عالی قدر حضرات کا مسکن ایک ہے۔

آج پھیلی ہوئی خُوشبو یہ پتہ دیتی ہے
اسی رستے سے کوئی جانِ جہاں گزرا ہے

تاہم آپ کا ارشاد محلِ نظر ہے کہ جمہور اہلِ سنت کا موقف بھی ہے کیونکہ یہ اہلسنت میں قطعی طور پر اختلافی مسئلہ ہے ورنہ اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ قائلین ایمان کی تکفیر ضرور فرماتے،

بارہویں تصدیق!

یہ تصدیق کنندہ بزرگ مختصر طور پر یہ فرماتے ہیں۔ مجھے فاضل بریلوی قدس سرہٗ سے کلّی اتفاق ہے۔

بات تو آپ نے بڑی اچھی کی ہے مگر آپ شائد کچھ بھول رہے ہیں اور یہ کوئی ایسی بات بھی نہیں ہے کیونکہ آپ ایک کبیر سن بزرگ ہیں آپ کی جلالتِ علمی اور دینِ حقہ کی خدمات مسلّم حیثیت کی حامل ہیں علاوہ ازیں آپ نہایت بے ضرر اور نیک سیرت بھی ہیں تاہم آپ کو جو بات یاد آتے آتے رہ گئی وہ یہ ہے کہ ہماری اسی کتاب ایمان ابی طالب کا پہلا ایڈیشن ابھی زیرِ طباعت تھا اور سیدی و مرشدی حضور قبلہ عالم پیر سیّد علی حسین شاہ صاحب دامت برکاتہم العالیہ سجادہ نشین آستانہ عالیہ لاثانیہ علی پور شریف کی معیت

میں ایک ٹیوب ویل بنانے والوں کے گھر میں آپ سے شرف ملاقات حاصل ہوا تو ہم نے کتاب ہذا پر تقریظ لکھنے کے لئے درخواست کی جس کے جواب میں آپ نے فرمایا بخاری شریف میں اس کے خلاف روایت آئی ہے تاہم حزب الاحناف کے دفتر میں شاہ صاحب سے مشورہ کرنے کے بعد تقریظ لکھ سکیں گے۔

افہام و تفہیم کی صورت میں بات چل ہی رہی تھی کہ حضور قبلہ پیر سید علی حسین شاہ صاحب دامت فیوضہم نے آپ کو مخاطب کر کے فرمایا مولوی جی اس مسئلہ میں آپ کا دِل کیا کہتا ہے؟ تو آپ نے مُسکرا کر فرمایا دِل سے تو انہیں مومن ہی مانتا ہوں۔

میں نے معاً عرض کیا حضرت دِل سے آپ انہیں مومن مانتے ہیں زبان سے اَب اِقرار ہو گیا لہٰذا باقی کام ہاتھ کا ہے قلم اٹھائیں اور صرف یہی جملہ لکھ دیں کہ میں دل سے جناب ابو طالب کو مومن مانتا ہوں مگر آپ یہی اصرار کرتے رہے کہ قلم مشورہ کے بعد ہی چلے گا۔

اس واقعہ کے متعدد شاہد موجود ہیں اور پھر حضور قبلہ عالم پیر سید علی حسین شاہ صاب مدظلہ العالی کا وہاں تشریف فرما ہونا ہی کیا کم ہے۔

مدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

علاوہ ازیں یہی بزرگوار نمبر اس اور اس کے حاشیہ کی تصحیح فرمانے والے ہیں جبکہ محشی بزرگ کا یہ ارشاد کتاب مذکورہ میں موجود ہے کہ میں نے

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمینؑ اور آپ کے عم محترم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے اثبات میں دو رسالے لکھے ہیں بہر حال ہم ان لائق صد احترام اور بزرگ شخصیت کے حضور میں اس کے سوا اور کیا عرض کر سکتے ہیں کہ،

کسی کو کیا ہو دلوں کی شکستگی کی خبر

کہ ٹوٹتے ہیں یہ شیشے صدا نہیں رکھتے

تیرہویں تصدیق!

تیرہویں بزرگ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ کے اس شعر کے علامتی طور پر مقلد معلوم ہوتے ہیں۔

عجمی خُم ہے تو کیا ئے تو حجازی ہے مری

نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

کیونکہ آپ کا اسمِ گرامی گ سے شروع ہوتا ہے جو یقینی طور پر عربی زبان کی تحریروں میں استعمال نہیں ہوتا یہ الگ بات ہے کہ آج کل ممالک عربیہ میں جدید عربی میں قُل کو گُل اور جدہ کو گدہ کہا جاتا ہے مگر یہ صورت صرف تقریر کی حد تک ہے تحریر ابھی تک اس تکنیک میں ملوث نہیں ہو پائی۔

بہر حال! عرض یہ کرنا تھا کہ آں جناب نے اپنی مُہرِ تصدیق عربی زبان میں ثبت فرما کر یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ،

نغمہ ہندی ہے تو کیا لے تو حجازی ہے مری

حالانکہ امام اہلِ سنّت شاہ احمد رضا خاں کی عادتِ مبارکہ یہ تھی کہ جس زبان میں سوال ہوتا اُسی میں جواب اِرشاد فرماتے اور دُوسری زبان اس وقت استعمال فرماتے جب انھیں اپنے جواز میں دُوسری کتابوں کی عبارات نقل کرنا ہوتیں۔

قارئین اسے اظہارِ قابلیت سمجھ لیں یا علومِ عربیہ پر کامل دسترس کا نام دے لیں آپ کا جواب عربی زبان میں ہے اور وہ یہ ہے۔

ما قال إمام اهل السنة والجماعة العلامة الشاه أحمد رضا خان البريلوى فهو حق واجب الاتباع فمن خالفه خالف اهل السنة والجماعة

یعنی جو کچھ بھی امامِ اہلِ سنّت والجماعت علاّمہ شاہ احمد رضا خاں بریلوی نے فرمایا ہے وہی حق ہے اور اس کی پیروی ضروری ہے پس جو ان کا مخالف ہے وہ اہلِ سنت والجماعت کا مخالف ہے۔ انتہیٰ

عربی زبان میں فتویٰ صادر فرمانے میں خاص فائدہ آپ کو صرف یہ پہنچا ہے کہ اعلیٰ حضرت کے ارشاد کے خلاف اہلِ سنّت و جماعت کو "اہل السنت والجماعت" کہنے کا جواز پیدا ہو گیا۔

پھر یک نہ شد دو شد پر عمل کرتے ہوئے دوبارا ایسا ہی تحریر فرمانا پڑا۔

خیر یہ تو ان کے ذوق کی بات ہے لیکن آپ کا یہ تحکم قطعی طور پر
نا قابلِ فہم ہے کہ اعلیٰ حضرت سے کسی مسئلہ میں اختلاف تمام اہلِ سنّت و
جماعت کی مخالفت کو مستلزم ہے کاش آپ نے قاضی دحلان مکی رحمۃ اللہ علیہ اور امام
نبھانی رحمۃ اللہ علیہ کو ہی یاد فرمالیا ہوتا اور کچھ نہیں۔
تو کم از کم سماع مع المزامیر کا مسئلہ ہی سامنے رکھ لیا ہوتا۔
شائد آپ کو صرف عربی زبان پر اپنی دسترس کاملہ کا اظہار کرنا مقصود
تھا ورنہ،

مجھے یقین ہے آرائشِ جمال کے بعد
تمہارے ہاتھ سے آئینہ گر گیا ہو گا

چودھویں کا چاند؟

فقیر کو حضور سیدنا امام اہلِ سنّت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت علیہ رحمۃ
کی تحقیق شریف سے اتفاق ہے۔ انتہیٰ۔
بڑی اچھی بات ہے مگر یزید لعین کے بارے میں آپ کو اعلیٰ حضرت
سے اتفاق نہیں نیز یہ کہ کاش آپ نے خُوراک شریف کے معاملہ میں بھی
سیدنا اعلیٰ حضرت کی اتباع کی ہوتی حالانکہ،

زمانے نے میرے آگے بھی دُنیا پیش کر دی تھی
مگر میں نے تو اپنا فائدہ انکار میں دیکھا

پندرہویں تصدیق!

آپ کے طویل وعریض محاکمے کے جواب میں صرف یہی عرض کرنے پر اکتفاء کروں گا۔

وہاں تاریک لمحوں کے لئے سُورج کو ٹھکرا دو
جہاں اپنا ضمیر اپنے لئے الزام بن جائے

سولہویں تصدیق!

یہ بزرگ اگرچہ ظاہری بینائی سے محروم ہیں تاہم اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ مجدہٗ الکریم نے آپ کے دِل کی آنکھیں منور فرما رکھی ہیں بایں ہمہ آپ ایک ماہر ترین مدرّس ہیں آپ کا ارشاد ہے کہ،

فقیر کو ویسے تو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کے ساتھ عقیدت ہے کہ بلا تامل تصدیق کی جائے لیکن آپ کا رسالہ بھی سن لیا لہٰذا آپ کے پیش کردہ اِرشادات کو تہہ دل سے یقین کرتے ہوئے کلیۃً آپ کے ساتھ اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔ انتہٰی

ہم آپ کو مُبارک باد پیش کرتے ہیں فی الحقیقت عقیدت کا معیار ہی یہ ہے کہ،

مَوت کی سمت بھی ممکن ہے چلا جاؤں میں
تیرے لہجے میں اگر مجھ کو پکارا جائے

سترہویں تصدیق!

انہی سے ابتداء کی تھی انہی پہ انتہا ہو گی

سترہویں اور آخری مصدق پہلی تصدیق فرمانے والے رفیع الشان عالم دین کے ذی قدر صاحبزادے ہیں آپ خود بھی فاضل جلیل اور عالم نبیل ہونے کے ساتھ عظیم صحافی اور مقتدر مدرس ہیں اکثر سرکاری و نیم سرکاری اداروں سے آپ کی وابستگی سے اہل سنت و جماعت کو متعدد فوائد کا حصول ہوتا ہی رہتا ہے آپ قدرے متلون مزاج ضرور ہیں مگر اہل سنت کے لئے آپ کی خدمات کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا تاہم آپ کے ارشادات نقل کرنے سے پہلے ان کے حضور میں یہ گزارش ضرور کریں گے کہ،

تسکین بھی دوا ہے تڑپ بھی علاج ہے

ہم سب سے خوش ہیں درد ملے یا دوا ملے

بہر کیف! آپ کا ارشاد ہے "ایمان ابو طالب" کے متعلق اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی قدس سرہٗ العزیز نے اپنے مؤقف کو مدلل بیان فرمایا ہے ان کی تحقیق میری تصدیق کی محتاج نہیں۔

البتہ یہ واضح ہے کہ یہ مسئلہ نہ ضروریات مذہب اہل سنت سے ہے اور نہ ان کا کفر ابولہب وغیرہ کفار کی طرح ہے بلکہ دلائل بھی یکساں نہیں خود اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ تصریح فرمائی ہے کہ اگرچہ قول حق وصواب وہی کفر و

عذاب ان بنا بریں فریقین پر طعن و تشنیع بہت غیر مناسب اور قائلینِ تکفیر پر تبرا ظلم عظیم خصوصاً اعلیٰ حضرت عَلَیہ الرَّحمۃ پر عامیانہ انداز میں تنقید تو کسی طرح بھی درست نہیں واللہ اعلم۔

جیسا کہ ہم آپ کے متعلق بتا چکے ہیں کہ آپ ہمہ جہت شخصیت ہونے کے باوجود قدرے متلوّن مزاج ہیں یہی وجہ ہے کہ آپ نے نہایت بچی تلی گفتگو کرنے کے بعد آخر پر یہ فرمان جاری کر دیا کہ خصوصاً اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ پر عامیانہ انداز میں تنقید کیا کسی خاص انداز میں بھی اعلیٰ حضرت پر تنقید نہیں کی اور نہ اس وقت اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کا وہ رسالہ طبع ہوا تھا جس کی آپ تصدیق فرما رہے ہیں۔

رہا قائلینِ تکفیر پر تبرا تو اس کے ذمہ دار بھی صرف وہ چند مخصوص لوگ ہیں جنہوں نے کسی نہ کسی وجہ سے ہمیں طعن و تشنیع بہت غیر مناسب ہے آپ کی مصروفیات کا خیال نہ ہوتا تو ہم آپ سے یہ کتاب پڑھنے کی درخواست ضرور کرتے تاکہ آپ خود ہی اندازہ فرما لیتے کہ ہم نے امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ پر ہرگز ہرگز تنقید نہیں کی بلکہ ان سے استفادہ کیا ہے اور آپ تک یہ غلط بات پہنچائی گئی ہے کہ ہم نے اعلیٰ حضرت پر معاذ اللہ عامیانہ انداز میں تنقید کرنے کی جسارت کی ہے آپ یہ تو جان ہی گئے ہیں کہ جب اعلیٰ حضرتؒ کی تحقیق ہی اس وقت ہمارے سامنے نہیں تھی تو ان پر تنقید کیسے کی جا سکتی تھی رہا ان سے کسی مسئلہ میں دانستہ

اختلاف کرنا تو وہ آپ ہم سے بہر طور بہتر طور پر جانتے ہیں۔

نا مکمل ہے سقوطِ کارواں کی داستاں

اس میں تھوڑا سا بیانِ راہبر بھی چاہیے

بہر حال! آپ کے سپاس گزار ہیں کہ آپ نے طرفین کو ہی نہایت مفید مشورے سے نوازا ہے اور آپ کا منصب بھی فی الحقیقت یہی ہے۔

باب دہم

الاصابہ کی روایات پر تبصرہ

تصادم ہی تصادم

حضرت ابوطالب کے ایمان

کے خلاف روایات

روایات پر تبصرہ

تضاد ہی تضاد

عقلی دلائل تحقیقی استدلال

روایات الاصابہ آئینہ تحقیق میں

اس سے پہلے کہ بخاری وغیرہ میں آنے والی متضاد و متخالف روایات کا تجزیہ ہدیہء قارئین کیا جائے الاصابہ میں بیان کردہ علامہ ابن حجر کی ان رنگا رنگ روایات کی حقیقت پیش کی جاتی ہے جن پر کتاب ہذا کی جلد اوّل کا اختتام ہوا تھا۔

چونکہ آئندہ اوراق میں یہ روایات کسی نہ کسی طرح نہایت وضاحت کے ساتھ زیر بحث آ رہی ہیں اس لئے یہاں نہایت اجمال کے ساتھ ان پر انتہائی قرین قیاس تبصرہ پیش خدمت ہے ملاحظہ ہو۔

جناب ابوطالب صحابی تھے

پہلی بات یہ ہے کہ علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف اپنی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں شامل کر کے اس امر کی گواہی دے دی ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی تھے اس لئے کہ پوری کی پوری کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ صحابہ کرام کے ہی تذکار عالیہ سے مزین ہے۔

علاوہ ازیں علامہ عسقلانی نے پہلی دوسری اور تیسری روایت میں

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تعارف اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و پرورش اور آخر دم تک حمایت و نصرت پر قائم رہنے کے متعلق نہایت وضاحت سے بیان کیا ہے جو عباسی اور اُس کی ذریتِ خبیثہ کے لئے لمحۂ فکریہ ہے کیونکہ یہ لوگ بوقتِ ضرورت علاّمہ ابن حجر کو ہی اپنی آخری پناہ گاہ سمجھتے ہیں۔ بہر حال ان روایات میں حضرت ابو طالب کے ان قصائد کا بھی ذکر ہے جو انہوں نے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان اقدس بیان کرنے کیے لئے وقتاً فوقتاً انشاء فرمائے جو اس اَمر کی دلیل ہے کہ علاّمہ ابن حجر جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفیل و جاں نثار اور نعت خوانِ اوّل تسلیم کرتے ہیں اور یہی اصلِ ایمان ہے۔

چوتھی روایت میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ شعروں کی تعریف و توصیف میں حضرت علی بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول نقل فرمایا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ خوبصورت کوئی شعر نہیں سُنا اور یہ دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عشق میں ڈُوب کر آپ کی نعتیں بیان کرتے تھے اور یہی جانِ ایمان ہے۔

پانچویں روایت میں علاّمہ ابنِ حجر عسقلانی نے واضح طور پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت ابو طالب کو دعوت

اسلام دی گئی تو آپ نے فرمایا کہ یہ نہایت اچھی چیز ہے مگر خدا کی قسم میں اسے ہمیشہ چھپا کر رکھوں گا اور اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ نے مومن آلِ فرعون اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی طرح اپنا ایمان پوشیدہ کر رکھا تھا۔

چھٹی روایت میں بتایا گیا ہے کہ جب کفارِ قریش کے جواب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے سُورج کو بلانے پر بھی قُدرت حاصل ہے تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے اس ارشاد کی واضح ترین تصدیق کرتے ہوئے فوراً فرمایا کہ خدا کی قسم میرے ابنِ اخی نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اور یہی اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب ہے اور یہی حقیقت ایمان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ہر فرمان کی بغیر مشاہدہ کئے تصدیق کر دی جائے اور آپ کو رسول صادق تسلیم کیا جائے۔

ساتویں روایت میں علامہ عسقلانی نے آیت کریمہ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حق میں بیان کیا ہے جس کا جواب اس آیت کے باب میں ملاحظہ فرمائیں۔

شکنجہ ٹُوٹ گیا

آٹھویں روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بیمار ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کی عیادت کو تشریف

لائے تو آپ نے بارگاہِ رسالت میں دُعا کے لئے عرض کی آپ کی گذارش پر حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے بارگاہِ صمدیت سے ان کے لئے شفا طلب کی تاجدارِ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا دعا فرمانا ہی تھا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت یوں تندرست ہوئے جیسے بیماری کا شکنجہ ٹوٹ گیا ہو۔

اس روایت کا واضح طور پر مطلب یہ ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اس بات پر ایمان تھا کہ خدائے وحدہٗ لاشریک ہی شفا عطا کر سکتا ہے اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اس سے شفا لے کر دے سکتے ہیں اور یہی مضبوط ترین ایمان کی قطعی دلیل ہے ورنہ آج کل کے نام نہاد مسلمان تو بغیر زینوں کے ایک ہی چھلانگ لگا کر سیدھے خُدا تک جا پہنچنے کی باتیں کرتے ہیں۔

یوں بھی ہوتا ہے

اس مقام پر ہم دیگر حوالہ جات پیش کرنے سے پہلے اہلِ وجدان حضرات کے لئے امامِ اہلِ سنت اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے انہی واقعات کا حسین وجمیل خاکہ پیش کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں حضور کا رب حضور کی اطاعت کرتا ہے اور پھر فرمایا۔

مسلما تو ذرا دیکھنا کوئی وہابی ناپاک اِدھر اُدھر

ہو تو اسے باہر کر دو اور کوئی چھوٹا متصوف نصاریٰ کی طرح غلو و افراط والا ذرا چھپا بیٹھا ہو تو اسے بھی دور کر دو اور تم عبدہٗ و رسولہٗ کی سچی معیار پر کانٹے کی تول مستقیم ہو کر یہ حدیث سنو کہ انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

مرض ابو طالب فعاده النبی صلی اللّٰہ علیه وسلم فقال یا ابن اخی ادع ربك والذی بعثك یعافینی ! فقال اللهم اشف عمی فقام، کانما نشط من عقال فقال یا ابن اخی ان ربك لیطیعك فقال و انت یا عماه لو اطعته لیطیعنك۔

یعنی ابو طالبؑ بیمار پڑے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیادت کو تشریف لے گئے ابو طالب نے عرض کی اے میرے بھتیجے اپنے رب سے جس نے آپ کو بھیجا ہے میری تندرستی کی دعا کیجئے سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعا کی الٰہی میرے چچا کو شفا دے یہ دعا فرماتے ہی ابو طالب اٹھ کھڑے ہوئے جیسے کسی نے بندش کھول دی۔

ابو طالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

عرض کیا اے میرے بھتیجے بے شک حضور کا رب حضور
کی اطاعت کرتا ہے سیدِ عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم
نے اس کلمہ پر انکار نہ فرمایا بلکہ اور تاکیداً اور تائیداً
ارشاد کیا کہ اے چچا اگر تو اس کی اطاعت کرے تو وہ
تیرے ساتھ بھی یوں ہی معاملہ فرمائے گا۔

﴿الامن والعلیٰ ص ۱۳۴﴾

علاوہ ازیں اس واقعہ سے اس امر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ جو
رسول مختار اپنی دعا سے اپنے عم محترم کی ظاہری امراض کے شکنجے توڑ سکتے ہیں
وہ ان کی باطنی امراض کا بھی قلع قمع کر سکتے تھے حالانکہ جناب حضرت
ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی بھی دور میں باطنی امراض کے مریض نہیں
رہے ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی آغوشِ رافت میں کبھی نہ
دیا جاتا۔

جنت کے انگور

نویں روایت میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جنت کے انگور طلب کرنا مذکور ہے حالانکہ حضور نبی
اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایڑی مبارک کی برکت سے نکلا ہوا پانی اور آپ
کا پس خوردہ طعام مبارک جو اکثر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کام

وہ بہن لونوازا کرتا تھا بہر صورت جنّت کے انگوروں سے ارفع واعلیٰ ہے تاہم اس روایت میں یہ تذکرہ ہرگز نہیں کیا گیا کہ حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنّت کے انگوروں کا انکار کر دیا البتہ دسویں روایت میں علامہ ابنِ حجر عسقلانی اپنے طور پر حضرت ابوبکر صدیق کا ایک قول نقل کرتے ہیں کہ کفّار پر جنّت کی چیزیں حرام ہیں۔

بایں ہمہ یہ روایات غلط محض اور واہی ہیں اور ان کا کسی بھی ثقہ کتب میں تذکرہ موجود نہیں۔

شعروں سے تمسّک

گیارہویں روایت میں علامہ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ شعر نقل کیے ہیں جن سے آپ کے ایمان کا اثبات ہوتا ہے تاہم وہ ان اشعار کا مطلب ومفہوم سمجھنے کے باوجود ایمان کی دلیل نہیں پکڑتے بلکہ اس کارِ خیر کو روافض کے ذمہ لگاتے ہیں۔

ابنِ عساکر کا خیال

بارھویں روایت میں بتایا گیا ہے کہ علامہ ابنِ عساکر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بعض کے نزدیک حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسلام قبول کر لیا تھا مگر یہ بات صحت کو نہیں پہنچی تاہم حضور سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بروزِ محشر ان کی شفاعت ضرور فرمائیں گے بہر حال اس سے یہ

ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کا مسئلہ قطعی نہیں بلکہ اختلافی ہے۔

کلمہ بھی پڑھا روایت بھی بیان کی

ابن عساکر کے حوالہ سے اسی طویل عبارت میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان لے آنے کے متعلق علامہ ابن حجر عسقلانی نے کلمہ پڑھ لینے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث روایت کرنے کا تذکرہ کیا ہے اور ان روایات کو بغیر کسی تبصرہ کے قبول کر لیا ہے جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ وہ ان رواجتوں کو بھی درست تسلیم کرتے ہیں۔

تیرھویں روایت میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جنازہ کے ہمراہ تشریف لے جانا ثابت کیا ہے اور چودھویں روایت میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ نصیحت نقل فرمائی ہے جس میں آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت و فرماں برداری کرنے کے لئے اپنے بیٹوں سیّدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور سیّدنا جعفر طیّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو تلقین فرمائی تھی پندرھویں اور سولہویں روایت کو نقل کرنے کے بعد خود ہی واہی قرار دے لیا ہے اور سترہویں روایت کی سندوں کی تحسین کردی ہے حالانکہ کسی بھی ثقہ کتاب میں ان تینوں رواجتوں کا کھرا کھوج نظر نہیں آتا۔

اَب حالت بدلتی ہے

اٹھارھویں روایت بخاری شریف کی وہی مشہور روایت ہے جس کا تذکرہ پہلے بھی کیا جا چکا ہے اور یہ آئندہ اوراق میں نہایت شرح وبسط کے ساتھ زیرِ بحث آرہی ہے۔

بیس نمبر آپ اپنی ہی جرح وقدح پہنچی ہے اور اکیس[21] نمبر بھی امام بخاری کی ہمنوائی کی نذر ہو کر رہ گیا ہے۔

عجیب حادثہ

بائیس نمبر میں علامہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ عدم ایمان ابوطالب پر یہ دلیل پیش فرماتے ہیں کہ اگر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان دار ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی نماز جنازہ ضرور ادا فرماتے

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے متعلق مختلف النوع عبارات نقل کرتے کرتے اور امام بخاری کی روایت بیان کرنے کے بعد علامہ ابنِ حجر کی حالت یکسر تبدیل ہو کر رہ گئی ہے۔

کیونکہ آپ نے اپنی اسی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ میں حضرت اسد بن زرارہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حالات میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلی نماز جنازہ موصوف پر مدینہ منورہ میں پڑھی گئی کیونکہ اس سے پہلے نماز جنازہ مشروع نہیں تھی۔

لیکن امام بخاری کی روایت نقل کرتے ہی آپ نے تارِ عنکبوت سے بھی کمزور دلائل کا سہارا لینا شروع کر دیا ہے مذکورہ بالا روایت اس طرح ہے

انه اول من مات من الصحابة بعد الهجرة وانه اول
میت صلی علیه النبی صلی الله علیه وآله وسلم "

﴿الاصابہ ج ا ص ۵۰﴾

یعنی وہ صحابہ میں پہلے شخص ہیں جو ہجرت کے بعد فوت ہوئے اور وہ پہلے فوت ہونے والے ہیں جن پر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ پڑھی۔

بہر حال! تیسویں روایت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنے والدِ گرامی جناب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تغسیل و تدفین سے فارغ ہو کر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے انہیں بے شمار دُعائیں دیں۔

دلیل نمبر چوبیس میں محبّت کو عناد سے موسوم فرمایا گیا ہے پچیس[۲۵] نمبر واہی اور اچھی سندوں والی گزشتہ روایات پر تبصرہ ہے۔

چھبیس[۲۶] نمبر روایت بالکل ہی لایعنی واہی مفروضہ محض ہے۔

روایت نمبر ستائیس[۲۷] میں جناب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحب ایمان ہونے کا زبردست استدلال پیش کرنے کے باوجود علّامہ عسقلانی بخاری کی روایت کے زیرِ اثر دکھائی دیتے ہیں۔

ایسے ہی اٹھائیس[۲۸] اور انتیس[۲۹] نمبر آپ کے اپنے ذاتی خیالات کا شاخسانہ ہے لہٰذا آپ کبھی تو پر اُمید نظر آنے لگتے ہیں اور کبھی مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ

بہر کیف! امام ابن حجر عسقلانی اگر فوراً ہی امام بخاری کی روایت سے مرعوب نہ ہو گئے ہوتے تو ان کی یہ کاوش قابلِ داد تھی جو انہوں نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مختلف روایات کو ایک جگہ جمع کر دینے کے سلسلہ میں کی ہے۔

بایں ہمہ وہ اس روایت کو ہرگز مخدوش اور محلِ نظر قرار نہیں دیتے جسے امام ابن اسحاق سے متعدد ثقہ سیرت نگاروں سے نقل فرمایا ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ان کے ہونٹ ہلتے ہوئے دیکھ کر اپنے کان اُن کے ہونٹوں پر رکھ دیئے اور پھر بارگاہ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم میں عرض کیا کہ اے ابنِ اخی میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے۔

روایات میں نصف سے زیادہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبِ ایمان ہونے پر دلالت کرتی ہیں یہ الگ بات ہے کہ بعض روایات ان کے تصوراتی تبصرہ کی نذر ہو کر رہ گئی ہیں۔

بہر حال! وہ روایات جنہیں علامہ ابن حجر نے صحیحین کے حوالہ سے

ترجیحی انداز میں پیش کیا ہے ان کو اصل مآخذ کے علاوہ الاصابہ کے حوالہ سے بھی دوبارہ پیش کیا جارہا ہے اور ساتھ ہی ساتھ ان پر واضح مبسوط اور جچا تلا تبصرہ بھی قرآن و حدیث کی روشنی میں ہدیہ قارئین ہے اور یہ تبصرہ کرتے وقت ہم نے متعصبین کی ہمنوائی میں جارحانہ انداز نہیں اپنایا بلکہ انتہائی مخلصانہ اور منصفانہ تحقیق پیش کی ہے ہمیں امید ہے کہ اگر ناظرین خالی الذہن ہو کر بنظرِ انصاف و اخلاص ان حقائق کا مطالعہ کریں گے تو انشاء اللہ العزیز حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مومن تسلیم کر لینے میں انہیں ذرہ برابر بھی تامل نہیں ہوگا۔

الاصابہ کی روایات پر اجمالی تبصرہ ختم ہوا اب آپ ان کے علاوہ بخاری وغیرہ میں آنے والی دیگر تمام تر روایات پر تفصیل کے ساتھ عقلی اور نقلی دلائل سے بھرپور تبصرہ ملاحظہ فرمائیں۔

ابو طالبؑ نے کلمۂ توحید قبول نہیں کیا

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آنے والی مختلف روایات اور ان کا باہمی تضاد آپ نے ملاحظہ فرمالیا اندازہ فرمائیں کہ ان وسیع تر اختلافات کی موجودگی میں کسی ایک روایت پر قطعی یقین کر لینا کس قدر مشکل امر ہے۔

تاہم ان سب روایات میں دو عدد روایتیں ایسی ہیں جن پر مفسرین

اور محدّثین کا زیادہ زور ہے اور اس کی خاص وجہ یہ بیان کی جاتی ہے کہ ان ہر دو روایات کو دو بڑے آئمہ حدیث حضرت امام بخاری اور حضرت امام مُسلم نے اپنی تالیفات بخاری شریف اور مُسلم شریف میں نقل فرمایا ہے۔

پہلی روایت تو وہ ہے جس میں حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کلمہ توحید پڑھنے کا ارشاد فرمایا تو انہوں نے اقرار توحید تو نہ کیا البتہ یہ جُملہ عرض کیا کہ میں ملّتِ عبدالمُطّلب پر انتقال کر رہا ہوں۔

اور دوسری روایت وہ ہے جس میں مفہوم موجود ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہنم کے طبقہ ضحضاح میں ہیں جہاں اُن کے ٹخنوں تک آگ پہنچتی ہے اور اس آگ کی گرمی سے ان کا دماغ کھولتا ہے۔

چونکہ یہ دونوں روایات بخاری شریف اور مُسلم شریف میں موجود ہیں اس لئے ان ہر دو کُتب کے حوالہ سے مُفسّرین کرام انہیں مُسلسل نقل فرماتے چلے آئے ہیں۔

یہ الگ بات ہے کہ یہی مُفسّرین جب ایک آیت کی تفسیر میں ان روایات کو نقل کرتے ہیں تو انہیں صحیح اور درست ثابت کرنے کے لئے پُورا زور صرف کر دیتے ہیں اور جب دوسری آیت کے شانِ نزول میں انہیں نقل فرماتے ہیں تو ان کے مخدوش اور غیر صحیح ہونے کے کئی واضح اشارے فرما دیتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے وکہ کُتب صحاح میں ہونے کے باوجود یہ روایات جس قدر زیادہ مشہور ہیں ان سے کئی حِصّے زیادہ مخدوش اور محل نظر ہیں۔

﴿بقول بعض﴾

پہلی مشہور روایت

اس روایت کا عربی متن آپ سابقہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں

یہاں صرف اُردو ترجمہ پیش خدمت ہے۔

جب حضرت ابو طالب کے انتقال کا وقت قریب آیا تو

حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم آپ کے پاس

تشریف لائے تو وہاں ابو جہل وغیرہ بیٹھے ہوئے تھے

آپ نے حضرت ابو طالب کو مخاطب کر کے فرمایا کہ

چچا ایک بار لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ کہہ دیجئے میں اس کی گواہی

قیامت کے دن خدا تعالیٰ کے حضور میں پیش کروں گا

یہ سن کر ابو جہل نے حضرت ابو طالب کو مخاطب کر کے

کہا کہ کیا آپ عبد المطلب کے دین سے پھر جانا

چاہتے ہیں۔

ابو جہل کے یہ الفاظ سن کر حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے دوبارہ اقرارِ توحید کر لینے کا ارشاد فرمایا تو ابو جہل نے بھی پھر اپنی بات دُہرائی کہ دین عبد المُطلب سے نہ پھر جانا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پھر وہی ارشاد فرمایا حتیٰ کہ یہ تکرار جاری رہی اور حضرت ابو طالب نے آخری الفاظ یہ کہے کہ میں ملّت عبد المطلب اور دین اشیاخ پر جان دے رہا ہوں یہ آخری جملہ سن

کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اے چچا میں تیرے لئے اس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک کہ مجھے روکا نہ جائے تو یہ آیت مبارکہ نازل ہوگئی۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ۔

اور یہ آیت بھی

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاءُ

یہ روایت کہاں سے آئی؟

اس سے پہلے کہ اس روایت پر مختلف طریقوں سے بحث کی جائے قارئین کی خدمت میں یہ عرض کر دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ روایت رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کا اپنا ارشاد گرامی یعنی حدیث مرفوع نہیں۔

بلکہ دو صحابہ کبار کے نام منسوب شدہ قول موقوف ہے اس کے متعلق تفصیل سے گفتگو تو آئندہ اوراق میں کی جائے گی یہاں اجمالاً اتنا ضرور عرض کریں گے کہ جن دو اصحابِ رسول کی طرف اس قول کو نسبت دی جاتی ہے اُن میں سے ایک نہ تو مکّہ معظمہ کے رہنے والے ہیں اور نہ ہی قریش سے ان کا کوئی تعلق نسبی ہے۔

اور نہ ہی وہ اس وقت کے اسلام لانے والوں میں سے تھے بلکہ وہ اس واقعہ کے کئی سال بعد جنگ خیبر کے وقت اسلام کی دولت سے سرفراز

ہوئے اوران کا تو بقول حافظ شیراز معاملہ ہے،

سرِّ نہاں کہ پیرِ مُغاں با کسے نہ گفت
در حیرتم کہ بادہ فروش از کجا شنید

یا پھر ان کی زوجِ مبارک اس روایت کو اُن کی طرف منسوب کرنے والوں کو اس طریقہ سے دادِ تحسین پیش کرتی ہوگی۔

خوب اے الزام گر مجھ پہ ترا الزام ہے
ذکر جس کا کر رہے ہو کب میں اس محفل میں تھا

رہے دوسرے صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اُن کے متعلق اسی روایت کی شرح کرتے ہوئے شارحین حدیث نے بہت کچھ وضاحت کی ہے۔

وہ بالاتفاق اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت یہ بھی حالت کفر میں تھے اور ان کی روایت مرسل صحابہ میں شمار ہوگی۔

نیز یہ کہ ان کی روایت سوائے ان کے بیٹے کے اور کسی نے بھی بیان نہیں کی،

اور پھر شارحین کرام نے یہاں تک لکھا ہے کہ راویانِ حدیث کے معاملہ میں بھی یہ روایت بیان کرنے والے امام بخاری کی اپنی قائم کی گئی شرائط پر ہی پوری نہیں اُترتی وہ صاف طور پر لکھتے ہیں کہ لیس علی شرط بخاریِ،

اور پھر آخری بات ہماری تحقیق کے مطابق اس روایت کے متعلق یہ ہے کہ اس کے کئی راوی غیر ثقہ اور منکر الحدیث ہیں۔

بایں ہمہ اس کے نقل دَر نقل ہونے اور اچھے بھلے لوگوں کا اس کی صحت پر یقین واعتماد کر لینا انتہائی تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔

بہر حال ہم تو اس کے پابند ہیں کہ:۔

خطائے بزرگاں گرفتن خطا است

ورنہ بقول ترجمانِ اہلِ سُنّت حضرت علّامہ اقبال علیہ الرحمۃ حال یہ ہے کہ،

یہ اُمّت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

روایت کا ماحصل

پیشتر اس کے کہ اس روایت کے مختلف پہلو آپ کے سامنے پیش کیے جائیں پہلے یہ جاننا انتہائی ضروری ہے کہ اس روایت کا نتیجہ کیا نکل سکتا ہے۔

﴿الف﴾ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کلمہ طیبہ کا نصف حصہ پیش فرمایا تھا یعنی لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللہ پورا کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ پیش نہیں فرمایا تھا۔

﴿ب﴾ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد فرمودہ نصف کلمہ کو بھی جو محض اقرارِ توحید پر مبنی تھا قبول نہیں کیا بلکہ ابو جہل کے ترغیب دینے پر آخری جملہ یہ ادا فرمایا کہ میں دین عبد المُطّلب یا ملّتِ اشیاخ پر فوت ہو رہا ہوں اور انہیں الفاظ کے ساتھ ان کا انتقال ہو گیا۔

﴿ج﴾ ابو طالبؓ کی جانب سے مایوس ہو جانے کے بعد سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ چچاؐ میں تیرے لئے اُس وقت تک استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے منع نہ کر دیا جائے چنانچہ یہ آیت نازل ہو گئی۔

کہ نبی اور مومنوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ
مشرکین کے لئے مغفرت طلب کریں چاہے وہ اُن
کے کتنے ہی قریبی ہوں جبکہ اُنہیں معلوم ہو چکا ہے کہ
وہ دوزخی ہیں۔

﴿د﴾ اور یہ آیتِ کریمہ بھی نازل ہوئی کہ،

محبوب آپ جسے چاہیں یا محبّت کریں اُسے ہدایت
نہیں دے سکتے یہ تو اللہ کا کام ہے جسے چاہے ہدایت
نصیب کرے۔

نتیجہ:۔ روایت کے یہ چاروں پہلو اس امر کی غمازی کرتے ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید باری تعالیٰ کے قائل نہیں تھے بلکہ کفّار و مشرکین مکّہ کی طرح بہت سے خُداؤں کو اِلٰہ مانتے تھے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ہی طرح حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دیگر آباؤ اجداد بھی توحید خداوندی کے قائل نہیں تھے بلکہ بُت پرست تھے اور بُتوں کو اِلٰہ مانتے تھے کیونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بجائے اقرارِ توحید کرنے کے باپ دادا کے دین پر مرنا پسند کیا ہے۔

اور پھر ان کی اسی بُت پرستی کرنے اور مُشرک ہونے کے باعث اللہ ربّ العزّت نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ان کے استغفار سے روک دیا کہ مشرکین کے لئے استغفار کرنا نبی کے شایانِ شان نہیں۔

اور پھر یہ ارشاد بھی فرمایا کہ اے محبوب اگر چہ آپ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبّت کرتے ہیں اور آپ کی خواہش ہے کہ یہ ایمان لاکر راہِ ہدایت حاصل کرلیں لیکن یہ آپ کا کام نہیں یہ تو خدا کا کام ہے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

بہر صورت اس روایت کا واضح ترین نتیجہ یہ ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید خداوندی کے قائل نہیں تھے بلکہ بُت پرست تھے کافر

اور مشرک تھے۔

غور طلب نکتہ

متذکرہ روایت کا نتیجہ آپ نے ملاحظہ فرمالیا بغیر الفاظ کو اُلٹا پلٹا دیئے یہ بات کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ،

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ توحیدِ خداوندی کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ کافر بھی تھے اور مشرک بھی، بت پرست بھی تھے اور جہنمی بھی۔

اَب روایت کا دوسرا حصّہ بھی شامل کرلیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے دینِ عبد المطّلب اور ملّتِ اشیاخ پر انتقال فرمایا ہے تو گویا حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فِداہُ ابی واُمّی کے جدِّ امجد سیّدنا عبد المطلب و دیگر اجدادِ کرام حضرت ہاشم اور عبد مناف وغیرہ سب کے سب توحیدِ خداوندی کے قائل نہیں تھے۔

بلکہ کافر بھی تھے اور مشرک بھی بت پرست بھی تھے اور دوزخی بھی

دیکھنا صیاد آنکھیں کھول کر

تیر کا تیرے نشانہ کون ہے

بخاری کی اس روایت سے جو اثرات حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر مرتب ہوتے ہیں ان کی تصویر امام جلال الدین سیوطی اس طرح کھینچتے ہیں۔

قال و ظاهر الحدیث یقتضی ان عبد المطلب مات علی الشرک

یعنی فرمایا کہ یہ حدیث ظاہر طور پر اس امر کا اقتضاء کرتی ہے کہ عبدالمطلب کی موت شرک پر ہوئی ہے۔

﴿التعظیم والمنہ۔ مطبوعہ حیدر آباد دکن ص ۴۰﴾

کیا ابو طالبؑ مشرک اور بت پرست تھے؟

اگر اس روایت کو مبنی بر صحت صداقت تسلیم کر لیا جائے تو لامحالہ یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد کرام معاذ اللہ کافر و مشرک بت پرست اور جہنمی ہیں بصورت دیگر اس روایت کو غیر صحیح نادرست اور مخدوش ماننا پڑے گا۔

اور ٹھیک بات بھی یہی ہے کہ نہ تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرک اور بت پرست تھے اور نہ ہی آقائے دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دیگر آباؤ اجداد کرام نے کبھی بت پرستی کر کے شرک وغیرہ کیا بلکہ یہ سب کے سب کفر و شرک کی نجاستوں سے پاک اور مصفا تھے اور ملتِ حنیف پر تھے۔

چہرۂ تاریخ پر تھے گو نقابوں پر نقاب
پر حقیقت پھر حقیقت تھی نمایاں ہو گئی

حضرت ابوطالبؑ مُشرک اور بُت پرست نہیں تھے

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُشرک اور بُت پرست نہ ہونے کے متعلق اس قدر شواہد موجود ہیں کہ اُن کے سامنے وہ روایت ایک بے حقیقت اور بے معنی سی بات ہو کر رہ جاتی ہے جس میں اُنہیں مُشرک ثابت کیا گیا ہے اس کے متعلق پہلے ہم چند عقلی دلائل پیش کرتے ہیں بعد ازاں معتبر روایات کی روشنی میں ایسے ٹھوس ثبوت پیش کیے جائیں گے جن سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔

پہلی عقلی دلیل

روایت کے مطابق حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ان الفاظ کے ساتھ جان جانِ آفرین کے سپرد کی کہ میں ملّتِ عبد المطلب یا ملّتِ اشیاخ پر انتقال کر رہا ہوں اور یہ دلیل ہے آپ کے مومن و موحد ہونے کی کیونکہ بیشتر آئمہ حدیث کا اس بات پر اتفاق ہے کہ تاجدارِ دو عالم فخرِ آدم و بنی آدم احمد مجتبیٰ حضرت محمد مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام آباؤ اجداد کرام شرک و کفر کی نجاستوں اور آلودگیوں سے پاک تھے اور بُت پرستی جیسی لعنتوں سے ہمیشہ محفوظ رہے۔

اور یہ نہ ممکن بات ہے کہ ہم تک تو چودہ سو سال کے بعد بھی ایسے شواہد پہنچ جائیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر و مشرک اور بُت

پرست نہیں تھے لیکن حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اس بات کا علم ہی نہ ہو کہ اُن کے والدِ محترم کا عقیدہ کیا ہے جبکہ حضرت عبدالمطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مبارک بھی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے ہاتھوں میں ہوا ہو حیرت ہے کہ،

عندلیبوں پر چمن کی داستاں مخفی رہے

گلفروشانِ زمانہ تبصرے کرتے پھریں

اب یا تو حضرت عبدالمطّلب ہاشم اور عبد مناف رضوان اللہ علیہم اجمعین کو کافر و مشرک اور جہنمی متصوّر کرنا ہوگا یا پھر یقین کرنا ہوگا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر و مشرک اور بُت پرست نہیں تھے۔

دُوسری عقلی دلیل

دوسری عقلی دلیل یہ ہے کہ تمام تر ذخیرۂ کُتبِ اسلامیہ میں کمزور سے کمزور بھی کوئی ایک ایسی روایت موجود نہیں جس سے ثابت ہو سکے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بعثتِ اسلام سے پہلے بھی کبھی بُت پرستی کی ہو یا بُتوں سے استمداد کیا ہو اور یہ ہمارا محض خیالی دعویٰ ہی نہیں بلکہ ہم اس پر چیلنج کر سکتے ہیں اور مبلغ ایک ہزار روپے کی خطیر رقم بطور انعام اس شخص کو دینے کا وعدہ کرتے ہیں جو ایسی روایت دکھا دے کہ فلاں وقت میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بُتوں کے حضور میں سجدہ ریزی کی یا غیر خدا کو

الٰہ اور معبود تسلیم کیا۔

قائل توحید ہے وہ محسنِ اسلام ہے
بُت پرستی کا تو اس پر محض اِک الزام ہے

تیسری عقلی دلیل

اس ضمن میں تیسری زبردست عقلی دلیل یہ ہے کہ جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے کفار و مشرکینِ مکّہ کے سامنے تصورِ توحید پیش کیا تو وہ ایک دم بھڑک اُٹھے اور غصّے سے شعلہ جوالہ بن گئے اُنہوں نے پیغام خداوندی اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی اس قدر شدید مخالفت کی جس سے تاریخ کے اوراق آج بھی لرزہ براندام ہیں۔ لیکن اس کے برعکس حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے پوری زندگی میں ایک لمحہ بھر کے لئے بھی سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیش فرمائے ہوئے تصورِ توحید کی مخالفت نہیں کی اور اس پر بھی ہم اپنے چیلنج کو دوبارہ دُہراتے ہوئے مبلغ ایک ہزار روپیہ اس شخص کو دینے کا وعدہ کرتے ہیں جو ہمارے اس دعوے کو غلط ثابت کر سکے۔

چوتھی عقلی دلیل

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا تصورِ توحید سے متصادم نہ ہونا ہی اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ آپ ہرگز مشرک اور بُت پرست نہیں تھے اور یہ تصورِ توحید آپ کے اپنے ہی ذہن کا ترجمان تھا، جسے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دُنیا کے سامنے پیش فرمایا تھا۔

اور اگر آپ کا نظریاتی اختلاف ہوتا تو آپ یقیناً پیغمبرِ اسلام علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ٹکرا جاتے۔

نظریاتی ٹکراؤ کوئی معمولی چیز نہیں اور اس کے لئے زیادہ مثالیں پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہر ذی فہم اور باشعور انسان جانتا ہے کہ نظریات کا اختلاف باپ کو بیٹے کا اور بیٹے کو باپ کا دشمن بنا دیتا ہے اور جب نظریاتی اختلافات مذہب کی صُورت میں ظاہر ہوں تو ان کی ہولناکی کا عالم کچھ اور ہی ہو جاتا ہے۔

آپ کو دُور جانے کی بھی ضرورت نہیں آپ اس کا مشاہدہ اُسی مقام پر کر سکتے ہیں جہاں کی یہ بات ہے۔

کفار و مشرکین مکہ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کسی قسم کی بھی کوئی ذاتی دشمنی نہیں تھی اور نہ ہی محبوب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن سے کوئی ذاتی عداوت تھی آپ نہ تو ان کی زمینیں چھیننا چاہتے تھے اور نہ ہی ان کی جائیدادیں غصب کرنا چاہتے تھے نہ تو آپ نے ان کی حکومت پر قبضہ جمانا چاہا تھا اور نہ ہی ان کی تجارت پر ڈاکہ ڈالا تھا۔

تاریخ کے اوراق گواہ ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایسی کوئی بات نہیں کی تھی جس سے کفار و مشرکین مکہ کو اقتصادی یا معاشی استحصال کا گمان ہوتا بلکہ اس کے برعکس آپ تو اُن کو دولتِ ایمان سے سرفراز کرنا

چاہتے تھے۔

دُنیا کی بادشاہت عطا فرمانا چاہتے تھے۔

زمینوں کا مالک بنانا چاہتے تھے۔

ملک التجار بنانا چاہتے تھے۔

آپ انہیں فرماتے تھے کہ تم ایک خدا کو واحد معبود تسلیم کرلو تمہیں دُنیا بھر کے فرمانروا خراج ادا کیا کریں گے تمہیں جزیہ دیا کریں گے۔

پھر کیا وجہ تھی کہ وہ لوگ پوری شدت سے آپ سے ٹکرا گئے اور پوری قوت سے آپ کی مخالفت پر کمر بستہ ہو گئے آپ کے درپے آزار ہو گئے اور آپ کے جانی دشمن بن گئے حالانکہ وہ لوگ آپ کو صادق و امین جانتے تھے، مانتے تھے، اُن لوگوں نے آپ کے بچپن کے تقدّس کا مشاہدہ کیا تھا آپ کی بے داغ جوانی کو دیکھا تھا آپ کے فہم و فراست اور ہوشمندی کے قائل تھے۔

وہ جانتے تھے کہ یہ وہی پیکر تدبّر و فراست ہے جس نے بچپن ہی میں اُنہیں ایک ہولناک جنگ کی تباہی سے بچا لیا جبکہ وہ حجرِ اسود کو نصب کرنے کے معاملہ میں ایک دُوسرے سے پوری طرح ٹکرا جانے والے تھے۔

پھر کیا بات تھی کہ وہ اُسی صاحبِ فہم و فراست اور عقلِ کُل کو معاذ اللہ مجنون کے لقب سے یاد کرنے لگے اور ساحر و کاہن کا نام دینے لگے۔

جسے وہ بچپن سے صدّیق اور صادق مانتے تھے اسی پر معاذ اللہ کذب و دروغ کا گمان کرنے لگے۔

دنیا جانتی ہے تاریخ عالم شاہد ہے اپنے پرائے سبھی پر یہ حقیقت منکشف ہے کہ یہ سب نظریاتی تصادم ہی کا نتیجہ تھا مذہبی جنون کا کرشمہ تھا جس کی وجہ سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کفّار و مشرکین مکّہ کی طرف سے بے پناہ مظالم کئے گئے مصائب کے پہاڑ توڑے گئے اور ظلم و جور کی انتہا کردی گئی۔

لیکن تاریخ عالم اس بات کی بھی گواہ ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس نظریاتی جنگ میں کفّار و مشرکین مکہ کی طرف سے کوئی حصہ نہیں لیا۔

اگر خدانخواستہ آپ مُشرک اور بُت پرست ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف محاذ کے سرخیل آپ ہی ہوتے۔

کیونکہ آپ کوئی عام شہری تو نہیں تھے آپ سردارِ مکّہ تھے متولّیِ کعبہ اور امیرِ قریش تھے پھر یہاں بھی اُنہیں حقّ سرداری و امارت ادا کرنا ضروری تھا لیکن ایسا نہیں ہوا آپ نے کبھی کفار و مشرکین کی طرف داری نہیں کی آپ نے کبھی بتوں کے خلاف اُٹھنے والی آواز کا محاسبہ اور مقابلہ نہیں کیا اور یہ دلیل ہے کہ آپ مشرک اور بُت پرست نہیں تھے بلکہ آپ اپنے باپ دادا کی طرح مومن اور موحد تھے۔

جو زمانے کو دکھاتے تھے نشانِ منزل
اُن کو گمراہ زمانے نے سمجھ رکھا ہے

پانچویں عقلی دلیل

پانچویں دلیل اس پر یہ ہے کہ اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر و مشرک اور بُت پرست ہوتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ محبت طبعی زیادہ سے زیادہ یہ اثرات مرتب کر سکتی ہے کہ آپ کی طرف سے پیش کی جانے والی دعوت توحید کی کھلم کھلا مخالفت نہ کرتے مگر دل سے اُن کے مشن سے ضرور متنفر رہتے۔

بِلا واسطہ نہ سہی بالواسطہ ہی سہی اسلام کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہتے اس لئے کہ کفر و شرک اور بُت پرستی کے عقائد کا تقاضا یہی تھا۔

کوئی شخص بھی اعتقادیات کے خلاف اُٹھنے والی آواز کو برضاو رغبت اور خوشی سے برداشت نہیں کر سکتا۔

فرعون کب گوارا کر سکتا ہے کہ اس کے ہی گھر میں پرورش پانے والا بچّہ اس کے نظریات کے خلاف پرچار کرتا پھرے۔

یہ ایک ایسی انہونی اور نا قابل قبول بات ہے کہ جسے عقل تسلیم ہی نہیں کر سکتی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بُت پرست بھی ہوں اور بتوں کی تکذیب بھی برداشت کر لیں۔

بتوں کے آگے سجدہ ریزی بھی کریں اُن کو اپنے حاجت روا اور مشکل کشا بھی تسلیم کریں اور ان کو جھوٹے کہنے والے سے مقابلہ بھی نہ کریں اُنہیں منع بھی نہ کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ ایسا کرنے والے سے دلی طور پر نفرت بھی نہ کریں۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر و مُشرک اور بُت پرست نہ ہونے کی یہ ایسی زبردست دلیل ہے جس کا کوئی توڑ نہیں۔

چھٹی عقلی دلیل

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرک اور بُت پرست نہ ہونے کے متعلق یہ دلیل بھی اس قدر زوردار ہے کہ جس کی تردید ممکن ہی نہیں اور وہ یہ ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیش فرمائے ہوئے عقیدۂ توحید سے کھُلم کھُلا مخالفت یا دَر پردہ نفرت اور بیزاری تو در کنار حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خود اشاعتِ اسلام فرماتے ہیں۔

اس کے بعد بے شمار شواہد آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے تاریخ اسلام شاہد ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مخالفین توحید سے ٹکرا جایا کرتے تھے اور ان کے خلاف تلوار سونت لیا کرتے تھے۔

بانی اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت میں سر دھڑ کی بازی لگا دیا کرتے تھے۔

محض اپنے بھائی کا بیٹا نہیں بلکہ اللہ کا رسول سمجھ کر بھی آپ کی ہمہ وقت حفاظت کے لئے خود کو کمر بستہ رکھتے تھے۔

اُن کو اپنے والد گرامی حضرت عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ارشاد یاد تھا جو اُنہوں نے حضرت اُمِ ایمن کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ یہ میرا بیٹا (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس اُمّت کا نبی ہے اس سے غافل نہ ہو جانا۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر و مُشرک سمجھنے والوں کو اپنا محاسبہ کرنا چاہیے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی نتھو خیرے کا نام نہیں؟ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ عظیم شخصیت فرزند توحید اور محسن اسلام ہیں جنہوں نے اس وقت اشاعتِ اسلام میں حصہ لیا جس وقت اسلام کی شمع روشن کی جا رہی تھی اور کُفر و شرک کے طغیان و سرکشی کی خوفناک آندھیاں اُسے بجھا دینے کی پوری قوّت صرف کر رہی تھیں۔

لیکن حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس شمعِ توحید کے گرداگرد اپنی باہیں پھیلائے کھڑے تھے۔

اپنے گھر والوں، خاندان والوں، قبیلہ والوں اور جن جن لوگوں پر آپ کا بس چلتا تھا اُن کو ساتھ ملا کر اس شمعِ صداقت کی حفاظت کے لئے سر توڑ کوشش کر رہے تھے۔

تاریخ کے اَوراق اُلٹئے تعصّب کو چھوڑتے ہُوئے دیانت داری سے غور کر کے دیکھئے کہ اگرچہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہی حقیقی طور پر اپنے رسول

اعظم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی حفاظت فرما رہا تھا لیکن مجازی طور پر اس حفاظت کا سہرا ابتدائی دور میں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سر ہی باندھا جاسکتا ہے۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنہیں حیدر کرار حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم پناہ تلاش کرنیوالوں کی پناہ گاہ کے نام سے یاد فرماتے ہیں فی الحقیقت اِسلام اور بانی اسلام کی جائے پناہ تھے اسلام کا ایک مضبوط قلعہ، ناقابلِ تسخیر حصار اور مستحکم ترین حصنِ حصین تھے اور بقول حیدر کرار تاریکی کا نور تھے اور یہ دلیل ہے آپ کے مومن و موحد ہونے کی اور شیدائی اسلام ہونے کی۔

بانی اسلام اور اسلام کے ساتھ یہ والہانہ لگاؤ کا فرد مُشرک اور بُت پرست کو کس طرح ہوسکتا ہے عقل یہ کب تسلیم کرسکتی ہے کہ کوئی شخص پرستش تو بُتوں کی کرے اور پوری زندگی حمایت ونصرت بُت شکنوں کی کرتا رہے۔

ساتویں عقلی دلیل

ساتویں دلیل ہمارے موقف میں یہ ہے کہ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خاندان سمیت محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عقیدۂ توحید کی اشاعت کی پاداش میں تین سال کا طویل عرصہ شعب ابی طالب میں محصور رہے تو اُنہوں نے یہ پورے ایک ہزار دن بُت پرست

ہونے کی صورت میں اپنے خداؤں کے سوا کس طرح گذارے ہوں گے۔

اُس زمانہ میں جبکہ ہر مُشرک اور بُت پرست نے مختلف امور کو سر انجام دینے کے لئے مختلف خُداؤں سے ناطہ جوڑ رکھا تھا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے خداؤں سے کس طرح انقطاع کر سکتے تھے؟

یہ ایک دو روز کی بات نہیں پورے تین سال تک حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مع دیگر ساتھیوں کے حرم میں داخلہ بند رہا تھا جبکہ کفار و مشرکین کے تین سو ساٹھ خدا حرم میں رکھے ہوئے تھے اور وہیں پر ہی ٹھاٹھ سے اپنی خدائی کر رہے تھے۔

اندریں حالات حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تو سب کچھ برداشت کر سکتے تھے لیکن یہ کس طرح ممکن تھا کہ وہ اپنے خداؤں سے بھی علیحدگی اختیار کر لیتے۔

یہ درست ہے کہ آپ اس وقت مصیبت میں مبتلا تھے لیکن مصیبت کے وقت تو زیادہ خشوع خضوع کے ساتھ عبادت کی جاتی ہے اور جو بھی کوئی کسی کا سہارا ہو اس کی طرف پوری خشیت کے ساتھ متوجہ ہوا جاتا ہے اور پوری توجہ کے ساتھ لو لگا لیتا ہے۔

لیکن یہ کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتوں کو خدا بھی مانتے ہیں اور مصیبت میں بھی مبتلا ہیں اور اس دورِ ابتلا میں بجائے پورے انہاک سے عبادت کرنے کے قطعی طور پر بتوں یعنی اپنے

خداؤں سے ناطہ توڑ لیتے ہیں اور تعلقات عابد و معبود منقطع کر لیتے ہیں۔

ممکن ہے کہ آپ کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو کہ لوگوں نے حرم کے علاوہ گھروں میں بھی بُت رکھے ہوئے تھے اور ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے بُت شعبِ ابی طالب میں رکھے ہوئے ہوں لیکن،

این خیال است و محال است و جنوں

کیونکہ اوّل تو اس کی کوئی دلیل کسی بھی کتاب میں موجود نہیں۔

اور دوسری زبردست دلیل شعب ابی طالب میں بتوں کے نہ ہونے کی یہ ہے کہ اگر وہاں بُت ہوتے تو سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُنہیں لازماً ضائع فرما دیتے۔

کیونکہ اگر حضرت ابراہیم خلیل الرحمان علیہ الصلوٰۃ والسّلام اپنے چچا آزر کے بتوں کو توڑ سکتے ہیں تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ضروری تھا کہ وہ ان باطل خداؤں کا اپنی رہائش گاہ سے خاتمہ فرما دیتے۔

ان بتوں کا ضائع کر دینا آپ کے لئے مُشکل بھی نہیں تھا کیونکہ جو لوگ محض آپ کی وجہ سے اس قدر مصائب برداشت کر رہے تھے وہ ہرگز اس پر معترض نہ ہوتے۔

بہرحال ہم یہ بتا رہے تھے کہ حضرت ابوطالب اگر کافر و مُشرک اور بُت پرست تھے تو بانیٔ اِسلام کی حفاظت چہ معنی دارد اور پھر اس حفاظت کے

ساتھ ساتھ اپنے خداؤں سے علیحدگی کا کیا مطلب ہے۔

آٹھویں دلیل

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر و مُشرک اور بُت پرست نہ ہونے کی یہ دلیل وہ محبت ہے جو رُسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اُن سے تھی اس بے مثال محبت میں وہ والہانہ جذبات کارفرما ہیں جن بلندیوں کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا اور قُرآن و حدیث کی سینکڑوں نصوص اس پر شاہد و عادل ہیں کہ کسی کافر و مُشرک کے ساتھ رُسول تو کیا عام مسلمان بھی ایسی محبت نہیں کر سکتا خواہ وہ اُس کا کتنا ہی قریبی کیوں نہ ہو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ محبّت تو اس بات کی غماز ہے کہ۔

کون کہتا ہے کہ ہم تم میں جُدائی ہو گی
یہ ہوائی کسی دُشمن نے اُڑائی ہو گی

نوویں عقلی دلیل

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر و مُشرک نہ ہونے پر ایک یہ بھی دلیل ہے کہ آپ نے سیدنا حضرت علی کرّم اللہ وجہہُ الکریم کو اسلام قبول کرتے وقت ہرگز منع نہیں فرمایا۔ کُتب تواریخ و سیر میں اس کے سینکڑوں شواہد موجود ہیں اگر آپ مُشرک اور بُت پرست ہوتے تو حضرت علی علیہ السلام کو ہرگز اسلام قبول نہ کرنے دیتے جبکہ حضرت علی المُرتضیٰ علیہ السلام کی عُمر

مبارک اُس وقت بچپن کی حدود سے بھی باہر نہیں نکلی تھی اور یہ عُمر کا وہ حصّہ ہوتا ہے جس میں کسی بچے کو بھی والدین کی رضا مندی کے سوا چارۂ کار نہیں ہوتا اور کوئی باپ یہ برداشت کر سکتا کہ اس کی اولاد اس کے مزاج اور نظریات کے خلاف کوئی بات کرے ہمیں کُتب تاریخ میں کوئی ایک جُملہ ایسا نظر نہیں آتا جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضرت علی علیہ السلام کو سختی سے منع کیا ہو یا پیار سے باز رہنے کی تلقین کی ہو بلکہ اس کے برعکس حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مولائے کائنات حضرت علی علیہ السلام کو بچپن میں ہی اسلام پر ثابت قدم رہنے کی تلقین فرماتے ہیں جس کی تفصیل آپ آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں گے۔

جس کا بیٹا قاسم فردوس ہے
لوگ اس کو کہہ رہے ہیں دوزخی

دسویں عقلی دلیل

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُشرک اور بُت پرست نہ ہونے کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پرورش آپ ہی کے زیرِ سایہ ہوئی ہے اور رسالتمآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ہمیشہ آپ ہی کے دسترخوان پر کھانا تناول فرمایا۔

اور یہ بات نصّ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

نے تمام زندگی کفار و مُشرکین کے ہاتھوں سے بُتوں کے نام پر ذبح کیئے ہوئے جانوروں کا گوشت نہیں کھایا اور یہ ناممکن بات ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستر خوان پر گوشت نہ ہوتا ہو جبکہ اہلِ عرب کی خاص خوراک گوشت ہی تھا اِس کی وضاحت اور ثبوت تو آئندہ اوراق میں ہی پیش کیئے جائیں گے تاہم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُشرک اور بُت پرست نہ ہونے کے متعلق یہ ایک ٹھوس اور ناقابلِ تردید دلیل ہے اور یہ دلیل ایسی مضبوط ہے کہ جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

اگرچہ اس ضمن میں اور بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن ہم دانستہ طور پر طوالت سے اعراض کرتے ہوئے چند ایسی ثقہ روایات پیش کرتے ہیں جن سے روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بعثتِ اسلام سے پہلے بھی خدا تعالیٰ کی وحدانیت کے پورے طور پر قائل تھے اور یہ عقیدہ توحید اُنہیں اپنے باپ سیّدنا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے ورثہ میں ملا تھا۔

پہلا ثبوت

تفاسیر واحادیث اور تاریخ وسیر کی تمام تر کتب میں بالاجماع یہ تسلیم شدہ بات ہے کہ ملکۂ فردوس بریں اُمّ المؤمنین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نکاح مبارک بعثت اسلام سے پندرہ سال پہلے بوساطت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہوا۔

اگرچہ اس مقدس ترین نکاح مُبارک کے تمام تر انتظامی اُمور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی طے فرمائے تھے۔

تاہم آپ کا تاریخی خطبہ جو مسلکِ اہلسنت کی معتبر کُتب میں مرقوم ہے اُس کا ایک ایک جملہ ان کے صاحب ایمان اور عقیدۂ توحید پر ہونے کی ایک ناقابلِ تردید تاریخی دستاویز ہے ہم یہاں اُس خطبۂ مقدس کو بلفظہ ہدیۂ قارئین کرتے ہیں فیصلہ آپ خود فرمالیں۔

حضرت ابوطالبؑ کا خطبہ

فخطب ابو طالب الحمد للّٰہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع اسمٰعیل وضئضئی معد و عنصر مضر و جعلنا بیتہ وسواس حرمہ جعل کتبا بیتا محجوجا و حرما امنا وجعل لنا الحکام علی لناس

ثم إن ابنِ اخی هذا۔

محمد ابنِ عبداللّٰہ لا یوزن بہ رجل الا رجح

بہ۔

وان کان فی المال قل فان المال ظلل زائل و امر

حائل و محمد من قد عرفتم قرابتہ منی و قد

خطب خدیجۃ بنت خویلد و بذل لھا من الصداق ما

اجلہ وعاجلہ من مال عشرین بعیر و ھو و اللّٰہ بعد

ھذا لہ نباء عظیم وخطر جلیل۔

﴿مواہب اللدنیہ مطبوعہ مصر ج۱ ص۹۹﴾

﴿زرقانی شریف انوارِ محمدیہ مطبوعہ مصر ص۳۸﴾

﴿سیرت حلبیہ مطبوعہ مصر ج۱ ص۱۰۴﴾

﴿مدارج النبوت ج۲ ص۴۳﴾

﴿روضۃ الاحباب معارج النبوت ج۲ ص۱۰۶﴾

ترجمہ

حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے فرمایا!

تمام تعریفیں اُس اللہ تبارک وتعالیٰ کو سزا وار

ہیں جس نے ہمیں اولادِ ابراہیم علیہ السلام اور نسلِ

اسمٰعیل علیہ السلام سے مقرر فرمایا اور ہمیں معد اور مضر

کی اصلِ پاک سے ظہور میں لایا اور ہمیں اپنے گھر کا محافظ اور اپنے حرمِ محترم کا پیشوا مقرّر فرمایا۔

ہمیں ایسا پاک گھر عطا فرمایا جس کی زیارت کے ارادہ سے اطراف و جوانب کے لوگ آتے ہیں اور ایسا حرم عطا فرمایا کہ جو شخص بھی وہاں آجاتا ہے امان میں ہو جاتا ہے اور ہمیں لوگوں پر حاکم مقرر فرمایا

اَمّا بَعد ! یہ میرے بھائی کے بیٹے حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں یہ ایک ایسے جوان ہیں جن سے قریش کے کسی بھی شخص کا تقابل نہیں کیا جاسکتا مگر یہ کہ یہ اس سے بڑھے رہیں۔

ہاں ان کے پاس دُنیاوی مال کی کمی ہے لیکن مال و دولت تو ڈھلتی چھاؤں ہے اور ایک بدل جانیوالی چیز ہے۔

محمد صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم وہ شخص ہیں جن کی قرابت و یگانگت کو جوان کو میرے ساتھ ہے تم لوگ خُوب جانتے ہو۔

وہ خدیجہ بنتِ خویلد کو چاہتے ہیں اور میرے مال سے بیس اُونٹ مہر مقرر فرماتے ہیں اور خدا کی قسم

اِن کا مستقبل نہایت شاندار ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ مقدس خُطبہ جو سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اعلانِ نبوّت سے چودہ برس پہلے ارشاد فرمایا گیا ہے آپ کے مومن و موحد ہونے کی ایسی زبردست دلیل ہے جس کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

اِس مُبارک خطبہ کا ایک ایک لفظ توحیدِ خُداوندی کا شاہد اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تصورِ توحید کا غمّاز ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مُبارک خُطبہ کو بُتوں کے نام سے نہیں بلکہ اس پروردگارِ عالم کے نام سے شروع کرتے ہیں جس نے انہیں اُولادِ ابراہیم خلیل علیہ السّلام سے پیدا فرمایا کیا یہ الفاظ کسی مُشرک کی زبان سے ادا ہوسکتے ہیں۔

اور پھر یہ الفاظ اصحابِ فہم و فراست کو کس حسین انداز سے دعوتِ غور فکر دیتے ہیں کہ وہ اللہ تبارک وتعالیٰ جس نے ہمیں پاسبانِ حرم بنایا اس حرم کا پاسبان جس کی زیارت کے قصد سے لوگ دُور دُور سے آتے ہیں۔

کیا یہ بات قابلِ غور نہیں؟ کہ اگر آپ مُشرک اور بُت پرست ہوتے تو حرم میں رکھے ہُوئے بتوں کی پرستش کی بات کرتے اور زائرین کعبہ کے تصوّرِ بُت پرستی کی بات کرتے۔

علاوہ ازیں سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے درخشندہ مُستقبل کا

اِشارہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ سلم کی نبوّت و رسالت کی طرف نہیں تو اور کس طرف ہے۔

جبکہ حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بحیرا راہب کی زبانی آپ کو معلوم ہو چکا ہے کہ آپ پیغبرِ آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ نبوّت و رسالت چالیس برس کی عُمر مبارک میں فرماتے ہیں لیکن حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ اس کا اظہار اُس وقت کر رہے ہیں جبکہ آپ کی عُمر شریف پچیس برس کی تھی۔

ایک اعتراض

یہاں پر ایک صاحب نے نہایت عجیب و غریب اعتراض وارد کیا ہے جس کا بیان کر دینا خالی اَز دلچسپی نہیں ہوگا۔

وہ فرماتے ہیں کہ کفار و مُشرکین مکّہ بھی اللہ تعالیٰ کا نام لیا کرتے تھے جیسا کہ کُتب احادیث میں آتا ہے کہ وہ حج کے دنوں میں تلبیہ پڑھا کرتے تھے اور لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ کہا کرتے تھے۔

ہمیں ان صاحب کی نکتہ آفرینی پر تعجّب کم اور لُطف زیادہ آیا کہ چلو کوئی بات تو پیدا کی۔

ان کا یہ بھی خیال تھا کہ ممکن ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ذہن میں کسی اور ہی خدا کا تصور ہو جیسا کہ کفار و مُشرکین مکّہ نے سینکڑوں خداؤں

سے رشتۂ عبودیّت استوار کر رکھا تھا۔ اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اشارہ بھی کسی ایسے ہی خُود تراشیدہ خدا کی طرف ہو۔

اعتراض کا جواب

اُن کی یہ بات اِس حد تک تو درست ہے کہ کفّار و مُشرکینِ مکّہ خُدا کو بھی مانتے تھے اور تلبیہ بھی پڑھا کرتے تھے مگر اُن کا خُدا کو ماننا اور تلبیہ وغیرہ میں خُدا کا ذکر کرنا اس طرح تو نہیں تھا جیسا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ مبارک سے ظاہر ہے۔

اور اگر وہ فی الواقع خدا تعالیٰ ہی کو اِلٰہ مانتے تھے تو پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ جھگڑا کس بات کا تھا۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ خدا کو مانتے تھے لیکن بُتوں کو اُس کا شریک گردانتے تھے اُن کا ایک جُملہ تھا کہ خدایا تیرا کوئی شریک نہیں لیکن دُوسرا جملہ یہ تھا مگر وہ تیرے شریک ہیں جن کو تو نے مالک بنایا ہے اور یہ امتیاز ہی باعثِ نزاع تھا۔

لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ اِلَّا شَرِيْكاً هُوَ لَكَ تَمْلِكُهٗ وَمَا مَلَكَ۔

ہم حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں مگر وہ تیرے شریک ہیں جن کو تُو نے مالک بنایا وہ خود بخود مالک نہیں۔

﴿مسلم شریف ج ۲ ص ۲۲۷﴾

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ مشرکین مکہ کے تلبیہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی وحدانیت سے قطعی انکار ہے بلکہ خدا تعالیٰ کے ساتھ بتوں کی شرکت اظہر من الشمس ہے۔

لیکن حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پورے خطبہ مبارک میں ایک لفظ بھی تو ایسا تلاش نہیں کیا جا سکتا جس سے خدائے وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ کے ساتھ بتوں کی شراکت کا تصور بھی کیا جا سکے۔ رہا یہ خیال کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تصور میں کوئی اور ہی خدا ہو تو یہ محض خیالِ خام ہے۔ اِس لئے کہ اس مُبارک اور مقدّس خُطبہ کی حضرت وَرقہ بن نوفل نے اُسی وقت تائید فرمادی تھی اور اِس بات کی صحت و صداقت پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دی تھی کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا خُدا وہی اللہ تبارک وتعالیٰ ہے جس کی وحدانیت کا پرچار کرنے کے لیے انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوتے رہے۔

حضرت وَرقہ بن نوفل کا خُطبہ

الحمد للہ الذی کما ذکرت وفضلنا علیٰ ماعددت فنحن سادت العرب وقادتھم وانتم اھل ذالک کلہ لاینکر العشیرۃ فضلکم ولا یرد احدمن الناس فخرکم و شرفکم انا فی ھذا لامر عیون۔

تمام تعریفیں اُس اللہ تعالٰی کے لیے ہیں جس نے ہمیں
ویسا ہی بنایا ہے جیسا کہ آپ نے ارشاد فرمایا اور ہمیں
وہ تمام فضیلتیں عطا فرمائیں جن کو آپ نے شمار فرمایا
ہے
پس ہم لوگ تمام اہلِ عرب کے پیشوا اور سردار
ہیں اور آپ لوگ تمام فضائل کے اہل ہیں کوئی
جماعت آپکے ان فضائل کا انکار نہیں کر سکتی اور بیشک
ہم لوگوں نے آپ کے ساتھ شمولیت کو رغبت کے
ساتھ پسند کیا ہے۔

﴿مدارج النبوت ج ۲ ص ۴۴﴾
﴿معارج النبوت ج ۲ ص ۲۶﴾
﴿سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۴۴﴾
﴿سیرت ابن ہشام ۲۲۵﴾

ورقہ بن نوفل کون تھے؟

قارئین کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ امام
الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اعلانِ نبوت فرمانے
سے قبل اگر حضرت ورقہ بن نوفل نے حضرت ابو

طالب کے خُطبہ کی تائید فرما بھی دی تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو طالب اور وَرقہ بن نوفل کے ذہن میں اُسی خُدا کا تصوّر ہو جس کی وحدانیّت کا اعلان سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فاران کی چوٹیوں پر کیا تھا اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضرت ورقہ بن نوفل اہلِ کتاب تھے اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پیغمبرِ آخر الزمان ہونے کی پیش گوئی فرمانے والے تھے اور سب سے بڑی بات یہ کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے آپ کی رسالت پر ایمان لانے والے تھے اس کے متعلق بے شمار حوالہ جات موجود ہیں۔

لیکن بخوفِ طوالت ان سب کو قلم انداز کرتے ہوئے صرف ایک حوالہ شیخ الشیوخ سند المحققین خاتم المحدثین امام الاولیاء حضرت اِمام علاّمہ شاہ عبد الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ العزیز کی تصنیفِ لطیف مدارج النبوت شریف کی ایک عبارت کے اُردو ترجمہ کی صُورت میں پیش کیا جاتا ہے۔ ملاحظہ ہو۔

مدارج النبوت

آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی دعوتِ اسلام کے وقت حضرت ورقہ بن نوفل کا انتقال ہو چکا تھا۔

ورقہ بن نوفل حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لانے والوں میں اور آپ کی تصدیق کرنے والوں میں سے تھے۔

اور کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں جنہوں نے آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ظہورِ عنصری سے پہلے آپ کی تصدیق کی اور آپ پر ایمان لائے ہیں اور رہا یہ امر کہ ورقہ بن نوفل کو صحابی کہا جاسکتا ہے؟ تو اس سلسلہ میں صحابی کی تعریف یہ۔ مَنْ رَآنِیْ مُؤْمِناً بِیْ جس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حالتِ ایمان میں دیکھا وہ صحابی ہے۔ اس اعتبار سے ورقہ بن نوفل کو صحابی کہا جاسکتا ہے اور ظہورِ دعوت کی اس میں شرط نہیں۔

﴿مدارج النبوت جلد دوم صفحہ ۴۳﴾

غور فرمایئے

اب جبکہ واضح ہو چکا ہے کہ حضرت ورقہ بن نوفل سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعلانِ نبوت سے پہلے ہی ایمان لانے والے ہیں اور

آپ کی نبوت و رسالت کی تصدیق کرنے والے ہیں تو یہ کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے کہ اُنہوں نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کسی باطل خدا کی حمد و ثنا سُن کر اُس کی تائید کردی ہوگی۔ کیا اِس سے بڑھ کر بھی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے تصورِ توحید پر کسی دلیل کی ضرورت ہے۔

مُدعی لاکھ پہ بھاری ہے گواہی تیری

کیا قارئین کرام اس بات پر غور کرنے کی زحمت گوارا فرمائیں گے کہ اعلانِ نبوت سے پندرہ برس پہلے اقرارِ توحید کرنے اور تصورِ توحید رکھنے والے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اُسی تصورِ توحید سے انکار کیوں کر بیٹھے جبکہ روایت میں صرف اسی قدر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُن کو محض کلمۂ توحید لَآ اِلٰہ اِلَّا اللّٰہ پڑھ لینے کا ارشاد فرمایا تھا اگر آپ اس کے ساتھ محمدٌ رسول اللّٰہ پڑھنے کا بھی اِرشاد فرماتے تو ایک نئی بات ہونے کی وجہ سے انکار کا جواز پیدا ہوسکتا تھا لیکن اس صورت میں یہ کتنے تعجب کی بات ہے کہ ایک شخص اپنی پوری زندگی توحید خداوندی کا قائل رہے اور نزع کے وقت جب اُس پر وہ توحید پیش کی جائے تو وہ اُس کو تسلیم کرنے سے انکار کردے یہ ایک انہونی بات ہے جسے ذہن قبول ہی نہیں کرسکتا۔

یہ تشریحات

قارئین کرام تاریخ و سیر کی متعدد کُتبِ معتبرہ کے حوالوں سے جناب

ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس خطبۂ مبارکہ کی ایمان افروز عبارت سے روشناس ہو چکے ہیں جو آپ نے حضور امام الانبیاء تاجدارِ کونین احمد مجتبےٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ملکہ بفردوس بریں محبوبۂ محبوب ربّ العالمین سیّدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تزویج مبارک ومقدس کے مقدس و مبارک لمحات کے موقع پر ارشاد فرمایا۔

اور آپ یہ بھی جان چکے ہیں کہ آپ نے یہ نُورانی ایمانی اور توحیدی خطبہ اس وقت ارشاد فرمایا جب کہ ابھی حضور خاتم الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اظہار نبوت کو پندرہ سال کا طویل عرصہ باقی تھا۔

دیگر سیرت نگاروں اور ثقہ مورخین کے علاوہ اس توحیدی اور مبنی بر فراست خطبۂ مبارک ومُعظّم کو مخالفین کے نزدیک بھی ثقہ مورخ علامہ ابن خلدون نے اپنی تاریخ کی مشہور زمانہ کتاب تاریخ ابن خلدون کی زینت بھی بنایا ہے مگر باوجود اس تاریخ کی ثقاہت تسلیم کرنے کے شر پسندانہ ذہنیت نے اس پر پوری طرح ہاتھ صاف کرنے کی کوشش ہے چنانچہ آپ پہلے علامہ ابن خلدون کی عبارت کا اقتباس ملاحظہ فرمائیں اور پھر مترجم اور حاشیہ نگار کی ہاتھ کی صفائی کے کرتب دیکھیے۔

علاّمہ ابنِ خلدون رقم طراز ہیں جناب ابو طالب بن عبد المطلب حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے والد کے پاس تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی منگنی حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ کر کے

روسائے قریش کی موجودگی میں عقدِ مبارک کی رسم ادا فرمادی اور محفل نکاح کی رسم سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مندرجہ ذیل خطبۂ نکاح ارشاد فرمایا۔

الحمد للہ الذی جعلنا من ذریۃ ابراھیم وزرع
اسماعیل و ضئضئ معد وعنصر و حضنۃ بیتہ وسواس
حرمہ جعل لنا بیتا محجو جا وحر ما آمنا وجعل لنا
الحکام علی الناس ثم ان ابن اخی ھذا محمد ابن
عبداللہ لا یوزن بہ رجل الارجح بہ" وان کان فی
المال قل فان مال ظل زائل و امرا حائل و محمد
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم من عرفتم قرابۃ منی وقد
خطب خدیجۃ بنت خویلد و بذل لھا من الصداق ما
آجلہ و عاجلہ من مالی عشرین بعیرا دھو واللہ بعد
ھذالہ نباء عظیم و خطر جلیل

﴿ تاریخ ابن خلدون جلد اول ص ۳۰۶ ﴾

ہاتھ کی صفائی

تاریخ ابنِ خلدون کا تازہ ترین مترجم اور حاشیہ نگار بزعم خویش حکیم بھی ہے "احمد حسین الٰہ آبادی" مذکورہ بالا خُطبہ مبارک کے متعلق لکھتا ہے۔

اس خطبہ کی نسبت نقادینِ فنِ تاریخ کا خیال

ہے کہ یہ خطبہ ابو طالب کا نہیں بلکہ الحاقی ہے کیونکہ اولاً
عرب جاہلیت کا یہ دستور نہ تھا بلکہ وہ اکثر اور ہمیشہ کہا
کرتے تھے کہ ہم ایسے ہیں اور ہم ایسے ہیں۔
نیز یہ کہ سب سے پہلے کلام کو الحمد ابتداء کرنے
کا طریقہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جاری کیا
اور اس وقت مہر معجل اور مؤجل کا رواج بھی نہیں تھا۔
﴿حاشیہ ابنِ خلدون ج ۱ ص ۳۰۶ محشی حکیم احمد حسین الہ آبادی﴾
منقولہ بالا نسخہ حکیم صاحب موصوف کی اپنی ہی دریافت ہے ورنہ
نقادین فن تاریخ میں ان کے نزدیک بھی ابنِ خلدون جیسا ماہرِ فن شاید و باید
ہو۔

اور اگر حکیم صاحب نے اپنے علاوہ بھی فنِ تاریخ کے کسی نقاد کی
کتاب میں یہ نسخہ پڑھا تھا تو مناسب یہی تھا کہ اس کا نام بھی تحریر کر دیا جاتا
کیونکہ بڑے لوگوں اور ماہرین فن طبابت کے تیار کردہ یا ایجاد کردہ نسخے آج
بھی جوارش جالینوس وغیرہ کے نام سے عوام کے نزدیک لائق اعتماد ہیں
اگرچہ اس جیسے تیز طرار حکیموں نے اصل دواؤں کو حذف کر کے اپنی طرف
سے بھی چند ہولناک اضافے کر رکھے ہیں۔
حکیم صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ زمانۂ فترت کے اکثر لوگ
انبیائے سابقین کے بیشتر فرامین پر عمل پیرا تھے اور طوعاً و کرہاً اکثر و بیشتر ان

احکام کی پابندی کیا کرتے تھے جو انبیاء سابقین کی کُتب و صحائف کے ذریعہ سے وقتاً فوقتاً نافذ العمل ہوتے رہے انہی امور میں فریضۂ حج کی ادائیگی بھی شامل تھی اور عہد جاہلیت کے توحید پرستوں کے علاوہ بتوں کی پرستش کرنے والے کفار و مشرکین بھی ارکان حج کی ادائیگی کے لیے تقریباً انہی احکام کی پابندی کرتے تھے جو سیدنا خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے نافذ تھے۔

بالخصوص سیدنا ابراہیم خلیل علیہ السلام کی اولاد کی ذمہ داریوں میں یہ بھی شامل تھا کہ وہ ارکان حج ادا کرنے کے علاوہ کعبہ معظمہ کی تو' ' کا فریضہ بھی سرانجام دیں اور دُور دُور سے آنے والے حجاج کے لیے پانی وغیرہ پلانے کا اہتمام بھی بطورِ خاص کریں حکیم صاحب شاید اس دَور کے ارکانِ حج کا پورا نسخہ بھی نہیں جانتے ورنہ انہیں یہ ضرور معلوم ہوتا کہ اہلِ توحید کے علاوہ کفار و مشرکین بھی تلبیہ پڑھا کرتے تھے مگر انہوں نے حکیم صاحب کی طرح پُرانے نسخہ میں اپنی عقلِ ناتمام کو بروئے کار لاتے ہُوئے کچھ واہیات قسم کے اضافے بھی کر رکھے تھے۔

اصلی نسخہ

لبیک اللھم لبیک، لبیک لاشریک لک لبیک

ان الحمد والنعمة لک والملک لا شریک لک۔

اِضافی نُسخہ

عن ابن عباس قال کان المشرکون یقولون

لبیک لاشریک لک، قال ا فیقول رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم ویلکم قدقد فیقولون الا شریک

ھولک تملکہ

﴿مسلم شریف جلد اول ص ۳۷۶﴾

حکیم صاحب اصلی اور اضافی نسخہ میں یقیناً امتیاز کر سکیں گے۔

تمہیں ہے ناز پردے پر مجھے پردہ کشائی پر

میں جب چاہوں جہاں چاہوں ترا دیدار ہو جائے

بتانا صرف یہ ہے کہ عہدِ جاہلیت میں کفار و مشرکین بھی بعض ایسے امور کو بجالاتے تھے جو اگرچہ ان میں رسم و رواج کی صورت میں موجود تھے مگر فی الحقیقت ان کا تعلق انبیائے سابقین کے امور تشریعیہ سے ہوا کرتا تھا۔

علاوہ ازیں اہلِ کتاب کے بیشتر علماء زمانۂ فترت میں حضور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی تشریف آوری کے بھی منتظر تھے اور توحید و رسالت کے متعلق عقیدہ بھی کسی حد تک مناسب تھا۔

بحیرا راہب ورقہ بن نوفل و دیگر متعدد اس قسم کے لوگ حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اس وقت بھی بحیثیتِ رسول جانتے اور پہچانتے تھے جب کہ ابھی آپ نے اظہارِ نبوت و رسالت فرمانے کا خیال بھی

ظاہر نہیں فرمایا تھا اب رہا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ کہ وہ
اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِی، کہہ سکتے تھے نہیں تو ہمارے خیال میں الحمد للّٰہ
الـــــذی، کے مطالب ومعانی اور اس کے استعمال سے حکیم صاحب کے
والدِ گرامی بھی اس حد تک واقف نہیں ہوں گے جس قدر جناب ابوطالب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو واقفیت اور معرفت حاصل تھی اس لیے کہ جناب حکیم
صاحب کا سلسلہ نسب زیادہ سے زیادہ کسی پنڈت جی مہاراج تک پہنچنے
کے بعد خلط ملط ہو جائے گا جب کہ شیخ بطحا سردار قریش سیدنا ابوطالب رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کا سلسلہ نسب براہ راست سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ اور سیدنا ابراہیم
خلیل اللہ علیہما السلام تک منتہی ہوتا ہے۔ کس قدر حیرت کی بات ہے کہ جس
شخص کی معرفتِ توحید و رسالت کا یہ عالم ہو کہ الحمد للہ کا مفہوم اپنے اشعار
میں سمو کر یوں نعتِ مصطفےٰ بیان کرے کہ۔

فـذو الـعـرش مـحـمـود وهـذا مـحـمـد

اور صحابیِ رسول شاعرِ دربارِ رسالت حضرت حسّان بن ثابت رضی
اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے اس مصرعہ کو اپنی نظم کی اساس قرار دیتے ہوئے اس پر
تضمین کریں۔

اسی واجب الاحترام ہستی کو الحمد للہ کا استعمال نہ معلوم ہو اور پھر سب
سے بڑی بات تو یہ ہے کہ وہ ماہرین فن تاریخ کون لوگ ہیں جنہوں نے اپنی
کم علمی کا ثبوت دیتے ہوئے یہ ثابت کرنا چاہا ہے کہ حضرت ابوطالب

ﷺ کا یہ خطبہ مبارک الحاقی ہے۔

تصور میں سدا آؤ مگر کچھ تیرنا سیکھو

تم اکثر ڈوب جاتے ہو مرے اشکوں کے طوفاں میں

خاندانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمتوں کو پس پردہ کرنے کے لیے یہ تصوراتی خاکے اور تخیلاتی شوشے محض اور محض شعبدہ بازی اور ہاتھ کی صفائی ہے ورنہ حقیقت تو ہزاروں نقابوں میں ہونے کے باوجود بھی کائنات عالم کو اپنی برق بار شعاعوں سے منور کر رہی ہے۔

تمثیل کے طور پر

اسی خطبہ مبارکہ کو معمولی تغیرِ لفظی سے نقل کرتے ہوئے علامۃ العصر قاضی ابی بکر باقلانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس محاسن اور خوبیاں بیان فرماتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ اگر چہ یہ خطبہ فصاحت و بلاغت میں اپنی مثال نہیں رکھتا تاہم مخلوق کے کلام میں اور خالق کے کلام میں ایک خاص فرق ضرور ہے ہمارا خیال ہے کہ یہاں ان کی بیان کردہ عبارت مع خطبہ کے دوبارہ نقل کر دی جائے تاکہ اس سے دیگر بھی متعدد فوائد حاصل کیے جائیں۔

خطاب عظیم

جناب ابو طالب کا خطبہ ہے کہ تمام تعریفیں اس ذات کے لیے ہیں جس نے ہمیں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ کی ذریت اور حضرت اسماعیل علیہ

الصلوٰۃ کی نسل میں پیدا فرمایا اور حرمت والا شہر عطا فرمایا اور ہمارے لیے ایسا گھر مقرر فرمایا جس کی زیارت کے ارادہ سے لوگ آتے ہیں۔

نیز ہمیں لوگوں پر حاکم مقرر فرمایا اور بے شک یہ میرے بھائی کے بیٹے حضرت محمدؐ بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ایسے نوجوان ہیں کہ قریش کے کسی بھی شخص سے ان کا تقابل نہیں کیا جا سکتا مگر یہ کہ برکت و فضل عدل و انصاف کرامت و بزرگی میں یہ اُس سے بڑھے رہیں گے۔

اور بے شک اِن کے پاس مال بہت کم ہے مگر مال تو ایک مانگی ہوئی اور لوٹ جانے والی چیز اور ڈھلتی چھاؤں ہے اور یہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے نکاح کے خواہشمند ہیں اور ایسے ہی وہ بھی آپ کو پسند فرماتی

خطبه لابی طالب ، الحمد لله الذی جعلنا من ذریته ابراهیم وزرع اسما عیل وجعل لنا بلدا حراما وبیتا محجوبا وجعلنا الحکام علی الناس وان محمد بن عبدالله ابن اخی لا یوازن به فتی من قریش الا رجح به برکته و فضلا و عدلا و مجدا ونبلا وان کان فی المال مقلافان المال عاریته مسترجعته وظل زائل وله فی خدیجة بنت خویلد رغبة ولهافیه مثل ذالک وما اردتم من الصداق فعلی

قد نسخت جملا من کلام الصدر الاول و محوراتهم و خطبهم و احیلك فیما لم انسخ علی التواریخ والکتاب المصنفة فی

ہیں اور تم جو خدیجہ کے رشتہ دار ہو کیا ارادہ رکھتے ہو؟

اِس خُطبہ کے محاسن

بے شک تیرے لئے صدرِ اوّل کے کلام اور اُن کے محاوروں اور خُطبوں میں سے یہ انتہائی خوبصورت کلام ہے۔

اور کیا تجھے اِس چیز پر دسترس ہے جو تواریخ و تصنیفات پر اِس خطبہ کی شان میں نہیں لکھی گئی پس اِس خطبہ پر اور اُن تمام اخبارِ ماثورہ پر غور کر جو پہلے اہلِ زبان و بیان اور صاحبانِ فصاحت و ذہانت نے تحریر فرمائے ہیں۔ نیز اُن کی نثر کے الفاظ اور اُن کے درمیان ایک دوسرے کو مخاطب کرنے کے دائرہ کو اور اُن سے نقل کی گئی مثالوں پر غور کر پھر دیکھ کہ اڑتے

هذا الشان فتامل ذالك وسائر ما هو مسطر من الاخبار المأثورة عن السلف واهل البيان واللسان والفصاحة والفطن والالفاظ المنثور والمخاطبات الدائرة بينهم والامثال المنقولة عنهم ثم انظر بسكون طائر وخفض جناح وتفريغ لب وجمع عقل في ذالك ليقع لك الفصل بين الكلام الناس وبين الكلام رب العالمين۔

وتعلم ان نظم القرآن يخالف نظم كلام الآدميين وتعلم الحد الذي يتفاوت بين الكلام البليغ والبليغ الخطيب والخطيب الشاعر والشاعر بين نظم القرآن جملة فان خيل اليك او شبه عليك وظنت انه يحتاج ان يوازن بين نظم الشعر والقرآن۔

﴿الاتقان مطبوعہ مصر جلد دوم ص ۱۲﴾ ﴿حاشیہ علامہ قاضی ابوبکر الباقلانی علیہ الرحمۃ﴾

ہوئے پرندوں کو ٹھہرا کر اُن کے پردوں کو نیچے لایا گیا ہے اور اِس میں کلام کے لبِّ لباب اور عقل کو جمع کیا گیا ہے تو اس میں تیرے لئے لوگوں کے کلام کے درمیان اور پروردگارِ عالمین کے کلام کے مابین بزرگی کے واقعہ کی وضاحت ہے۔

اور جان لے کہ! یقیناً نظمِ قرآن قُرآن آدمیوں کی تنظیمِ کلام سے مختلف ہے اور یہ بھی جان کہ ایک بلیغ اور دُوسرے بلیغ ایک خطیب اور دوسرے خطیب ایک شاعر اور دوسرے شاعر کے کلام کے درمیان اور نظم قرآن کے درمیان حدِ تفاوت موجود ہے۔

کہاں ہے حکیم ؟

منقولہ بالا عبارت حکیم صاحب کے لیے یقیناً لمحہ فکریہ بھی ہے اور تازیانہ عبرت بھی کیونکہ عبارت مذکورہ سے نہ صرف سیدنا ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خطبہ مبارکہ کی تصدیق وتائید عی ہوتی ہے بلکہ اِس اَمر کی بھی وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ خطبہ مبارکہ اہلِ فن اور اہلِ زُبان کے نزدیک فصاحت و بلاغت کا ایک ایسا عظیم ترین سرچشمہ ہے جسے مثال کے طور پیش کرنے کے بعد آدمیوں کے کلام پر خُدا تعالیٰ کے کلام کی فوقیت ظاہر کی گئی ہے۔

دُوسرا ثبوت

تفاسیر و احادیث اور تواریخ و سِیَر کی متعدد معتبر کُتب میں یہ واقعہ موجود ہے۔

کہ کفار و مشرکین مکہ باہمی صلاح مشورے کے ساتھ ابو جہل لعین کی قیادت میں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یُوں عرض مدعا کیلئے لب کشا ہوئے۔

کہ آپ سردار قریش مکہ ہیں زندگی کا کچھ اعتبار نہیں اس لئے مناسب یہ ہے کہ آپ اپنی زندگی ہی میں ہمارا اپنے بھتیجے کے ساتھ سمجھوتہ کروادیں۔

اور انہیں منع کردیں کہ ہمارے خُداؤں کو بُرا بھلا نہ کہیں یہ تمام باتیں اُنہوں نے نہایت خوشامدانہ لہجے میں بیان کیں یہ روایت کئی طریقوں سے کُتب احادیث وغیرہ میں موجود ہے تاہم مفہوم سب کا تقریباً یہی ہے جو ہم پیش کرنے والے ہیں۔

قال لما مرض ابو طالب دخل عليه رهط من قريش فيهم ابو جهل بن هشام فقالوا ان ابن اخيك يشتم آلهتنا و يفعل و يفعل ويقول و يقول فلو بعثت اليه فنهيته فبعث اليه

فجاء النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فدخل البیت بینھم وبین ابی طالب قد مجلس رجل۔

قال فخشی ابوجھل ان جلس الی جنب ابی طالب ان یکون ارق لہ علیہ فوثب فجلس فی ذالک المجلس ولم یجد رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم مجلسا قرب عمہ فجلس عند الباب فقال لہ ابو طالب ای ابن اخی ما بال قومک یشکونک یزعمون انک تشتم الھتھم۔

ترجمہ !

جب حضرت ابوطالب بیمار ہوئے تو اُن کے پاس ابوجہل سمیت قُریش کا وفد آیا اور اُنہوں نے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے خداؤں کو بُرا کہتا ہے اور ایسے ایسے کہتا ہے اگر آپ انہیں اس سے روک دیں تو اچھا ہے حضرت ابوطالب نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ پیغام پہنچا دیا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لے آئے اور حضرت ابوطالب کے گھر میں داخل ہو گئے قریش اور حضرت ابوطالبؑ کے درمیان ایک آدمی کے بیٹھنے کی جگہ تھی۔

ابوجہل ڈرا کہ اگر آپؐ ابوطالبؑ کے پاس بیٹھ گئے تو وہ آپ سے بہت محبت کریں گے وہ جلدی سے اُٹھا اور اس جگہ بیٹھ گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیٹھنے کی جگہ نہ ملی تو چچا کے قریب ہوکر دروازہ کے پاس بیٹھ گئے حضرت ابوطالبؑ نے آپؐ سے کہا کہ اے میرے بھتیجے آپ کی قوم کا کیا حال ہے وہ آپ کی شکایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ اُن کے خداؤں کو بُرا کہتے ہیں۔

﴿ابن جریر ج ۲۳ ص ۱۲۵﴾

﴿کشاف ج ۳ ص ۸۳﴾

﴿ابن کثیر ج ۴ ص ۲۸﴾

﴿قرطبی ج ۱۵ ص ۱۵۵﴾

﴿تحفۃ الاحوزی ج ۴ ص ۱۷۲﴾

﴿ترمذی ج ۲ ص ۲۳۸﴾

﴿روض الانف ج ۱ ص ۲۲۲ سیرت حلبیہ﴾

ہمارے خُدا

ان کے خدا

یہ روایت جو ابھی ابھی آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں حضرت ابو طالب کے عقیدہ کی وضاحت کے لئے قطعی اور آخری فیصلے کی حیثیت رکھتی ہے آپ نے ابو جہل کے اِس جملہ پر یقیناً غور فرمایا ہوگا جو اُس نے شکائتاً حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ آپ کا بھتیجا

"ہمارے خُداؤں کو بُرا بھلا کہتا ہے"

اور پھر حضرت ابو طالب کا یہ جُملہ بھی آپ پڑھ ہی چکے ہیں جو اُنہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مخاطب کر کے عرض کیا کہ آپ کی قوم شکایت کرتی ہے کہ آپ

ان کے خداؤں کو بُرا بھلا کہتے ہیں

کیا اِس فیصلہ کُن عبارت کی موجودگی میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تصورِ توحید پر شک کرنے کا کوئی جواز باقی رہ جاتا ہے؟

ابو جہل کا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ کہنا کہ آپ کا بھتیجا ہمارے خُداؤں کو سب وشتم کرتا ہے واضح ترین اِعتراف ہے کفارِ مکہ کا کہ جو ہمارے خدا ہیں وہ ابو طالب کے خدا ہرگز نہیں۔

ورنہ وہ لوگ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یوں کہتے کہ آپ اپنے بھتیجے سے اپنے خداؤں کی تکذیب کیسے برداشت کرتے ہیں۔

اور پھر حضرت ابوطالب کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ عرض کرنا کہ آپ ان کے خداؤں کو کیا کہتے ہیں واضح ترین دلیل ہے اس بات کی کہ۔

جو خدا اُن کے ہیں وہ میرے خدا نہیں

اور پھر قابلِ غور تو یہ بات ہے کہ ادھر تو ابوجہل یہ جانتا ہے کہ ہمارے خداؤں سے حضرت ابوطالب کا کوئی تعلق نہیں۔

اور دوسری طرف یہی ابوجہل حضرت ابوطالب کو یہ ترغیب دے رہا ہے کہ توحیدِ خداوندی کا اقرار کر کے باپ دادا کے دین سے نہ پھر جانا۔

العجب ثم العجب

ہمیں تو اس روایت کا کوئی سر پیر ہی نظر نہیں آرہا اور اس سے بڑھ کر مجموعہ اضداد شاید ہی کوئی روایت ہو۔

اور بعض مفسرین تو ابوجہل کی شکایت والی روایت کو بھی حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے انتقال کے موقعہ کے ساتھ منسوب کرتے ہیں۔

وہ یہ کہتے ہیں کہ کفارِ مکہ کے دل میں خیال پیدا ہوا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ زیادہ بیمار ہیں اس لیے ان کی زندگی ہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سمجھوتہ کر لیا جائے چنانچہ انہوں نے ابوجہل کی وساطت

سے مندرجہ بالا گفتگو کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ یہ میری ایک بات مان لیں تو دُنیا کے بادشاہ ان کو خراج ادا کریں گے۔

اور جب کفارِ مکہ نے استفسار کیا کہ وہ بات کیا ہے تو آقائے نامدار احمد مختار حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اِرشاد فرمایا کہ توحید خداوندی کا اقرار کرلو۔

یہ سُن کر وہ سب لوگ یہ کہتے ہوئے اُٹھ کھڑے ہوئے کہ یہ کس طرح ہوسکتا ہے کہ ایک ہی خُدا تمام اُمور کو سرانجام دے سکے۔

اُن کے جانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب کو ارشاد فرمایا کہ چچا آپ ہی لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰـہ کا اِقرار کرلیں تو اُنہوں نے عرض کیا کہ مجھے بیماری کی حالت میں اس کا اِقرار کرتے ہوئے عار محسوس ہوتی ہے۔

اب بتایئے کہ اس یُعدالمشرقین کو کس طرح اکٹھا کیا جاسکتا ہے اور مفسّرین کرام کے اس جوڑ توڑ کو کس طرح سمجھا جاسکتا ہے کہ ایک ہی وقت میں ابوجہل دینِ عبدالمُطّلب سے منہ پھرنے کی ترغیب دے رہا ہو اور اُسی وقت میں وہ اپنے ساتھیوں کو لیکر واپس جارہا ہو۔

بہرحال بتانا یہ تھا کہ اس روایت کے یہ الفاظ الھمف اور آلھمم واضح ترین دلیل ہیں اس بات کی کہ ابوجہل وغیرہ کے مُدعا و دل سے حضرت ابوطالب کا ہرگز ہرگز کوئی تعلق نہیں تھا۔

تیسرا ثبوت

زیرِ بحث روایت میں ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ توحید پڑھنے سے تو انکار کر دیا لیکن آخری الفاظ یہ اَدا فرمائے کہ میں ملتِ عبدالمطّلب یا، ہاشم اور عبد مناف یا دین اَشیاخ پر اِنتقال کر رہا ہوں۔

اگر چہ ہمیں اس روایت کی صداقت پر سرے سے ہی یقین نہیں تاہم اگر اس روایت کو دُرست فرض کر لیا جائے تو اِلزامی طور پر ہم اس روایت کے اس جملے کو ہی دلیل کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا کہ میں ملتِ عبدالمطّلب یا مِلتِ اَشیاخ پر اِنتقال کر رہا ہوں تو اِس بات کا قطعی طور پر یہ فیصلہ ہو جاتا ہے کہ آپ ہرگز ہرگز مُشرک اور بُت پرست نہیں تھے بلکہ پکے مواحد اور سچے مومن تھے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام تر آباؤ اَجداد کرام مومن و موَحد اور شِرک و کفر کی نجاستوں سے پاک تھے۔

یہ تصادم

اور اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فی الواقع مُشرک اور بت پرست تھے جیسا کہ روایت کے آخری حصّوں سے ظاہر ہوتا ہے تو یہ ماننا پڑے گا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے دیگر آباؤ اَجداد بھی معاذ اللہ مُشرک

بت پرست اور جہنمی تھے۔

بہرحال ایک ہی بات تسلیم کی جا سکتی ہے یا تو یہ کہنا پڑے گا کہ وہ روایت ہی سرے سے غلط ہے جس میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا یہ اِرشاد موجود ہے کہ میں مِلّت اَشیاخ پر فوت ہو رہا ہوں یا پھر یہ کہنا پڑے گا کہ حضرت ابو طالبؓ بھی اپنے باپ دادا کی طرح مومن اور موحد تھے اور یا پھر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ وغیرہ کو بھی کافر و مُشرک ماننا پڑے گا اور یہ امرِ محال ہے حالانکہ بعض لوگوں کا عقیدہ یہی ہے۔

اور وہ اس روایت کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین و دیگر آباو اَجداد کے کافر و مُشرک ہونے کے ثبوت میں پیش کرتے ہیں جس کی تفصیل اِس کتاب کی پہلی جلد میں موجود ہے۔

اِس زبردست تصادم کو محدّثین و مفسّرین نے بھی شدّت سے محسوس کیا ہے چنانچہ امامِ اجلّ حضرت علّامہ جلال الدّین سُیوطی رحمۃ اللہ علیہ اس کا اقرار اس طرح فرماتے ہیں۔

ولا شك ان الترجيح فی عبد المطلب بخصوصه
عَسير جدا لأن حديث البخاری و هوالذی فيه منع
ابوجهل ابا طالب من الايمان باستدلال ملت
عبدالمطلب مُصادم قوی ﴿مسالك الحنفاء﴾

اس میں شک نہیں کہ خصوصیت کے ساتھ

عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کو ترجیح دینا سخت مشکل اور دشوار ہے

کیونکہ بخاری کی وہ حدیث جس میں عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی

ملت سے استدلال کرتے ہوئے ابوجہل نے ابوطالب کو

ایمان سے منع کیا اس حدیث کی سخت مخالفت ہے۔

﴿للسیوطی صفحہ ۴۳﴾

امام اجل علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ کے علاوہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی صاحب تفسیرِ مظہری، علامہ عبدالباقی صاحب زرقانی علی المواہب امام سہیلی صاحب روض الانف جیسی مقتدر شخصیات بھی اس ناقابلِ عبور خلیج کو پُر کرنے سے اظہارِ معذوری فرماتی ہیں۔ قاضی ثنا اللہ پانی پتی فرماتے ہیں۔

تفسیرِ مظہری

جناب ابوطالب کی وفات کے قصہ میں ہے کہ ابوجہل نے ان کے احتضار کے وقت کہا کہ کیا آپ ملتِ عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اعراض کررہے ہیں؟

اور ابوطالبؑ کا اُس کو یہ جواب دینا کہ میں ملتِ عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہوں اس اَمر پر دلالت کرتا ہے کہ حضرت عبدالمطلب بھی مشرک تھے۔

مگر ہم کہتے ہیں کہ یہ تسلیم نہیں کرتے کیونکہ جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مومن وموحد ہیں اور ابنِ سعد اسناد کے ساتھ مزید یہ روایت نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق آپ کی دایہ جناب ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو فرمایا کہ میرا یہ بیٹا نبیؐ ہے متن ہے۔

فی قصہ موت ابی طالب قال ابو جہل اترغب عن ملت عبد المطلب وقول ابی طالب انا علیٰ ملت عبدالمطلب یدل علیٰ کون عبدالمطلب مشرکا قلنا لا نسلم ذالک بل کان مومنۃ موحدۃ وترد ابن سعد فی اسانیدہ ان عبدالمطلب قال لام ایمن ھذا ابنی نبیہ۔

﴿تفسیر مظہری جلد چہارم ص ۳۰۸ دہلی انڈیا﴾

روض الانف زرقانی

اس مقام پر امام سہیلی اور امام زرقانی رحمہ اللہ تعالیٰ اِس تصادم کی شدت کو محسوس کرتے ہوئے اپنے خدشات کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں

ابو طالب نے فرمایا کہ میں ملتِ عبدالمطلب پر ہوں اور ظاہر طور پر یہ حدیث اسی امر کا تقاضا کرتی ہے کہ حضرت عبدالمطلب کی موت بھی شرک کی حالت میں واقع ہوئی

ہو مگر ہم نے مسعودی رحمۃ اللہ علیہ کی بعض کتب میں اس کے برعکس دیکھا ہے کیونکہ وہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق فرماتے ہیں کہ یقیناً ان کی موت ایمان کی حالت میں واقع ہوئی ہے اور انہوں نے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوّت کی نشانیوں کا مشاہدہ کیا اور وہ قیامت کے دن توحید کے ساتھ ہی معبوث ہوں گے متن ہے۔

فقال انا علیٰ ملت عبدالمطلب و ظاهر الحديث يقتضي ان عبدالمطلب مات على الشرك ووجدت في بعض كتب المسعودي اختلافا في عبدالمطلب وانه قد قال فيه مات مسلما مما رای من دلائل النبوة علیٰ نبوة محمد صلى الله عليه وآله وسلم انه لا يبعث الا بالتوحيد۔

﴿الروض الانف مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۲۵۹﴾

﴿زرقانی علی المواہب مطبوعہ بیروت ج ۱ ص ۲۹۲﴾

علامہ عبدالباقی المعروف زرقانی علیہ الرحمۃ مزید فرماتے ہیں کہ حضرت عبدالمطلب کے اسلام کی یہ قول بھی تائید کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو

اُن سے منسوب کرتے ہوئے حنین کے روز فرمایا کہ انا ابن
عبدالمطلب یعنی میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں جب کہ سرکار
دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد احادیث مبارکہ میں
کافر والدین سے منسوب ہونے کو منع فرمایا گیا ہے اور
حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہ کے متعلق آنے والی
بخاری کی حدیث کا اس سے زبردست ٹکراؤ ہے اور اس کی
کوئی تاویل نہیں پائی جاتی۔

لکن یوید القول بسلامه ان النبی صلی الله علیه وآله
وسلم انتسب علیه یوم حنین فقال انا ابن
عبدالمطلب بنه عن الانتساب الی الآباء الکفار فی
عدة احادیث وان کان حدیث البخاری المذکور
مصادما قویا ولا یوجد له تاویله

﴿زرقانی علی المواہب الدنیہ جلد اول ص ۲۹۲ مطبوعہ بیروت﴾

اندازہ کیجئے کہ اس واضح ترین تصادم وتخالف اور تعارض وتضاد کی
موجودگی میں کسی ایسی مخدوش روایت پر اس لئے یقین کر لینا کہاں تک
مناسب ہے کہ یہ فلاں معتبر شخص نے فلاں معتبر کتاب میں نقل فرمائی ہے۔
اس بحث کو بھی رہنے دیں کہ نقل کرنے والے کون ہیں کم از کم اس
بات کو تو نظر انداز نہ کریں کہ بقول ناقدین بھی یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کی حدیث مرفوع نہیں بلکہ اُن دو حضرات کا قول ہے۔

جو اُس وقت حالتِ کفر میں تھے اور اُن کا اُس محفل میں موجود ہونا بھی صحت کو نہیں پہنچتا۔

بلکہ اِس کے برعکس سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی متعدد مرفوع احادیث مبارکہ موجود ہیں کہ آپ کے تمام آباؤ اجداد کرام کفر و شرک کی آلودگیوں اور نجاستوں سے پاک تھے۔ اور اسی پہ آئمہ حدیث اہلسنت کا اتفاق ہے پھر آخر ایسی ایک غیر معتبر روایت پر ہی اپنے عقیدے کا دارومدار رکھ لینا کہاں کا انصاف ہے جس سے نہ صرف یہ کہ سینکڑوں روایات حدیث کا اِنکار لازم آئے بلکہ اپنے ایمان کا جنازہ اُٹھ جانے کا بھی قوی احتمال موجود ہو اس سے پہلے کہ ہم امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کرام کے مومن و موحد ہونے کے متعلق چند معتبر روایات پیش کریں قارئین کی توجہ ان چند اُمور کی جانب مبذول کروانا ضروری سمجھتے ہیں۔

کیسے کہا ہوگا

اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کافر مشرک اور بُت پرست تھے تو انہوں نے ہرگز یہ نہیں کہا ہوگا کہ میں ملّتِ عبد المطلب پر فوت ہو رہا ہوں اِس لئے کہ اگر چودہ سو سال گزر جانے کے بعد ہم تک ایسے کوائف پہنچ سکتے ہیں کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ نے ایک لمحہ کے لئے بھی

شرک نہیں کیا اور نہ ہی بت پرستی کی ہے تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ پر ہم سے بڑھ کر یہ حقیقت منکشف ہو گی کہ میرے باپ کا دین کیا ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کسی مجذوب و مجنون کا نام نہیں بلکہ وہ صاحب فہم و فراست اور مدبر ترین انسان تھے، شیخ بطحا تھے سردار مکہ اور متولّی کعبہ تھے جانشینِ عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ تھے۔

یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ پچاس برس کی عمر تک اپنے والدِ گرامی کے ساتھ رہیں نہ صرف یہ اُن کے زیرِ سایہ پرورش حاصل کریں بلکہ اُن کے مشیر خاص بھی ہوں تمام معاملات میں باپ کے شانہ بشانہ رہے ہوں اور آخر پر سیدنا عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا انتقال بھی اُن ہی کے ہاتھوں میں ہوا ہو اور باپ نے اپنی مسند بھی ان ہی کے سپرد کی ہو اپنا وصی بھی اُنھیں بنایا ہو اور سب سے بڑی بات یہ کہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالٰی عنہا کا جگر پارہ علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اُن ہی کی کفالت میں دیا ہو تو یہ کیسے گمان کر لیا جائے اُن پر باپ کا عقیدہ ظاہر نہیں ہو سکا ہو گا۔

اگر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالٰی عنہ واقعتاً عقیدۂ توحید پر تھے تو اس بات کو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ ہی کیا تمام کفار و مشرکین مکّہ بھی جانتے ہوں گے اور ان کا یہ عقیدہ ابوجہل کی نگاہوں سے بھی اوجھل نہیں ہو گا اس صورت میں اس کا یہ کہنا کہ ابوطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ تم اپنے باپ کے دین سے پھر رہے ہو بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔

اور اگر یہ فرض بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ پر باپ کا عقیدہ ظاہر نہیں ہوا تھا اور یہ کہ ابو جہل وغیرہ نہیں جانتے تھے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا عقیدہ ہے اگرچہ یہ ایک مفروضہ ہی ہوگا۔

تاہم یہ مان بھی لیا جائے تو کم از کم اس بات پر تو ہرگز ہرگز یقین نہیں کیا جا سکتا کہ مہبطِ وحیِ الٰہیہ اور عالمِ مَا كَانَ وَمَا يَكُونُ، سید العالمین امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر بھی حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ منکشف نہیں ہوگا۔

جبکہ از ازل تا ابد ہر چیز کا ہمہ وقت آپ کے علمِ مبارک میں ہونا قرآن وحدیث میں منصوص ہے اور تمام ترغیبی امور پر ان کا ہمہ وقت مطلع ہونا تواتر کے ساتھ ثابت ہے،

اس صورت میں یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ان کے سامنے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ جملہ عرض کریں کہ

"اے ابنِ اخی میں اقرار توحید نہیں کروں گا بلکہ اپنے باپ دادے کے دین پر فوت ہو رہا ہوں"

تو یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یوں ہو جائیں اور یہ وضاحت نہ فرمائیں کہ اے چچا آپ نے تو اس طرح بھی اقرار توحید کر لیا ہے کیونکہ میرا نور تو اصلاب وارحامِ طیبات وطاہرات میں انتقال فرماتا رہا ہے اور میرے تمام تر آباواجداد کرام عقیدۂ توحید پر ہی تھے کیا یہ تعجب کی بات

نہیں کہ آپ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میرے آباو اجداد کا فرمشرک نہیں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِس جملہ کی تردید نہ فرمائیں بلکہ اپنے آباؤ اجداد کے کفر و شرک پر ہونے کی دلیل قائم کروالیں۔

ہائے بے بہرہ حقیقت سے نئے دَور کے لوگ
اِتنی سی بات کو اُفسانہ بنا دیتے ہیں

مشورہ

یہاں ہم اُن لوگوں کو تو کوئی مشورہ نہیں دے سکتے جو اپنے خیال میں آقائے دو عالم رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین اور دیگر آباؤ اجداد کرام کو بھی معاذ اللہ کافر و مشرک سمجھتے ہیں مگر ان صاحب دِل حضرات کی توجہ ضرور اس جانب مبذول کروائیں گے جو ایک طرف تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ابوین کریمین رضی اللہ عنہما کو مومن و موحد اور قطعی جنتی مانتے ہیں۔

اور دوسری طرف وہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے خلاف آنے والی اس روایت پر یقین رکھے ہوئے ہیں کہ انہوں نے اقرارِ توحید نہیں کیا اور حضرت عبدالمطّلب کے عقیدہ پر فوت ہوئے ہیں۔

ہم ایسے حضرات کی خدمت میں التماس کریں گے کہ آپ اس روایت کو صحیح تسلیم کر کے نادانستہ طور پر ان لوگوں کی ہمنوائی کر رہے ہیں جو امام

الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو معاذ اللہ کافر مشرک بُت پرست اور جہنمی قرار دیتے ہیں۔

ہم یہ بات محض قیاسی طور پر نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ہمارے پاس اس کے واضح ترین ثبوت اور ٹھوس حقائق موجود ہیں۔

ہمارے پاس ایسی متعدد تحریریں موجود ہیں جن میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کے متعلق شرک و کفر کا گمان رکھنے والے لوگوں نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے خلاف جانے والی اسی روایت کو اپنے استدلال میں پیش کیا ہے۔

خارجیوں وہابیوں کے اس قرین قیاس مگر ہولناک استدلال کی تفصیل سے روشناس ہونے کے لئے کتاب ہذا کی جلد اوّل کے باب ہشتم کا مطالعہ فرمائیں اور غور کریں کہ ایسی روایات کہاں تک لائق اعتنا ہیں جو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین اور دیگر آباؤ اجداد کو جہنم رسید کرنے کا فریضہ ادا کر رہی ہوں اور انہیں زبردستی کفر و شرک سے آلودہ کر رہی ہوں جن کی طہارت و پاکیزگی کی گواہی خود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان مبارک سے دی ہے۔

اگرچہ سرور کائنات امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین اور دیگر آباؤ اجداد کے قطعی جنتی ہونے اور کفر و شرک کی نجاستوں

سے پاک ہونے کے جواز میں ہم نے مستقل ایک ضخیم کتاب والدین رسول الثقلین کے نام سے تصنیف کی ہے جو انشاء اللہ العزیز عنقریب طبع ہونے والی ہے تاہم محض برکت حاصل کرنے اور اپنے مؤقف کے درست ہونے کے ثبوت میں چند معتبر روایات نہایت اِختصار سے پیشِ خدمت ہیں جن سے واضح ہو جائے گا کہ سرکارِ دو عالم رحمۃ للعالمین صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تمام تر آباو اجداد کرام شِرک و کفر کی آلودگیوں سے پاک تھے اور اگر یہ درست ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِنتقال ملّتِ اَشیاخ پر ہوا ہے تو وہ ہرگز ہرگز کافر و مشرک نہیں تھے۔

اِمام الانبیاء کے آباوٴ اجداد

اگر چہ قُرآنِ مجید کی متعدّد آیاتِ کریمہ کی تفسیر کرتے ہوئے مُفسّرین کرام نے بے پناہ دلائل کی روشنی میں ثابت کیا ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے آباوٴ اجداد اَصنام پرستی سے محفوظ تھے اور دینِ حنیف یعنی عقیدۂ توحید پر قائم تھے۔

تاہم اس مضمون کو یہاں ہمیں نہایت اِختصار سے پیش کرنا مقصود ہے اس لئے قرآنِ مجید کی محض ایک آیت کی تفسیر میں مفسّرین کرام کے چند دلائل پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

قرآن مجید کی ''سورۂ شعرا'' میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد مقدس

ہے وَتَقَلُّبَكَ فِيْ السَّاجِدِيْنَ۔

اس آیت مبارکہ کی تفسیر کرتے ہوئے آئمہ تفسیر نے لکھا ہے کہ نبی اکرم علیہ التحیۃ والثناء کا نورِ مقدس ساجدین میں منتقل ہوتا رہا ہے اور اس کی دلیل میں وہ رسول پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا فرمان پیش کرتے ہیں کہ ہمارا نورِ مبارک اصلاب وارحامِ طیبات وطاہرات میں منتقل ہوتا رہا ہے بہر حال چند عبارات ملاحظہ ہوں۔

دلائل النبوۃ

حضرت علی ابن ابی طالب کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہماری ولادت مبارکہ نکاح سے ہوئی سفاح سے نہیں ہوئی حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر ہمارے ابا جان اور امی جان تک کسی نے بھی جاہلیت کے سفاح میں سے کوئی چیز نہیں دیکھی۔

عن علی بن ابی طالب ذ النبی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم قال خرجت من نکاح و لم اخرج من سفاح من لدن آدم الی ان ولدنی ابی و امی لم یصبنی من سفاح الجاھلیة شیء

﴿دلائل النبوۃ ص ۲۴﴾

عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم لم یلتق

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہمارے آباؤ اجداد کرام میں سے کسی نے بھی سفاح کو نہیں دیکھا اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ مجدہٗ الکریم ہمیں ہمیشہ اصلابِ طیبہ اور اَرحامِ طاہرہ میں صاف وشفاف منتقل فرماتا رہا اور ہمارے آباؤ اجداد کرام نے سوائے خیر کے اور کوئی چیز نہیں دیکھی۔

حضرت عبداللہ بن حارث بن نوفل رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ بے کس پناہ میں عرض کیا کہ یارسول اللہ جب اہلِ قریش اکٹھے ہو کر بیٹھتے ہیں تو ان کے حسب ونسب کا تذکرہ چلتا ہے تو مجھے کہتے ہیں کہ تمہارے مثل ایسے درخت

ابوا ی فی سفاح لم یزل اللّٰہ عزوجل ینقلنی من اصلاب طیبة الی ارحام طاھرة صافیا مھذبا لا تتشوب الا کنت خیر ھماء

﴿دلائل النبوۃ ص ۲۴﴾

عن عبد اللّٰہ بن الحارث بن نوفل عن العباس بن عبد المطلب قال قلت یا رسول اللّٰہ ان قریشا جلسوا فتذاکروا احسابھم و انسابھم فجعلوا مثلك مثل نخلته نبتت فی ربوة من الارض قال فغضب رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم وقال ان اللّٰہ عزوجل حسین خلق الخلق جعلنی من خیر خلقه ثم حین خلق القبائل جعلنی من خیر قبیلتھم و

کی ہے جو زمین میں سے کسی ٹیلے پر اُگ آیا ہو فرمایا کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے شجرۂ مبارک کے متعلق یہ الفاظ سُنے تو آپ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے جب مخلوقات کو پیدا فرمایا تو میرے لئے بہترین مخلوق کا اِنتخاب فرمایا اور پھر جب اس بہترین مخلوق کو قبائل کی صورت دی گئی تو میرے لئے تمام قبیلوں میں سے بہترین قبیلہ منتخب کیا گیا اور جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے جانوں کو پیدا فرمایا تو میرے لئے ان میں سے زیادہ بہتر جان مقرر فرمائی اور جب اللہ تعالیٰ نے گھروں کو تخلیق فرمایا تو میرے لئے سب سے بہتر گھر چنا گیا اور میں ان سب میں اپنے آباؤ اجداد کے ذریعہ سے بھی بہتر ہوں اور جانوں کی صورت میں بھی بہتر ہوں ۔ حضرت عطا رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آیت کریمہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ سے مراد ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمیشہ اصلاب انبیاء کرام میں انتقال فرماتے رہے حتیٰ کہ آپ اپنی والدہ معظمہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کی آغوش مبارک میں جلوہ افروز ہو گئے ۔

حين خلق الا نفس جعلني من خير انفسهم ثم حين خلق البيوت جعلني من خير بيو تهم فا نا خير هم ابا و خير هم نفسا ۔

﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵﴾

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے سات آسمان پیدا فرمائے تو مجھے اختیار فرمایا گیا کہ میں ان تمام آسمانوں میں سے جسے پسند کروں اسے اپنا مسکن بناؤں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے سات زمینوں کو پیدا فرمایا تو مجھے اختیار دیا گیا کہ جہاں چاہوں سکونت اختیار کروں اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے بنی آدم کو پیدا فرمایا تو میں نے بنی آدم سے عرب کو پسند فرمایا اور

عن عطاء عن ابن عباس ﴿وَتَقَلُّبَكَ فِي السّٰجِدِيْنَ﴾ ما زال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم یتقلب فی اصلاب الانبیاء حتی ولدتہ امہ

﴿دلائل النبوۃ ص ۲۵﴾

عن ابن عمر قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم ان اللّٰہ عزوجل خلق السموات سبعا فا ختار العلیا منھا فسکنھا و اسکن ما ئر سما واتہ من شاء من خلقہ و خلق الا رضین سبعا فا ختار العلیا منھا فاسکنھا من شاء من خلقہ ثم خلق الخلق فا ختار من الخلق بنی آدم العرب و اختار من العرب مضر و اختار من مضر قر یشا و اختار من قر یش بنی ھا شم و اختار فی من بنی ھا شم فانا من خیار الی خیار فمن احب العرب فبحبی احبھم ومن ابغض العرب فبغضی ابغضھم

﴿دلائل النبوۃ ص ۲۶۔۲۵﴾

عرب میں سے مضر کو پسند کیا اور مضر ... سے قُریش کو پسند فرمایا اور قریش میں سے بنی ہاشم کو پسند کیا اور خود کو بنی ہاشم سے پسند کیا پس میں بہترین سے بہترین لوگوں تک آیا ہوں۔

پس جس نے عرب سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور میں اس سے محبت کرتا ہوں اور جو عرب سے بُغض رکھتا ہے وہ مجھ سے بُغض رکھتا ہے اور میں اس سے بُغض رکھتا ہوں۔

تفسیر قرطبی

وقال ابن عباس ان فی اصلاب الآباءِ آدم و نوح و ابراهیم حتی اخرجه نبیا

اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ آپ اپنے باپوں حضرت آدم حضرت نُوح حضرت ابراہیم علیہم الصلوٰۃ والسلام کے اصلاب مقدسہ میں پھرتے رہے حتیٰ کہ نبی پیدا ہوئے۔

﴿تفسیر قرطبی ص ۱۴۱ ج ۱۳﴾

ابنِ کثیر

وروی البزار و ابن ابی حاتم من طریقین عن ابن عباس انه قال فی هذه الآیة یعنی تقلبه من صلب

نبی اخرجه نبیا۔

اور روایت کی بزار اور ابن ابی حاتم نے دو طریقوں سے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے فرمایا انہوں نے اس آیت کے متعلق یعنی آپ اصلاب انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام میں پھرتے رہے حتیٰ کہ اس اُمت میں پیدا ہوئے

﴿تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۳۵۷﴾

خازن

قال ابن عباس اراد وتقلبك فی اصلاب انبیاء من نبی الی نبی حتی اخرجك فی هذه الامة۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انبیاء علیہم السّلام میں اِنتقال فرماتے رہے ایک نبی سے دُوسرے نبی کی طرف حتیٰ کہ اِس اُمت میں پیدا ہوئے۔

﴿تفسیر خازن ج ۳ ص ۳۷۲﴾

مزید کُتب سیَر

مشہور تفاسیر کے محض ان چند حوالہ جات پر اکتفا کرتے ہوئے سیرت کی چند معتبر کتب سے کچھ اور روایات پیش خدمت ہیں۔

مندرجہ بالا روایات میں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نور مبارک ایک نبی سے دُوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس سے یہ اشتباہ پیدا ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام کے تمام آباؤ اجداد نبی تھے حالانکہ یہ درست نہیں۔ اس کے متعلق تفصیل کے ساتھ تو ہم اپنی کتاب "والدین رسول الثقلین" میں روشنی ڈالیں گے یہاں پر مختصر طور پر یہ عرض کریں گے کہ بعض روایات میں ہے کہ آپ کا نُور ایک نبی سے دوسرے نبی کی طرف منتقل ہوتا رہا لیکن تفسیر کبیر وغیرہ دُوسری کتابوں میں ہے کہ آپ کا نور ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف انتقال فرماتا رہا اور زیادہ درست یہی ہے انبیاء علیہم السّلام میں نُورِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منتقلی کا سلسلہ حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ الصلوٰۃ والسّلام تک رہا اور اس کے بعد یہ سلسلہ غیر انبیاء مگر تمام سجدہ کرنے والوں میں جاری رہا اور یہ دو ہی قسم کی روایات کتب معتبرہ میں موجود ہیں درج ذیل حوالہ جات میں ہر دو قسم کی روایات پیش بخدمت ہیں اور آپس میں ہرگز معارض نہیں جیسا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کو کافر و مشرک سمجھنے والوں کا خیال ہے۔

مواہب اللّٰدنیہ انوارِ محمدیہ

فان نوره انتقل من آدم الى شيث والعمل ونانه حمله

وصيا علی ولدہ ثم اوصی شیث ولدہ بوصیۃ آدم ان لا یضع ھذا النورا لا فی المطھرات من النساءِ ولم تزل ھذہ الوصیۃ جاریۃ تنتقل من قرن الیٰ قرن الی ان ادی اللّٰہ النور الی عبد المطلب وولدہ عبد اللّٰہ وطھر اللّٰہ ھذا النسب الشریف من سفاح الجاھلیۃ ﴿الخ﴾ وا علم انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لم یشر کہ فی ولادتہ من ابویہ

﴿انوارِ محمدیہ ص ۱۵﴾

پس آپ کا نُورِ مُبارک حضرت آدم علیہ السّلام سے حضرت شِیت علیہ السلام کی طرف منتقل ہوا اور حضرت آدم علیہ السّلام نے اس کے متعلق حضرت شیث علیہ السّلام کو وصیّت فرمائی پھر حضرت شیث علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو یہی وصیّت فرمائی تحقیق یہ نُور ہمیشہ پاک عورتوں میں ظاہر ہوتا رہا اور یہ وصیّتِ جاریہ انتقال فرماتی رہی ایک قرن سے دوسری قرن تک پھر یہ نُور اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت عبد المطّلب کو عطا فرمایا اور ان کے بیٹے حضرت عبد اللہ کو اور پاک فرمایا اللہ نے اس نَسَب شریف کو سفاح جاہلیّت سے اور جان لیجئے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین

میں سے کسی نے بھی شرک نہیں کیا آپ کی پیدائش مبارک تک،

بخاری شریف

عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه عن النبی صلی الله علیه وآله وسلم بعثت من خیر قرون بنی آدم قرناً فقرناً حتی کنت من قرآن الذی کنت فیه

﴿بخاری شریف مترجم ص ۷۰۲۔ ج ۱﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت بیان کی ہم بنی آدم میں بہتر قرنوں میں قرناً فقرناً بعثت فرماتے رہے حتیٰ کہ اس قرن میں جو کہ ہے۔

خصائصِ کبریٰ

﴿۱﴾اخرجه الطبرانی عن ابن عباس قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم ماولدنی فی سفاح الجاهلية شیئ وما ولدنی الا نکاح کنکاح السلام۔

بیان کیا طبرانی نے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے کہا فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں پیدا

ہوئے ہم درمیان سفاح جاہلیت کے اور نہیں پیدا ہوئے
ہم مگر نکاح سے جیسا کہ نکاح اسلام کا ہے۔

﴿خصائص کبریٰ جلد اول ص ۹۲﴾

﴿۲﴾واخرج ابن سعد و ابن عساکر عن عائشة
رضی اللہ تعالیٰ عنها قالت قال رسول اللہ صلی اللہ
علیه وآله وسلم خرجت من نكاح غير سفاح۔

ابن سعد اور ابن عساکر نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہ سے روایت بیان کی وہ فرماتی ہیں کہ فرمایا رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم بغیر سفاح کے نکاح سے پیدا
ہوئے ہیں۔

﴿خصائص کبریٰ جلد اول ص ۹۲﴾

﴿۳﴾واخرج ابو نعيم من طرق عن ابن عباس
رضی اللہ تعالیٰ عنهما قال قال رسول اللہ صلی اللہ
علیه وآله وسلم لم يلتق ابو اى قط علىٰ سفاحٍ لم
يزل اللہ ينقلنى من الاصلاب الطيبة الى الارحامً
الطاهرة مصفى مهذبا لا تتشعب شعبتا ن الا كنت فى
خير هما وتقلبك فى السا جدين قال مازال صلى اللہ
عليه وآله وسلم يتقلب فى اصلاب الانبياء حتى
ولدته۔

اور بیان کیا ابونُعیم نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ
کے طریقہ سے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے
کہ ہمارے آباؤ اجداد میں کوئی بھی سفاح پر نہیں تھا۔
ہم اصلاب طیبات سے ارحام طاہرات کی طرف
انتقال فرماتے رہے ہیں صاف اور پاک کوئی گروہ
نہیں تھا ان گروہوں میں مگر سب خیر پر تھے اور
وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ فرمایا کہ نبی صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم اصلابِ انبیاء میں پھرتے رہے حتیٰ کہ آپ
اپنی والدہ سے پیدا ہوئے۔

﴿خصائص کبریٰ جلد اول ص ۹۲﴾

کیا یہ بریلوی ہے؟

درج ذیل مضمون ہم ایک ایسے رذیل شخص کے اجمالی تعارف کے
طور پر ہدیہ قارئین کر رہے ہیں جو خود کو بریلوی ظاہر کرتا ہے آئندہ اوراق
میں اس کا تفصیلی تعارف ہدیہ قارئین کیا جا رہا ہے چونکہ اس کو شخص سے موسوم
کرنا بھی اس لفظ کی توہین ہے اس لئے ہم نے اس کا نام ایک تنکا تجویز کیا
ہے
ہم نے کتاب ہذا کے پہلے ایڈیشن میں بھی متذکرہ بالا استدلال

پیش کر کے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا صاحبِ ایمان ہونا ثابت کیا تھا اور متعدّد حوالہ جات کی روشنی میں بتایا تھا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد سیّدنا عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کے دیگر آباؤ اجداد قطعی طور پر مومن و موحد ہیں اور ان میں کوئی ایک بھی کفر و شرک کی نجاستوں سے آلودہ نہیں۔

اس مقام پر ہم نے امام فخر الدّین الرّازی کا بھی ایک حوالہ علّامہ جلال الدّین سیوطی علیہ الرحمۃ کی کتاب "مسالک الحنفاء" سے نقل کیا تھا جس پر غلیظ تنکے نے انتہائی خبث باطنی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے آباؤ اجدادِ الکرام کو مُشرک قرار دینے کے ساتھ ساتھ علّامہ جلال الدّین سیوطی کو بھی بالواسطہ طور پر ہدفِ تشنیع بنانے کی مذموم کوشش کی ہے۔

امام رازی اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہما کی وہ عبارت بھی ہم جلد ہی ہدیۂ قارئین کریں گے جو ہم نے کتاب ہذا کے پہلے ایڈیشن میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجدادِ الکرام کے مومن و موحد ہونے کے ثبوت میں پیش کی تھی مگر اس سے قبل ہم ایک تنکے کی پیش کردہ حاشیہ میں نقل کی گئی عربی عبارت اور اس کا کیا ہوا قلم توڑ اُردو ترجمہ پیش خدمت کرتے ہوئے خاص طور پر صاحبانِ علم حضرات کی خدمت میں ملتمس ہیں کہ اصل عبارت اور ترجمے کی بلاغت کا موازنہ ضرور فرمائیں۔

رافضیت کا بھوت

تو جان لے کے کہ رافضی یہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام باپ دادے ایمان دار تھے اور اس عقیدے پر رافضی اس آیت اور ایک حدیث سے دلیل پکڑتے ہیں اس آیت کے متعلق رافضی کہتے ہیں کہ وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ میں وہ سب احتمال بھی ہے جو تم امام رازی نے نقل کیے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی رُوح کو منتقل کیا ہو ساجد سے ساجد کی طرف جیسا کہ ہم رافضی کہتے ہیں اور جب ایت میں یہ سب احتمال ہیں تو ضروری ہے کہ ایت کا حمل تمام وجوہ پر کیا جائے اس میں نہ کوئی منافات ہے اور نہ کسی کی ترجیح اور حدیث جو رافضیوں کی دلیل ہے یہ ہے کہ نبی علیہ السّلام نے فرمایا کہ میں پاک پُشتوں سے پاک رحموں میں ہوتا ہوا آیا ہوں اور کافر تو نجس ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مشرک نجس ہیں۔

رافضی کہتے ہیں کہ اگر تم ہمارے اس مذہب کی خرابی پر اللہ تعالیٰ کے قول ''اذقال ابراهیم لابیه آزر'' سے دلیل پکڑو کہ ابراہیم کا باپ مشرک تھا لہٰذا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا میں وہ آتا ہے ہم رافضی کہتے ہیں کہ اس کا جواب یہ ہے کہ لفظ اب کا اطلاق چچا پر ہوتا ہے جیسا کہ یعقوب علیہ السلام کی اولاد نے آپ سے کہا تھا کہ ہم آپ اور آپ

کے آباءِ ابراہیم واسماعیل اور اسحاق کے معبود کی عبادت کریں گے باوجودکہ اسماعیل آپ کے چچا ہیں پھر ان کو اَب کہا گیا ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی فرمایا تھا کہ میرے اَب کو میری طرف لوٹالاؤ یعنی حضرت عباس کو اور یہ بھی احتمال ہے کہ بت پرست ابراہیم کے نانا ہوں کیونکہ نانا کو بھی اب کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ابراہیم کی اولاد سے داؤد سلیمان یہاں تک کہ عیسیٰ کا ذکر فرمایا عیسیٰ کو ابراہیم کی اولاد میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ حضرت عیسیٰ کے ابراہیم نانا ہیں۔

یہاں تک رافضیوں کے دلائل کا ذکر تھا اس کے بعد امام رازی ان کا ردّ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

ہماری دلیل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تمام باپ دادا ایمان دار نہ تھے کے متعلق اللہ تعالیٰ کا قول لا بیہ آزر یعنی کہا۔ یہ باپ آزر سے ہے اور جو انہوں رافضیوں نے ذکر کیا ہے اس میں قرآن مجید کے لفظ کو اپنے ظاہری معنوں سے پھیرنا ہے الفاظ اپنے ظاہری معنوں سے اس وقت پھیرے جاتے ہیں جب کوئی مجبوری ہو اور یہاں کوئی مجبوری نہیں اور آیت وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِينَ کا تمام وجوہ پر حمل جائز نہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے کہ لفظ مشرک کا حمل اس کے تمام معنوں پر جائز نہیں باقی رہا حدیث سے استدلال سو خبر واحد قرآن کے معارض نہیں ہو سکتی۔

﴿بلفظہٖ صفحہ ۹۴ تا ۹۷﴾

متن یہ ہے۔

واعلم ان الرافضه ذهبوا الی ان آباء النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم کا نوا مومنین و تمسکوا فی ذالك بهذه الاٰیة و بالخبر اما هذه الآیة فقا لوا قوله تعالیٰ وتقلبك فی السا جدین تحتمل الوجوه التی ذکر تم ویحتمل ان یکون المراد ان اللّٰه تعالیٰ نقل روحه من ساجد الی سا جد کما نقو له نحن و اذا احتمل کل هذه الو جوه و جب حمل آلا ئة علی کلکل ضرورته انه لا منا فاة ولا رجحان و اما الخبر فقو له علیه السلام لم ازل انقل من اصلاب الطا هرین ابی ارحام الا طاهرات و کل من کان کا فرا فهو نجس لقوله تعالٰی انما المشر کون نجس قا لو ا ان تمسکتم علی فاد هذا لمذ هب بقو له تعالیٰ را ذا قال ابراهیم لا بیه آزر قلنا الجواب عنه ان لفظ الا ب قد یطلق علی عم کما قال ابناء یعقوب له نعبد الٰهك واله آبائك ابراهیم و اسما عیل و اسحاق فسمو ا اسما عیل ابا له مع انه کان عما له وقال علیه السلام ردو اعلیٰ ابی یعنی العباس و تحیمل ایضا ان یکون متخذ الا صنام اب امه فان هذا قد یقال له الا ب قال تعالیٰ و من ذر یته دا ؤد و سلیمان الی قو له عیسٰی فجعل عیسیٰ من ذریته ابراهیم مع ان ابرا هیم کان جده من قبل الام واعلم انا نمسك بقوله تعالیٰ لا بیه آزرو ما ذکر وه صرف اللفظ عن ظا هر ه و انا حمل قوله وتقلبك فی السا جدین علی جمیع الوجوه فغیر جا ئز لما بینا ان حمل المشترك علی کل معانیه غیر جائز و اما الحدیث فهو خبر واحد فلا یعارض القرآن

﴿تفسیر کبیر جلد ۱۳ ص ۵۳۸﴾

ماقبل و مابعد

امام رازی کی عربی تحریر اور ایک تنکے کا اردو ترجمہ بلفظہ ہدیہ قارئین کر دیا گیا ہے اس پر مختصر تبصرہ ہم بھی کریں گے بہرحال ایک تنکے نے اس عظیم کاروائی سے ماقبل اور مابعد ہماری کتاب پر حق تبصرہ اس طرح ادا کیا ہے۔

ماقبل اس کے بعد مؤلف صاحب تفسیر کبیر کی عبارت نقل کرنے میں وہ کمال دکھایا ہے کہ ابلیس بھی مارے شرم کے منہ چھپاتا پھرتا ہے امام فخر الدّین رازی نے اس مقام پر رافضیوں کا عقیدہ اور ان کے دلائل ذکر کر کے بعد میں ان کا رد کیا ہے مؤلف صاحب نے رافضیوں کی باتوں کو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگا دیا ہے۔

﴿ص ۹۳﴾

مابعد! یہ تھی امام فخر الدین رازی کی تفسیر کی پوری بحث لیکن مؤلف نے از روئے خیانت پوری عبارت میں سے صرف خط کشیدہ عبارت ہی نقل کی ہے اور حوالہ دیا ہے تفسیر کبیر کا ۲۴۔۱۷۴ یعنی تفسیر کبیر کی چوبیسویں جلد اور صفحہ ۱۷۴ خدا جانے یہ تفسیر کبیر کا کون سا نسخہ ہے اس کی اتنی جلدیں ہیں۔

﴿ص ۹۷﴾

عبارت یہ تھی

ایک تنکے کا ہماری پیش کردہ عبارت پر تبصرہ ختم ہوا اب وہ عبارت ملاحظہ فرمائیں جس پر اس نے خط تنسیخ پھیرنے کی کوشش کی ہے۔

مراد یہ ہے کہ تحقیق اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رُوح مبارک کو سجدہ کرنے وَالے سے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل فرمایا جیسا کہ نقل کیا ہے اور جب تمام وجوہ کا اِحتمال اور آیت کا محمول لازم ہے تو ہم نے ضرورت کے مطابق نقل کیا اور بے شک اس میں نہ تو منافات ہے اور نہ مرجوح،

مگر حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد کے مطابق کہ ہم اصلابِ طاہرین سے اَرحامِ طاہرین کی طرف منتقل ہوتے رہے اور تمام کافروں کے لئے ہے کہ پس وہ نجس ہیں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق کہ بے شک مُشرکین ناپاک ہیں پس واجب ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اَجداد سے ایک بھی مشرک نہ ہو متن ہے۔

ویحتمل ان یکون المراد ان اللّٰہ تعالٰی نقل روحہ من ساجد الی ساجد کما نقولہ انجن واذا احتمل کل ھذہ الوجوہ وجب حمل الاٰیۃ علی نقلنا ضرورۃ انہ لا منافاۃ ولا رحجان واما الخبر بقولہ علیہ السلام لم ازل انقل من اصلاب الطاھرین الی ارحام

الطاھرات وکل من کافر فھو نجس لقولہ تعالٰی انما

المشرکون نجس فوجب ان لا یکون احد من

اجدادہ مشرکاء

﴿مسالک الحنفاء ص ۱۲ تفسیر کبیر جز ۲۴ ص ۱۷۴﴾

سیوطی رحمۃ اللہ علیہ یا تنکا

ایک تنکا امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کا نام استعمال کرتے وقت اکثر طور پر یوں آغاز کرتا ہے سردارِ دین زعیمِ ملّت خاتمِ حفاظِ مصر سیّدی جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

مگر جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد الکرام کے مومن ہونے کے متعلق موصوف کے دلائل پیش کئے جاتے ہیں تو نہ وہ دین کے سردار رہتے ہیں اور نہ ہی زعیمِ ملّت نہ ہی خاتمِ حفاظِ مصر کا اعزاز محفوظ رہتا ہے اور نہ ہی اس پر ان کی سرداری قائم رہتی ہے بلکہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ حضور سیدِ عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے والدین کریمین و دیگر آباؤ اجداد رضی اللہ تعالٰی عنہم کا مومن ہونا باقاعدہ طور پر ثابت کرنے والے یہی سردار دین اور زعیمِ ملّت ہیں بالواسطہ طور پر انہیں خائن وغیرہ کہنے کی شرمناک جسارت کا مرتکب ہونے سے بھی باز نہیں آیا۔

بہر حال! ایک تنکے کا ناقابلِ فہم اور مُہمل ترین وہ ترجمہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں جو اس نے امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارت کا کیا ہے اب سیّدنا امام

جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات پر وہ واضح ترین تشریح ملاحظہ فرمائیں جس کا کچھ حصہ ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ترجمہ سے پہلے متن پیش خدمت ہے۔

خائن کون؟

المسلك الثانى انهما لم يثبت عنهما شرك بل كانا على الحنفية دين جد هما ابرا هيم عليه السلام كما كان على ذلك الطا ئفة من العر ب كز يد بن عمرو بن نفيل وورقة بن نو فل وغير هما و هذا لمسلك ذهبت اليه طائفة منهم الا مام فخر الدين الرا زى فقال فى كتابه اسرار التنز يل ما نصه اقيل ان آزر لم يكن والد ابراهيم بل كان عمه و ا حتجوا عليه بوجوه منها ان آبا الا نبياء ما كا نو اكفا راً و يد ل عليه وجوه منها قوله تعالى الذى يراك حين تقو م وتقلبك فى الساجدين "قيل معناه انه كان ينقل نوره من سا جد الىٰ سا جد و بهذا التقدير فا لا ية دا لة على ان جميع آباء محمد صلى الله عليه وآله وسلم كانوا مسلمين و حينئذ يجب القطع ان والد ابراهيم ما كان من الكافرين انما ذاك عمه اقصى ما فى الباب ان يحمل قوله تعالىٰ ﴿ وَتَقَلُّبَكَ فِيْ السَّا جِدِيْنَ ﴾ على وجوه اخرى و اذا وردت الروايات بالكل ولا منافاة بينها وجب حمل الآية على الكل ومتى صح ذلك ثبت ان والد ابرهيم ما كان من عبدة الاوثان ثم قال ، ومما يدل على ان آباء محمد صلى الله عليه وآله وسلم ما كانوا مشر كين قوله عليه

ترجمہ غور سے پڑھیں

دوسرا مسلک یہ ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد کا مشرک ہونا ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ اپنے جدِ امجد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین حنیف پر تھے جیسے کہ عرب کا ایک گروہ جن میں زید بن عمرو بن نفیل ورقہ بن نوفل اور ان کے علاوہ دوسرے لوگ ابراہیم خلیل علیہ السلام کے دین پر تھے۔

اور یہ مسلک ایک جماعت کا ہے جس میں امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ ہیں اور انہوں نے اپنی کتاب "اسرار التنزیل" میں یہ نص بیان کی ہے کہ

السلام ! لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات ، وقال تعالىٰ ﴿ انما المشركون نجس ﴾ فوجب ان لا يكون احد من اجداد مشركا۔

هذا كلام الامام فخر الدين بحروفه۔ وناهيك به امامة و جلالة فانه امام اهل السنة فى زمانه والقائم بالرد على من فرق المبتدعة فى وقته والناصر لمذهب الاشاعرة فى عصره وهو العالم المبعوث على راس المائة السادسة ليجدد هذه الامة امر دينها ـ وعندى فى نصرة هذا المسلك وما ذهب اليه الامام فخر الدين امور،

﴿مسالک الحنفاء جلد دوم ص ۱۰﴾

کہتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کا باپ نہیں بلکہ چچا تھا اور وہ اس پر متعدد وجوہ سے حجت قائم کرتے ہیں اور ان میں سے ایک وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے والدین کافر نہیں تھے اور اس امر پر بھی وہ متعدد وجوہ سے استدلال قائم کرتے ہیں اور ان میں سے اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک یہ ارشاد ہے کہ اللہ تمہارا ساجدین میں پھرنا دیکھ رہا ہے۔

فرمایا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ بے شک آپ کا نُور ایک سجدہ کرنے والے سے دوسرے سجدہ کرنے والے کی طرف منتقل ہوتا رہا اور بریں تقدیر یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے تمام تر آباؤ اجداد مومن تھے اور اس سے لازم آتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی ہرگز کافروں میں سے نہیں تھے اور بیشک وہ آپ کے چچا کے لئے ہے جو کچھ کفر کے باب میں بیان کیا جاتا ہے۔

اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد وَتَقَلُّبَكَ فِي السَّاجِدِيْنَ دوسری وجہ پر بھی محمول ہوتا ہے اور جب ہر ایک وجہ سے روایات وارد ہوئی ہیں تو ان میں کوئی منافات بھی نہیں تو ضروری ہے کہ اس آیتِ کریمہ کو تمام تر وجوہ پر محمول کیا جائے اور یہ صحت کے ساتھ ثابت ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد گرامی اوثان کی عبادت کرنے والوں میں سے نہیں تھے۔

پھر فرمایا کہ حضرت محمد مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آباء الکرام کے مشرک نہ ہونے پر آپ کا یہ ارشاد بھی دلالت کرتا ہے کہ ہم ہمیشہ پاکیزہ

اصلاب سے پاکیزہ ارحام کی طرف منتقل ہوتے رہے ہیں جب کہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ مُشرک ناپاک محض ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے آباؤ اجداد الکرام سے ایک بھی مشرک نہ ہو یہ کلام بلفظہٖ حضرت امام فخر الدین رازی کا ہے۔

اور ان کی امامت وجلالت تجھے اس کے برعکس سوچنے سے روکتی ہے کیونکہ وہ اپنے زمانہ میں اہلِ سنّت کے امام تھے اور اپنے وقت میں بدعتی فرقوں کی تردید کرتے تھے اور اپنے زمانہ میں مذہب اشاعرہ کے مددگار تھے اور عالم تھے اور اس اُمّت کے دینی امور میں چھٹی صدی ہجری کے مجدّد کی حیثیت سے مبعوث ہوئے اور میرے نزدیک امام فخر الدین رازی کا ان امور کو اپنانا اس مسلک کی امداد ونصرت کرنے کے مترادف ہے۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے

امام فخر الدین رازی کے عقیدہ کے متعلق امام جلال الدّین سیوطی کی کتاب مسالك الحنفا کی پوری عبارت ہدیہ قارئین کردی گئی ہے۔

مذکورہ کتاب امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے حضور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین اور آباؤ اجداد الکرام کے ایمان کے اثبات میں تحریر فرمائی ہے اور امام فخر الدّین رازی رحمۃ اللہ علیہ کی عبارات کو اپنے حق میں پیش کرتے ہوئے ان کی جلالتِ علمی کو بھی خراج عقیدت پیش کیا

ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ان تحریروں کو امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی عقیدہ کے طور پر پیش کرتے ہیں جب کہ ایک تنکے نے انہی عبارات کے ترجمہ کو چیستان بناتے ہوئے یہ ثابت کرنے کی ناکام کوشش کی ہے کہ امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے ان میں اپنا نہیں بلکہ رافضیوں کا عقیدہ بیان کیا ہے اور ترجمہ کرتے وقت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ کے الفاظ کو توڑتے مروڑتے وقت جگہ جگہ قوسین کا سہارا لے کر لکھتا چلا گیا ہے کہ ہم رافضی کہتے ہیں ہم رافضیوں کا یہ عقیدہ ہے ہم رافضی یہ دلیل دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ اور پھر اس بے حیائی اور ڈھٹائی کا مظاہرہ مکمل کرنے کے لئے ترجمہ کی خیانت ہمارے ذمہ لگا دی گئی ہے۔

بہرکیف! ایک تنکا بریلویت کے لبادے میں چھپا ہوا خارجی ہے اور وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء کرام کو ہرگز مومن نہیں سمجھتا بلکہ جن بزرگان دین وملت نے ان کے ایمان کا اثبات کیا ہے انہیں بھی وہ رافضی قرار دیتا ہے چنانچہ موجودہ دور کے خوارج کی طرح مختلف عبارات پیش کرنے کے بعد اپنے عقیدہ کا اظہار اس نے ان الفاظ میں کیا ہے۔

رافضیوں کا کام

مندرجہ ذیل تحریروں سے ثابت ہوا کہ اس آیت وَتَقَلُّبَكَ فِي

السّاجدین سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادوں کے ایمان پر استدلال پکڑنا رافضیوں کا ہی کام ہے۔

اور اہلسنت کے نزدیک وہی بات صحیح تر ہے جو عارف صاوی اور علامہ سلیمان جمل رحمۃ اللہ علیہما نے فرمائی ہے کہ جب یہ نور مبارک کا تعلق ان اصلاب وارحام سے رہا ان کا پاکیزہ رہنا لازم تھا لیکن جب یہ نور پاک ان سے منتقل ہو گیا بعد میں کفر و شرک سے ملوث ہونے سے کوئی چیز بھی مانع نہ تھی۔

اور ہمارا یہ مشاہدہ ہے کہ جو جگہ کسی معزز مہمان کے ٹھہرانے کے لئے تجویز کی جاتی ہے اسے مہمان کے آنے سے پہلے اور مہمان کی موجودگی تک صاف ستھرا لازمی طور پر رکھا جاتا ہے۔

لیکن جب وہ مہمان وہاں ٹھہرنے کے بعد چلا جائے پھر اس جگہ کی ستھرائی میں فرق آنے سے کوئی بھی مانع نہیں۔

﴿کتاب مذکورہ ص ۱۰۱﴾

افسوس ناک بات

ہم نے اپنی کتاب والدین رسول الثقلین میں نہایت وضاحت کے ساتھ اس تحریر کا رد و بطلان کر دیا ہے تاہم نہایت افسوس ناک بات یہ ہے کہ

ہمارے ان کرم فرماؤں نے بھی اس کتاب کو اپنی دُکان کی زینت بنا رکھا ہے جن کا دعویٰ ہے کہ ہم اپنی دوکان میں اس کتاب کو قطعی طور پر داخل نہیں ہونے دیتے جو اعلیٰ حضرت کے مسلک پر پوری نہ اُترتی ہو اور ان اصحاب احتیاط نے بھی بریلوی حضرات کو اپنے جریدہ میں اس کتاب کے پڑھنے کی ترغیب دی ہے جو فی الواقع اعلیٰ حضرتؒ کے مسلک پر سختی سے قائم ہیں۔

ہوسکتا ہے انہوں نے یہ کتاب پڑھے بغیر ہی محض اس وجہ سے قبول کر لی ہو کہ اس میں ایمان ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نفی کی گئی ہے مگر بغیر مضامین کو ایک نظر دیکھے تبصرہ کر دینا بھی افسوس ناک فعل ہے۔

حضرت عبدالمطلب کا دین

یہ روایات پیش کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس کی گئی کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کے خلاف جانے والی روایات میں یہ الفاظ آپ پڑھ ہی چکے ہیں کہ میں دینِ عبدالمطلب پر انتقال کر رہا ہوں اب آپ ملاحظہ فرمائیں گے کہ دین عبدالمطلب کیا ہے۔

تمام تر کتب تفاسیر و احادیث اور تواریخ و سیر میں بالاتفاق یہ واقعہ مرقوم ہے کہ جب عیسائی بادشاہ ابرہہ اپنے عبادت کدہ کا انتقام لینے کے لئے کعبہ مشرفہ کو مسمار کرنے کی غرض سے مکہ مکرمہ پر چڑھائی کر کے آیا تو اس کی فوج نے چراگاہ میں چرتے ہوئے حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے اونٹ

پکڑ لئے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے وادیٔ محصر میں جو کہ شہر کے قریب ہے جا کر ابرہہ سے ملاقات کی اور اپنے اونٹوں کا مطالبہ کیا۔

ابرہہ نہایت تعظیم سے پیش آیا اور کہنے لگا کہ آپ اونٹوں کی واپسی کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن اُس گھر کی کوئی فکر نہیں جس کی وجہ سے آپ لوگوں کی دنیا بھر میں عزت ہے۔

جبکہ میں اسے مسمار کرنے کی غرض سے آیا ہوں۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں یہ نہیں فرمایا کہ ہم بڑے جنگجو ہیں اور ہم تمہارے ہاتھیوں کا مقابلہ کریں گے۔

یہ بھی نہیں فرمایا کہ حرمِ محترم میں تین سو ساٹھ خداؤں کا راج ہے وہ تمہیں فناء کر دیں گے۔

بلکہ آپ کا سُنہری حرفوں سے لکھا جانے والا تاریخی جملہ یہ تھا۔

کہ ابرہہ اُونٹ میرے ہیں یہ مجھے واپس کر دو اور یہ گھر خداوندِ قدّوس کا ہے اس کی حفاظت وہ خود فرمائے گا۔

ابرہہ نے یہ کفر شکن اور ایمان افروز جملہ سنا تو اُونٹ واپس کر دیئے۔

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ واپس آ کر بارگاہِ خداوندی میں یُوں عرض پرواز ہوتے ہیں کہ یا اِلٰہ العالمین اب اپنے گھر کی تو ہی

حفاظت فرمانے والا ہے۔

آپ کے قلب صادق سے نکلی ہوئی دُعا فوراً باب اجابت سے ٹکرائی اور یُوں شرف قبولیت کو پہنچی کہ جس کی گواہی قرآن دیتا ہے۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِأَصْحٰبِ الْفِيْلِ ○ اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِيْ تَضْلِيْلٍ ○ وَّاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيْلَ ○ تَرْمِيْهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيْلٍ ○ فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُوْلٍ ○

﴿سورۃ الفیل قرآن مجید﴾

اُے محبوب کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ تُمھارے رَب نے اُن ہاتھی والوں کا کیا حال کیا

کیا ان کے مکر کو تباہی میں نہیں ڈالا ؟اور ان پر پرندوں کے غول بھیجے کہ ان کو کنکر کے پتھروں سے مارتے تھے پس انھیں مانند کھائے ہوئے بھس کے کر دیا۔

اندازہ فرمائیے کہ یہ کسی مشرک اور بُت پرست کی دعا کا اثر ہو سکتا ہے کیا یہ لاؤلشکر ابرہہ کے ہاتھیوں پر لات منات اور ہُبل وعُزیٰ جیسے بتوں نے مسلّط کیے تھے۔

ہرگز نہیں یہ دُعا خدائے وحدہٗ لاشریک کے حضور میں کی گئی تھی اور اسی خدائے وحدہٗ قہار وجبار نے ابرہہ کے لشکر کا صفایا کیا تھا اور اسی نے اس

دُعا کو شرف قبولیت دیکر اپنے گھر کی حُرمت کو محفوظ فرمایا تھا۔

یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ حضرت عبد المطلب رضی اللہ عنہ کعبے کو بچانے کیلئے استمداد تو بتوں سے کریں اور ابابیل اللہ تبارک وتعالیٰ بھیج دے۔

اصحابِ فیل

سیرت ابنِ ہشام اور مواہب اللّدنیہ وغیرہ ثقہ کتب سِیَر میں ہے کہ جب یمن کے بادشاہ اصحمۃ النجاشی کی طرف سے ابرہہ انہدام کعبہ کے لئے مکہ معظمہ زاداللہ شرفہا پر فوج کشی کرنے آیا تو جناب عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو کہ متولی کعبہ اور سردار قریش تھے نے قریش کو بلا کر ارشاد فرمایا۔

اے گروہ قریش تم لوگ کسی بھی قسم کی گھبراہٹ کا اظہار مت کرو کیونکہ ابرہہ کسی بھی صورت میں بیت اللہ شریف تک رسائی حاصل نہیں کر سکے گا کیونکہ اس گھر کا ربّ وہ ربِّ عظیم ہے جو خُود ہی اس کی حفاظت فرماتا ہے۔

اسی اثناء میں لوگوں نے حضرت عبد المُطّلب کی خدمت میں یہ اطلاع پیش کی کہ ابرہہ اور اس کے ساتھی قُریش کے اُونٹ اور بکریاں چراگاہوں سے گھیر کر لے گئے ہیں ان جانوروں میں حضرت عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اپنے بھی چار صد اُونٹ تھے جنہیں ابرہہ نے پکڑ کر

قبضہ میں لے لیا تھا۔

بہر حال! جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بغیر کسی قسم کے اضطراب و اضطرار کا اظہار کیئے قریش کے کچھ لوگوں کو ساتھ لیا اور سواریوں پر بیٹھ کر کوہ ثبیر پر تشریف لے گئے۔

ہالہ نورِ مصطفٰے

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جبلِ ثبیر کی چوٹی پر پہنچے تو اچانک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نورِ مقدس نے ان کی پیشانی انور کے گرداگرد ہلالِ نور کی طرح ہالہ کھینچ دیا اور یہ دائرہ نورِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس قدر تابندہ اور درخشندہ تھا کہ اس سے آفتاب کی طرح تیز تر شعاع نکلتی اور بیت اللہ شریف پر جا کر مرتکز ہو جاتی رسالت کے نور کی شعاع کو کعبۃ اللہ پر جا کر رکتے دیکھا تو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے قریش کو مخاطب کر کے فرمایا !اے گروہ قریش اب تم لوگو بالکل ہی بے فکر ہو کر واپس لوٹ جاؤ کیونکہ تمہارے لئے آسانیاں پیدا کر دی گئی ہیں خدا کی قسم مجھ سے نکلنے والے جس نور نے میری پیشانی کے گرد دائرہ کھینچا ہے اس کا واضح ترین مطلب یہ ہے کہ ہم فتح مند اور ظفریاب ہوں گے۔

جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی اور اُس سے نکلنے والے نور کا مشاہدہ کرنے کے بعد جب قریش نے یہ نوید سُنی کہ انہیں واپسی

کی اجازت مل گئی ہے تو وہ فوراً ہی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر واپس پلٹ آئے۔

دُوسری طرف ابرہہ نے اس منظر کو دیکھا تو خیال کیا کہ شائد اہلِ قریش لشکر جمع کر رہے ہیں اس نے ایک شخص کو صُورتِ حال معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔

ابرہہ کا فرستادہ شخص جب سیدّنا عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے آیا تو اس کی نظر آپ کے چہرۂ انور پر پڑ گئی جبینِ عبدالمُطّلب رضی اللہ عنہ سے نکلنے والی نورِ رسالت کی شُعاع آنکھوں کے راستے براہِ راست اس کے دل تک اُترتی چلی گئی اور پھر اس شخص کی زبان لڑکھڑانے لگی اور وہ کانپتا ہوا گر کر بے ہوش ہو گیا اور اس کے گلے سے عالمِ بے ہوشی میں اس قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں جیسے ذبح ہوتا ہوا بیل ڈکراتا ہے۔

کچھ دیر بعد جب اس شخص کو ہوش آیا تو وہ کانپتا ہوا پیشانیِ عبدالمطّلب رضی اللہ عنہ میں درخشندہ نورِ اقدس کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا اور جناب عبدالمطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مخاطب کر کے عرض پرداز ہوا کہ،

میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اہلِ قریش کے برحق سردار اور سیّد ہیں

سرکش ہاتھی؟

اُصحابِ فیل کے واقعات میں جناب عبدالمطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے ساتھ پیش آنے والا یہ واقعہ بھی ثقہ ترین کتابوں میں مذکور ہے کہ جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ابرہہ کے پاس تشریف لے گئے تو ابرہہ نے ایک فیل بان کو بلا کر حکم دیا کہ اس بڑے ہاتھی کو لایا جائے جو مجھے سجدہ نہیں کرتا۔

یاد رہے کہ ابرہہ بادشاہ کے لئے فیل بانوں نے ہاتھی سدھار کھے تھے کہ وہ جب اس کے سامنے آئیں تو اُسے جھک کر سلامی دیں یا سجدہ کریں مگر ایک ایسا عظیم ہاتھی بھی اس کے پاس تھا جو کسی بھی صورت میں ابرہہ کے سامنے جھکنے پر آمادہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔

ابرہہ نے اُسی ہاتھی کو حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے پیش کر کے تماشا دیکھنا چاہا تھا مگر ابرہہ کی بدقسمتی تو اس کے کندھوں پر سوار ہو کر اس کے ساتھ ہی آئی تھی۔

سجدہ سلام

چنانچہ متذکرہ بالا ہاتھی جب سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے لایا گیا اور اس نے ایک نظر آپ کے رخ انور پر ڈالی تو پہلے تو آپ کے سامنے اس طرح چار زانو ہو کر بیٹھ گیا جس طرح اُونٹ بیٹھ جاتا ہے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے آپ کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔

مواہب اللدنیہ اور زرقانی وغیرہ میں ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے

اس ہاتھی کو قوتِ گویائی بھی عطا فرمادی تھی چنانچہ سیّدنا عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہوئے اس نے پکار کر کہا یا عبدالمُطّلب سلام ہو آپ کی صلبِ انور میں چمکنے والے نُور پر،

ایسے ہی کتاب نطق المفھوم میں ہے کہ جب اَبرہہ کا لشکر مکّہ معظمہ زاداللہ شرفہا میں کعبہ معظمہ کو منہدم کرنے کے لئے شہر میں داخل ہونے لگا تو ان کے ساتھ جو سب سے عظیم ہاتھی تھا اس نے آگے بڑھنے سے انکار کردیا اور ایک جگہ بیٹھ گیا اَبرہہ کے ایماء پر فیل بانوں نے اسے اُٹھانے کے لئے ہر حربہ آزمایا مگر انہیں کسی بھی صورت میں کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔

وہ ہاتھی لشکریوں کی طرف سے برسائی جانے والی شدید ترین ضربات برداشت کرتا رہا لیکن اپنی جگہ سے ٹس سے مَس نہ ہوا۔

پھر ان لوگوں نے اس کا رُخ تبدیل کرنے کی کوشش کی تو نہایت آسانی سے کامیاب ہوگئے چنانچہ اس خیال سے اس کا منہ واپس یمن یا شام کی طرف کرکے دوڑایا کہ ابھی پلٹ کر اس طرف حملہ آور ہوگا مگر واپس پلٹنے کی بجائے وہ ہاتھی شام اور یمن کی طرف جانے والی راہوں پر دوڑتا چلا گیا۔

اس کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ مجدہٗ الکریم نے دریا پر سے ابابیلوں کو حکم فرمایا کہ وہ ابرہہ کے لشکر پر بمباری کریں چنانچہ چڑیوں کی مانند چھوٹے چھوٹے جانور اَبابیل اللہ تبارک وتعالیٰ کے حکم سے اُڑتے ہوئے آئے ان میں سے ہر ایک نے دو کنکریاں دونوں پنجوں میں ایک کنکر چونچ

میں پکڑ رکھی تھی آتے ہی انہوں نے یہ مسور کے دانہ کے برابر کنکریاں ابرہہ کے لشکر پر برسانی شروع کر دیں اور پھر جس شخص پر بھی وہ پتھر کا ٹکڑا گرتا اسے موت سے ہم کنار کر دیتا یہ حالت دیکھی تو بچا کھچا لشکر بھاگ کھڑا ہوا مگر ہر شخص راستہ ہی میں ٹھوکر کھا کر گرتا اور ہلاک ہو جاتا۔

اَبرہہ کا لشکر تو یوں تباہ و برباد ہو کر ختم ہو گیا اور اَبرہہ کا اپنا یہ عالم ہوا کہ اسے چیچک کی بیماری لاحق ہو گئی اور اس بیماری نے اس کے تمام جسم کو ناسور بنا دیا پہلے تو اس کی انگلیاں گل سڑ گئیں اور ایک ایک کر کے سب کی سب گرتی چلی گئیں پھر اس کے جسم سے مختلف قسموں کا خون بہنے لگا حتیٰ کہ اس کا دل پھٹ گیا۔

قرآن مجید میں یہ واقعہ اجمالی طور پر سورۃ الفیل میں موجود ہے جس کی پہلی آئت ہے اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِيْلِ، بہرکیف! بتانا یہ تھا جس ابرہہ کے ساتھ مقابلہ کرنے کی تمام عرب میں قوت نہ تھی اس ابرہہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیشانی میں چمکنے والے نُور کی برکت سے ابابیلوں جیسے ننھے پرندوں سے ہلاک کرا دیا اور اس واقعہ سے اس اَمر کی بھی خاص طور پر وضاحت ہو جاتی ہے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی صُلبِ انور اور پیشانیِ اقدس میں چمکنے والے اس نور عظیم کی معرفت پُورے طور پر حاصل تھی یہی وجہ تھی کہ آپ نے قریش کو فرما دیا کہ تم لوگ بالکل بے فکر ہو جاؤ ہم انشاءاللہ فتح یاب اور ظفر

مند ہوں گے۔

گمشدہ زم زم

مشہور معتبر تواریخ و سیر میں ہے کہ بنو جرہم کی زیادتیوں کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ نے زم زم کے اصل مقام کو لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ کر دیا جس کی وجہ سے دیر تک لوگ اللہ تبارک وتعالیٰ کی اس نعمتِ عظیمہ وجلیلہ سے محروم رہے جسے آب زم زم سے یاد کیا جاتا ہے۔

معتبر کتب تواریخ و سیر کے مطابق زم زم شریف کے دوبارہ حاصل ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ایک رات جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے جدِ امجد سیدّنا عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے خواب میں دیکھا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے چاہِ زم زم کے درمیان جس قدر حجابات حائل تھے سب کے سب اُٹھا دیئے ہیں اور آپ ان تمام علامات کا مشاہدہ کر رہے ہیں جن سے اس مقدّس کنویں کی نشان دہی ہوتی تھی۔

چنانچہ جب آپ بیدار ہوئے تو خواب کا تمام واقعہ بھی آپ کو من و عن یاد تھا اور وہ علامات بھی آپ کی نگاہوں کے سامنے تھیں جن کے سہارے گمشدہ زم زم کو دوبارہ تلاش کیا جا سکتا تھا۔

جناب عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے اس خواب مُبارک کی صداقت پر اس قدر یقین اور اعتماد تھا کہ آپ نے اپنے ذہن میں پوشیدہ

نقشہ کے مطابق چاہِ زم زم کی تلاش شروع کردی بعض وجوہ کی بناء پر جن کا تذکرہ ہم کسی دوسرے مقام پر کریں گے قریش نے جناب عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو زم زم کے مقام کو کھودنے سے منع کیا اور بعض نے سخت تکلیف پہنچائی۔

اس دوران میں جناب عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صرف ایک ہی بیٹے جناب حارث بن عبدالمطلب موجود تھے چنانچہ دونوں باپ بیٹا مخالفین سے بھی عہدہ برآ ہوتے رہے اور اپنا کام بھی کرتے رہے۔

چنانچہ عددی قوت کی اس کمی کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا کہ الٰہی! اگر تو مجھے ایسے دس بیٹے عطا فرمائے جو میرے مددگار بھی ہوں تو میں ان میں سے ایک بیٹا تیری نذر کروں گا۔

ادھر جناب عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دس میں سے ایک بیٹا راہِ خدا پر دینے کی منت مان لی اور ادھر اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی آزمائش کا دَور ختم کردیا کیونکہ آپ نے خواب میں دیکھی ہوئی علامات کو سامنے رکھتے ہوئے قریش کی سختیوں کے باوجود بالآخر چاہِ زم زم کو ڈھونڈ نکالا اور جب لوگوں کو معلوم ہوا کہ آپ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے ہیں تو ان کے سر شرم وندامت سے جھک گئے۔

اور جناب عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ متولی کعبہ ہونے کے

ساتھ ساتھ ساقی حجاج کے اعزاز سے بھی معزز ہو گئے اور پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی وہ آرزو بھی پوری فرمادی کہ ان کے دس مددگار بیٹے ہوں۔

چنانچہ ایک وقت آیا کہ آپ کے سامنے درج ذیل دس بیٹے آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان فراہم کر رہے تھے حارث ، زبیر، حجل ،ضرار، مقوم، ابولہب ،عباس، حمزہ، ابوطالب، عبداللہ،

اِنتہائی توجہ طلب

قارئین خوب غور سے منقولا بالا واقعہ کا تجزیہ فرما کر فیصلہ کریں کہ کیا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بیٹوں کے لئے دعا خداوند وحدہ لاشریک کے حضور میں کی تھی یالات ومنات اور ہُبل وعزیٰ کے سامنے آپ کی یہ دُعا خداوند تعالیٰ نے منظور فرمائی تھی یا پتھر کے گھڑے ہوئے بتوں نے،

آپ نے دُعا قبول ہونے کی صُورت میں منّت پُوری کرتے ہوئے اپنے لختِ جگر سیدّنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اللہ تعالیٰ کے لئے قربان کرنا چاہا تھا یا اصنام کے لئے،

حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود کو ابن الذبیحین یعنی دو ذبیحوں کا بیٹا اللہ تعالیٰ کی راہ میں ذبح ہونے کی وجہ سے فرماتے تھے یا یہ شرف بتوں پر قربان ہونے سے حاصل ہوا تھا۔

ایک اور منظر ملاحظہ فرمایئے اور دیکھئے کہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی دعائیں کس طرح شرفِ قبولیت کو پہنچتی ہیں۔

بارش کی دُعا

مکہ معظمہ میں پانی کا قحط پڑ جاتا ہے لوگ انتہائی پریشانی اور سراسیمگی کے عالم میں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارگاہِ بیکس پناہ میں عرض مدعا کرتے ہیں۔

اگر حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ مشرک اور بت پرست ہوتے تو ان لوگوں کو ساتھ لے کر بتوں کے پاس جاتے اور ان کے آگے پیشانیاں رگڑ رگڑ کر بارش کی اِلتجا کرتے اور کہتے کہ اے ہمارے خداؤ ہم پر رحم کرو ہمیں بارش عطا کرو۔

بلکہ کفار و مشرکین مکہ نے تو ایک پتھر کا خدا محض اس لئے مخصوص کر رکھا تھا کہ وہ بارش برساتا ہے۔

آپ کو چاہیئے تھا کہ اس کے حضور میں جانور بھینٹ چڑھاتے اور رو رو کر اُس سے بارش طلب کرتے لیکن ایسا نہیں ہوا وہ اس طرف گئے ہی نہیں جہاں پتھر کے خود تراشیدہ خدا قطار اندر قطار ایستادہ تھے۔

آپ اُٹھتے ہیں کاندھے مبارک پر دونوں عالم کے تاجدار سیدہ آمنہ کے لال علیہ التحیۃ والثنا کو بٹھاتے ہیں اور کوہ ابوقبیس پر تشریف لے

جاتے ہیں اور خالقِ کائنات کے حضور میں بارش کا سوال کرتے ہیں دعا بابِ اجابت سے ٹکراتی ہے پردۂ غیب سے یکا یک بادل نمودار ہو کر آپس میں ٹکراتے ہیں اور بارش شروع ہو جاتی ہے۔

قام عبد المطلب ومعه رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم غلام قد ایفع او کرب فقال عبد المطلب اللهم ساد الخلة و کاشف الکربة انت عالم غیر معلم و مسول غیر منجل و هذہ عبد اوك و اما وك بعذ رات حر مك یشکون الیك سنتهم اذ هبت الخف والظلف واللهم فا مطرن غیث معذ قاو مر یعاً فما رامنوا حتیٰ انفجر ت السماء بما ئها و انطالوا دی بثجیجة فلسمعت شیخان قریش یقولون بعبد المطلب هنیا ابا البطحاء هنیاً ای عاش بك اهل البطحاء۔

﴿طبقات ابن سعد ص ۱۲۰ ج ۱﴾

﴿خصائص کبریٰ ص ۱۹۵ ج ۱﴾

حضرت عبد المُطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ مُحمّد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بچپن کی عمر میں تھے۔

پس کہا عبد المطلب نے یا اللہ تو ہی ہر مصیبت کو دور

فرمانے والا ہے۔

توعالم بغیر معلم کے اور سوال پورا فرمانے والا ہے بغیر بخل
کے۔اور یہ تیرے بندے ہیں اور تیری کنیزیں ہیں
تیرے حرم کے صحن میں تجھ سے قحط سالی کی شکایت
کرتے ہیں اونٹ گھوڑے ہلاک ہو رہے ہیں۔

اے اللہ ان پر نفع دینے والی بارش برسا وہاں لوگ
موجود ہی تھے کہ بادل پھٹا اور بارش شروع ہو گئی اور
تمام وادی پانی سے پر ہو گئی۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے قریش کے بوڑھوں سے سُنا
حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کہتے
تھے کہ اے ابا بطحا مبارک تمہاری وجہ سے آل بطحا
زندگی میں آ گئی ہے۔

توحیدِ باری تعالیٰ پر ایمان وایقان کا اِس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے کیا حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک ایک لفظ ان کے عقیدۂ توحید پر ہونے کا گواہ نہیں کیا اب بھی یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ وہ معاذ اللہ کافر و مشرک اور بُت پرست ہوں گے اگر یہ تصوّر کر لیا جائے کہ انہوں نے کسی بُت سے بارش مانگی ہو گی تو کیا بُتوں کی طاقت ہے کہ وہ بارش برسا سکیں ؟

صاف ظاہر ہے کہ یہ بُتوں کے بس کا روگ نہیں تھا یہ اس خدائے وَحدہٗ لاشریک کا کام ہے جس پر حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورا پورا ایمان تھا اور اس کی بندہ پروری پر پُورا پُورا اعتماد تھا کہ وہ میری اس دعا کو مُسترد نہیں فرمائے گا خداوند قدوس کی عطا وسخا اور اپنی دُعا کے مثبت اثرات کا انہیں اس قدر یقین تھا کہ وہ بغیر کسی اِضطراب اور پریشانی کے اُٹھے اور کوہ ابو قبیس پر تشریف لے گئے۔

اگرچہ ہمارے اعتقادیات میں یہ چیز موجود ہے کہ خدا تعالیٰ دعا کو ضرور قبول فرماتا ہے۔

لیکن حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا مستحکم ایمان ہم کو کب نصیب ہے اُن کے یقین و اعتماد کی بلندیاں ہمیں کہاں حاصل ہیں ان کے اعتقادِ راسخ تک ہماری کب رسائی ہے۔

اور یہ مضبوطی ایمان اس وقت عقیدۂ توحید اور ملتِ ابراہیمی سے تجاوز کر کے اقرارِ رسالت محمدیہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچ چکی ہے۔

یہی وجہ تھی کہ ابرہہ کی فوجوں کی آمد پر آپ اکیلے دُعا فرماتے ہیں لیکن اس وقت آپ کی آغوش میں وہ عظیم ہستی بھی ہے جس کے آخر الزّمان پیغمبر ہونے کا آپ کو پُورا پُورا یقین ہے۔

حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس پر اثر دُعا کا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پُورا پُورا پتہ تھا بلکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ ہی کیا

تمام مکہ والوں کو پتہ تھا۔

یہ کوئی معمولی واقعہ نہیں تھا جسے نظر انداز کیا جا سکتا یہ مکّہ والوں کی زندگی اور موت کا سوال تھا پانی کا قحط کوئی معمولی بات نہیں۔

قریشِ مکّہ نے اسے شدت سے محسوس کیا تھا اور جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کی دعا سے رحمتِ خداوندی کو جوش آ گیا اور خوب بارش ہوگئی تو مکہ معظمہ کے رہنے والوں نے حضرت عبدالمطّلب رضی اللہ عنہ کے حضور یوں نذرانہ عقیدت پیش کیا۔

هنيا ابا البطحا هنيا اى عاش بك اهل البطحا

یعنی اے بطحا کے چاند مُبارک ہو آپ وجہ سے اہلِ بطحا میں زندگی آ گئی ہے۔

چوتھا ثبوت بارش کی دُعا

حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عقیدۂ توحید پر ہونے کے اگر تمام تر واقعات کو ایک جگہ جمع کر دیا جائے تو سینکڑوں صفحات کی ضخیم کتاب بن سکتی ہے تاہم اس قسم کے مزید بیشمار واقعات سے روشناس ہونے کے لئے ہماری زیر طبع کتاب والدین رسول الثقلین کا مطالعہ بے حد مفید ہو گا۔ اس کتاب میں ہم اس مضمون کو دانستہ طور پر انتہائی مختصر کر رہے ہیں اس لئے کہ ہمارا مقصد یہ ہے کہ قارئین کی خدمت میں زیادہ ایسے واقعات پیش کئے جائیں جو براہ راست حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ذات والا صفات سے تعلق رکھتے ہوں حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بارش کے لئے دعا کے اثرات آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

اب آیئے اس دُعا کا مکمل نقشہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حیات آفرین دُعا میں ملاحظہ فرمایئے مکّہ معظمہ پر پھر ایک بار قحط مسلّط ہو جاتا ہے لیکن اب ابا بطحا حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ انتقال فرما چکے تھے لوگ پریشانی کے عالم میں سردار بطحا اور جانشین حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حضور میں بارش کے لئے مُلتجی ہوتے ہیں وہ باپ کی دعاؤں کا مشاہدہ کر چکے تھے اب بیٹے کی طرف نظریں تھیں قریش مکہ جانتے تھے کہ باپ کی وراثت حاصل کرنے والا بیٹا ابو طالب ہی اس آڑے وقت میں

ہماری مدد کر سکتا ہے اور وہ جانتے تھے کہ یہی وہ مُستجاب الدّعوات لوگ ہیں جو بُتوں کے بجائے کسی ایسے خُدا سے بارش طلب کرتے ہیں جو اِن کو مایوس نہیں فرماتا۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ باپ کے عقیدہ کو جانتے تھے وہ قُریشِ مکّہ سے بڑھ کر جانتے تھے کہ حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دعا کس سے مانگی تھی اور کس طرح مانگی تھی وہ باپ ہی کی طرح پُورے پُورے اعتماد و یقین کے ساتھ اُٹھتے ہیں رُخِ انور پر وہی ایمان کا تقدّس جلوہ افروز ہے اور سینے میں انہی تجلیات توحید کی نورانیت ہے اور گود میں وہی تاجدارِ دو عالم ہے جس کے وسیلہ سے باپ نے دعا مانگی تھی۔

بہر حال! حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی آنکھوں کے نور دل کے سرور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ساتھ لے کر حرم محترم میں تشریف لے آئے کعبے شریف میں بت رکھے ہوئے تھے اس لئے بجائے کعبے کی طرف رخ کرنے کے پشتِ انور کو کعبے سے لگایا اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی انگلی آسمان کی طرف اٹھادی اور وسیلۂ کائنات کو وسیلہ بنا کر خالقِ کائنات سے بارش طلب کرتے ہیں ملاحظہ ہو،

اخرجہ ابن عساکر عن جلھمۃ عرفۃ قال قدمت مکۃ وھم فی قحط فقالت قریش یا ابا طالب اقحط الوا دی واجدب العیال فھلم واستسق فخرج ابو طالب

و معه غلام كأنه شمس وجن تجلت عنه سحابة قتما
و حوله اغيلمة فاخذ ابو طالب فالصق ظهره با
لكعبة ولاذبا صبعه الغلام و ما في السماء قزعتفا
قبل السحاب من ها هنا و ها هنا واغدق و اغدوق
والفجر له الوادي اخصب البادي والنادي ففي ذالك
يقول ابا طالب

ابن عساکر جلہمۃ بن عرفتہ سے روایت کرتے ہیں اُنہوں
نے کہا کہ میں مکّہ میں آیا اور مکّہ والے قحط سالی میں مبتلا تھے
قریش نے کہا اے ابوطالب وادیٔ مکّہ انتہائی قحط زدہ ہے
پس تشریف لائیے اور بارش طلب کیجیے حضرت ابوطالب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان کے ساتھ آئے آپ کے ساتھ ایک
بچہ تھا گویا کہ سُورج کا ٹکڑا تھا جس سے شعاعیں نکل رہی تھی
اس کے گرداگرد چھوٹے بچے تھے۔

پس ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی پُشت کو کعبے کے
ساتھ ملایا اور اس خُوبصورت بچّے کی اُنگلی کو پکڑا حالانکہ
آسمان پر بادل کا کوئی ٹکڑا نہیں تھا یعنی مطلع بالکل صاف
تھا۔

یکا یک بادل اُدھر سے اُٹھا اِدھر آیا گرجا چمکا اور زور کی

بارش شروع ہو گئی جس سے شہر کے اندر اور باہر پانی ہی پانی ہو گیا۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا!

ابیض یستسقی الغمام بو جهه
ثمال الیتا میٰ عصمة لله را مل
یطیف بـه الهلاك من آل ها شم
فهم عنده فی نعمة و فواضل
کذ بتم و بیت اللّٰه نبزی محمد
ولما نطا عن حو لـه و ننا ضل
ونسلمـه حتیٰ نصر حولـه
ونذ هل عن ابنا ئنا والحلا ئل

﴿خصائص کبریٰ جلد اول ص ۲۱۴﴾

﴿الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ص ۹۱ ج ۱ مواہب الدنیہ ص ۳۵﴾

ترجمہ

آپ خوبصورت مکھڑے والے ہیں آپ کے چہرۂ انور کے وسیلہ سے بارش طلب کی جاتی ہے آپ یتیموں کی پرورش کرنیوالے ہیں اور بیواؤں کی جائے پناہ ہیں۔

آل ہاشم سے ہلاک ہونے والے آپ کے

ساتھ پناہ حاصل کرتے ہیں اور وہ آپ کے پاس نعمتوں اور آسائشوں میں ہیں۔

کب تک جلائیں آگ میں گلہائے آرزو
کب تک دِل و نگاہ کی شمعیں جلائیں ہم

کِسے کہتے کہاں جاتے

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مُشرک اور بُت پرست نہ ہونے کے متعلق یہی ایک واقعہ کیا کم ہے اور اس میں کتنے لطیف اور واضح اشارے ہیں ان کے عقیدۂ توحید پر ثابت قدم ہونے کے اگر خدانخواستہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مُشرک اور بُت پرست ہوتے تو وہ بارش برسانے والے صنم اکبر کے سامنے سَر بسجود ہوتے اس کے حضور میں بارش کی رشوت چڑھاوے کی صورت میں پیش کرتے۔

اگر وہ بتوں کے اُوپر بھی کسی طاقت کو مانتے تھے تو اس کے حضور میں اس کے شہ بتوں کا وسیلہ پیش کر کے بارش طلب کرتے۔ یہ کتنی حیرت کی بات ہے کہ جس شخص پر مُشرک اور بُت پرست ہونے کا گمان کیا جا رہا ہے وہ بارش کے حصول کے لئے بُتوں کی بجائے ایسی ہستی کا وسیلہ منتخب کرتا ہے جس نے زندگی میں بھی کبھی بُتوں کو سجدہ نہیں کیا اور پھر اپنے اس وسیلے کو بُتوں کی طرف پُشت کر کے بٹھاتا ہے تا کہ کسی قسم کا غلط گمان نہ کیا جا سکے۔

اور ہر قسم کی غلط سلط تاویلات کے دروازے ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں۔

ہم خواہ مخواہ بات کو طول دینا نہیں چاہتے سمجھ جانے والوں کے لئے اشارہ ہی کافی ہے بتانا صرف یہ تھا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ان کے باپ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا عقیدہ پورے طور پر منکشف تھا اور وہ بہر صورت آج کے جاننے والوں سے اپنے باپ کے عقیدہ کو بہتر جانتے تھے یہ ایک خود فریبی اور خوش فہمی کے سوا کچھ نہیں کہ ہم پر عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کا عقیدۂ توحید پر ہونا تو ظاہر ہو جائے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جو ہمیشہ باپ کے نقش قدم پر چلتے رہے اور باپ کے وقت وصال تک ساتھ ساتھ رہے ان کے عقیدہ کے متعلق کچھ بھی نہ جان سکے حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پوری زندگی باپ کے اُسوۂ مبارکہ کا نمونہ تھی۔

یہی وجہ تھی کہ اصنام پرستی سے ان کا کبھی واسطہ نہیں پڑا اور ہر مقام پر اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہٗ الکریم کی توحید پر پورے پورے یقین کا اظہار فرماتے رہے۔

پانچواں ثبوت

شعب ابی طالب کا واقعہ آپ تفصیل سے اس کی جلد اول میں پڑھ

چکے ہیں محصورین شعب ابی طالب پر کفار مکہ کی ایذا رسانیاں اور تشدد کی داستان آپ پر ملاحظہ فرما چکے ہیں یہاں ہم آپ کو اس واقعہ سے بالوضاحت روشناس کرانا چاہتے ہیں جس میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عقیدۂ توحید پر ہونا سورج سے بھی زیادہ منور وتاباں معلوم ہو جاتا ہے۔

قیدِ زنداں سے رہائی کا وقت قریب آ جاتا ہے اِمام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے مُشفق چچا سے مل کر آزادی کی بشارت اور رہائی کا پیغام دیتے ہیں۔

آپ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرمایا مہربان چچا قریش کے پاس تشریف لے جائیں اور انہیں فرمادیں کہ تُمہارے معاہدے کے اَوراق اللہ تعالیٰ نے ضائع فرما دیئے ہیں اس لئے ہمیں شعبِ ابی طالب سے باہر آنے دیں۔

توَحید و رسالت پر یقین محکم اور ایمانِ کامل رکھنے والے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کسی اِضطراب واضطرار کے اُٹھتے ہیں اور قریش کے پاس تشریف لے جاتے ہیں اور یُوں اظہارِ مُدعا کرتے ہیں۔

فقال ابو طالب لکفارِ قریش ان ابن اخی اخبرنی
ولم یك من بنی قط ان اللّٰہ تعالیٰ قد سلط علی
صحیفتکم الارض فلحست ما کان فیہا من جور و ظلم

وبقی فیھا کل ما ذکر بہ اللّٰہ تعالیٰ فان کان ابن اخی صادقا نزعتم عن سوء رایکم و ان کان کاذبا؟ دفعتہ الیکم فقتلتموہ واستحییتموہ قالوا انصفتنا فاذا رای کما قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فسقط فی اید یھم و نکسوا علیٰ رؤسھم۔

﴿حاشیہ بخاری ص ۵۴۸ ج ادلائل النبوۃ ص ۹۲ ج ۱﴾

تو حضرت ابو طالب نے قریش کو فرمایا کہ !

میرے بھائی کے بیٹے نے خبر دی ہے اور انہوں نے کبھی جھوٹ نہیں کہا کہ تحقیق تمہارے قرطاس عہد پر اللہ تبارک وتعالیٰ نے زمین کی دیمک کو مسلط فرما دیا ہے اور جو کچھ تم نے ظلم وستم لکھا ہے دیمک نے اسے کھا لیا ہے اور اس میں صرف وہ چیز رہ گئی ہے جس پر اللہ کا نام ہے اگر میرا بھتیجا سچا ہے تو تم اپنی اِس بُری رائے سے باز آ جاؤ اور اگر جھوٹا ہے ﴿معاذ اللہ﴾ تو میں اس کو تمہارے حوالے کو دوں گا چاہے اسے قتل کردو یا زندہ رہنے دو انہوں نے کہا کہ آپ نے اِنصاف کی بات کی ہے اور جب اُس قرطاسِ عہد کو دیکھا گیا تو وہ ویسا ہی تھا جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا ان لوگوں نے شرمندہ

ہو کر سروں کو جھکالیا۔

کفار و مشرکین مکہ کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا پورے یقین واعتماد کے ساتھ یہ فرمانا کہ تمہارے بھتیجے کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ضائع کر دیا ہے۔

اقرارِ توحید اور اظہار وحدانیت خداوندی ہے یا انداز مشرکانہ اور پھر آپ کا یہ فرمانا کہ یہ خبر اس مخبرِ صادق کی ہے جس نے کبھی جھوٹ نہیں بولا اقرار صداقت رسالت ہے یا طریقِ اصنام پرستی اور اس پر مستزاد یہ کہ اس مخبر صادق کو یہ خبر اللہ تعالیٰ نے دی ہے صاحب ایمان ہونے کی دلیل ہے یا کافر وگمراہ ہونے کی ؟

کیا اس قسم کے جملے کسی کافر و مشرک، بے ایمان اور گمراہ کی زبان سے ادا ہو سکتے ہیں"

ذرا غور تو فرمایئے کہ کفّار و مشرکین سے معاملات طے کروانے کے لئے خُدا تعالیٰ کا مقدّس رسول بار بار ایک کافر کو اپنا رسول بنا کر بھیجتا ہے یا مُسلمان کو؟؟

کیا یہ پیمبرِ پیمبرِ خُدا کا فرد مشرک تھا جو کفّار ومُشرکین مکہ سے پورے یقین اور اعتماد اور پورے وثوق اور ذمہ داری سے کہہ رہا ہے کہ یہ خبر مخبرِ صادق کی ہے اور یہ کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔

کیا رسولِ خدا کا یہ پیامی بُت پرست تھا جو بُت پرستوں کے سامنے

اُس خُدائے وحدہ لاشریک کی عظیم تر قوّت کا اظہار کر رہا ہے جس نے اُن کے عہدنامے کو ضائع فرمادیا ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہاں بھی اسی اللہ تعالیٰ کی بات کر رہے تھے جس کی وحدانیّت کو تسلیم کرنے کا اظہار ہم [illegible] عنوان سے آپ کے خطبہ مبارک میں پیش کر چکے ہیں۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس کلام کو ایمان و دیانت کے ترازو میں وزن کریں۔ ایک ایک لفظ پر غور فرمائیں اور پھر اندازہ کریں کہ حضرت ابو طالبؑ کے ایمان کی پختگی کا عالم کیا ہے۔

رسول خدا صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ارشاداتِ عالیہ پر اعتماد و یقین کا یہ عالم کہ ذرہ برابر بھی اِضطراب کا اظہار نہیں فرمایا۔ اور یہ تک نہیں پوچھا کہ اگر ایسا نہ ہوا تو پھر کیا ہوگا؟

شک و رَیب سے پاک اور مُستحکم ایمان کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے جبکہ آپ فرماتے ہیں کہ تُمہارے قرطاسِ عہد کو اللہ تعالیٰ نے ضائع فرمادیا ہے اور یہ خبر اُس مخبرِ صادق نے دی ہے اور اُن کو یہ خبر اللہ تبارک وتعالیٰ نے دی ہے۔

آخر یہ کس اللہ تعالیٰ کا نام بار بار لیا جارہا ہے۔

کیا حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ نہیں جانتے تھے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کس اللہ تعالیٰ کا ذکر فرمارہے ہیں۔

کیا مُشرکین مکہ کو یہ پتہ نہیں چلا ہوگا کہ ابو طالب رضی اللہ عنہ ہمارے ساتھ کس خُدا کا تذکرہ کرر ہے ہیں۔

کیا ابو جہل یہ نہیں سمجھ سکا ہوگا کہ رسولِ خُدا کی طرف سے آئی ہوئی اُسی خُدا کی خبر ہے جس کو محمد عربی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنا خدا مانتے ہیں۔

ابو جہل جانتا تھا اور یقیناً جانتا تھا کہ ابو طالب اُسی خدا کی بات کرتے ہیں ابو جہل کو اُس وقت کہنا چاہیئے تھا کہ ابو طالب آپ تو ہمارے عقیدے کے آدمی ہیں۔آپ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) کے خُدا کی بات کیوں کرتے ہیں؟

کیا بُت پرست ہونے کی حیثیت سے ابوطالب رضی اللہ عنہ کے لئے یہ کہنا ضروری نہیں تھا کہ "اے قریش مکہ میرے بھتیجے کو اُس کے خدا نے خبر دی ہے کہ ہمارے قرطاسِ عہد کو اُس کے خُدا نے ضائع کر دیا ہے۔"

تحیّر انگیز اور تعجب خیز بات تو یہ ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جس خُدائے وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت کے زندگی کے ہر شعبے میں قائل نظر آتے ہیں۔نزع کے وقت اُس خُدائے بزرگ و بُرتر کی توحید سے انکار کیوں کر بیٹھے۔

اور ابو جہل کو یہ جرأت کیسے ہوگئی کہ یہ کہے کہ باپ دادے کے دین سے پھر نہ جانا جبکہ اُسے معلوم تھا کہ حضرت عبدالمُطّلب رضی اللہ عنہ نے زندگی بھر اصنام پرستی نہیں کی اور نہ ہی حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ نے کبھی بتوں کی پرستش

کی ہے اور یہ دونوں ہر مقام پر رب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کی بات کرتے رہے ہیں۔

چھٹا ثبوت

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے پاکیزہ اشعار ایک ضخیم اور مطبوعہ دیوان کی صورت میں موجود ہیں اور آپ کے متفرق اشعار اہلسنت کے نزدیک معتبر اور مستند کتب سیر میں بھی موجود ہیں جن کا نمونہ آپ سابقہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

یہاں ہم دیوانِ ابی طالب نہیں بلکہ دیوانِ علی کرّم اللہ وجہہ الکریم سے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے چند اشعار پیش کرتے ہیں جو انہوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو وصیت کے طور پر ارشاد فرمائے۔

حضرت علی علیہ السلام کو وصیت

دیوانِ علیؑ ﴿۱۰۴﴾

اصبر بنی فالصبر احجیٰ

کل حی مصیرہٗ لشعوب

قدْ بذلناک والبکاء شدید

لقد آء النجیب ابن النجیب

لقد آء الاعز ذی الحسب الثاقب

والباع والفناء الرحیب

اے بیٹے صبر کرو۔ اِس لئے کہ صبر ہی مناسب ہے اور ہر زندہ موت کی طرف جارہا ہے۔ اگرچہ سخت آزمائش کا وقت ہے۔ لیکن ہم نے تُم کو شریف ابنِ شریف پر فدا کیا ہے۔ اور اُس شخص پر فدا کیا ہے جو صاحبِ عزّت اور صاحبِ حَسب ونسب اور عالی ظرف ہے اور کُشادہ صحن والا یعنی سخی ہے۔

حضرت علی علیہ السّلام کا جواب

دیوانِ علیؑ (۱۰۵)

اتامرنی بالصبر فی نصر احمد
فواللہ ما قلت الذی قلت جازعاً

ولکنی احببت ان تری نصرتی
لتعلم انی لم ازل لک طائعاً

وسعی لوجہ اللہ نصر احمدا
نبی الھدیٰ المحمود طفلاً ویافعاً

اے والدِ گرامی آپ مجھے احمد مجتبیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی
مدد میں صبر کا حکم فرماتے ہیں۔ بخدا میں نے جو کیا ہے
گھبراہٹ میں نہیں کیا۔ البتہ میری یہ خواہش ضرور ہے کہ
آپ میری نُصرت ملاحظہ فرمائیں
تاکہ آپ کو معلوم ہو جائے کہ میں ہمیشہ سے آپ کا
فرمانبردار ہُوں میری کوشش احمدِ مجتبیٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم

جو کہ ہدایت کے پیغمبر اور بچپن و جوانی میں قابلِ ستائش

رہے ہیں کے لئے۔ اللہ تعالٰی کے واسطے ہے۔

یہ مکالمہ

باپ بیٹے کا یہ مکالمہ اگر سطحی نظر کی بجائے بنظرِ عمیق پڑھا جائے تو اس کا ایک ایک جملہ اس بات پر شاہد و عادل ثابت ہوگا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ ہرگز ہرگز مشرک نہیں تھے۔

کوئی مشرک باپ اپنے بیٹے کو یہ وصیت نہیں کر سکتا کہ تم اسلام اور بانیٔ اسلام کی نصرت و حمایت اور امداد و تعاون میں کوئی کسر باقی نہ اٹھا رکھنا۔ اس لئے کہ میں نے تمہیں بانیٔ اِسلام پر فدا کر دیا ہے۔

اور پھر بیٹے کا یہ جواب کہ آپ مجھے حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نصرت و حمایت کی تلقین فرماتے ہیں تو میں اس پر پورا اتروں گا۔ البتہ میری یہ خواہش ہے کہ کاش ! آپ اپنے اس ارشاد کی تعمیل کرتا ہوا مجھے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے۔

اور یہ کہ آپ مجھ پر پورا پورا یقین رکھیں۔ کیونکہ میں نے عمر بھر کبھی بھی آپ کی نافرمانی نہیں کی۔

کیا یہ کسی مشرک اور مومن کے درمیان مکالمہ ہے ؟

کیا کوئی مومن بیٹا ہمیشہ ہمیشہ مشرک باپ کی فرمانبرداری کر سکتا

ہے ؟

کیا کوئی مُشرک باپ اپنے بیٹے کو اسلام پر مضبوط رہنے کی تلقین کر سکتا ہے ؟ عقلِ سلیم کیلئے اس مکالمے میں کتنے لطیف اشارے موجود ہیں۔

باپ ہو یا بیٹا، نظریات کی مخالفت کبھی ایک راہ پر نہیں چلنے دے گی۔ جس طرح دو تلواریں ایک میان میں نہیں سما سکتیں اسی طرح کُفر اور اسلام آپس میں ہم آہنگ نہیں ہو سکتے۔

لیکن یہاں بیٹے کے دِل کی بات باپ کی زُبان سے ادا ہو رہی ہے اور باب العلم شیرِ خُدا حیدرِ کرّار علیہ السّلام کا یہ فرمانا کہ میں نے ہمیشہ آپ کی فرمانبرداری کی ہے۔ کتنی بڑی دلیل ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے صاحبِ ایمان ہونے کی۔

ورنہ مُشرک اور بُت پرست باپ کی کعبے کے بُت توڑنے والا علی کس طرح پُوری زندگی فرمانبرداری کر سکتا ہے۔ جبکہ اس کے برعکس سینکڑوں ایسی مثالیں موجود ہیں کہ کُفر و اسلام کی مخالفت کی وجہ سے کتنے ہی بیٹے اپنے باپوں سے اور کتنے ہی باپ اپنے بیٹوں سے ٹکرا گئے۔

کیا یہ حقائق اہلِ علم حضرات کی نگاہوں سے پوشیدہ ہو سکتے ہیں۔ ہم تفصیل میں نہیں جائیں گے صرف ایک واقعہ بیان کئے دیتے ہیں۔

اُم المؤمنین حضرت سیّدہ اُمِ حبیبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا باپ

ابوسفیان حالتِ کفر میں اپنی بیٹی کے گھر آتا ہےاور حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بستر مبارک پر بیٹھنے لگتا ہے تو سیدہ اُمِّ حبیبہ رضی اللہ تعالی عنہا نیچے سے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر مبارک کھینچ لیتی ہیں اور ابوسفیان کے احتجاج پر یہ فرماتی ہیں کہ رسول خدا کی چادر پر کسی مشرک کو بیٹھنے کی اجازت نہیں دی جاسکتی۔ تفصیل میں جانے کی ضرورت نہیں اس ایک واقعہ ہی سے بہت کچھ سمجھا جاسکتا ہے۔

ساتواں ثبوت

درج ذیل روائت ہم خصائص کبریٰ شریف سے پیش کر رہے ہیں اگرچہ ہم متضاد روایات کے عنوان میں اس روایت کو ایک طویل عبارت سے چھٹی ہوئی ہونے کی صورت میں بھی پیش کر چکے ہیں اور اس کی وضاحت اور تضاد بھی بیان کر چکے ہیں حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت صرف اسی حد تک تضاد و تعارض سے محفوظ ہے جس قدر صاحب خصائص کبریٰ علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے نقل فرمائی ہے ملاحظہ ہو،

عن عبد اللّٰہ بن ثعلبہ بن صعیر العذری ان ابا طالب لما حضرۃ الوفاۃ دعا بنی عبد المطلب فقال لن تزالوا بخیر ما سمعتم من محمد و ما اتبعتم امرہ فاتبعوہ و اعینوہ ترشدوا۔

﴿خصائص کبریٰ ص ۲۱۵ ج ۱ مطبوعہ مدینہ منورہ﴾

عبداللہ بن ثعلبہ بن عمیر العذری سے روایت ہے کہ جب
حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا وقت
قریب آیا تو حضرت عبدالمطلب کی اولاد کو بلایا اور کہا کہ تم
ہمیشہ اچھی حالت میں رہو گے جب تک محمد صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی بات سنتے رہو گے اور ان کے احکام کی اتباع
کرتے رہو گے ان کی اتباع کرو ان کی مدد کرو ہدائت پا
جاؤ گے۔

مندرجہ بالا وصیت کوئی کافر و مشرک اور بت پرست اپنے عزیز و
اقارب اور اولاد کو ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ یہ گمان بھی نہیں کیا جا سکتا کہ کوئی بت
پرست اور مشرک یوں توحید خداوندی پر فدا ہونے کی ترغیب دے اور رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تابعداری اور اطاعت کو رشد و فلاح کا موجب
قرار دے۔

یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص موت و حیات کی کشمکش میں
مبتلا ہو کر بھی اطاعتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کرے توحید
خداوندی پر مر مٹنے کی تلقین کرے اور زندگی کا بیشتر حصہ اسلام اور بانی اسلام
پر فدا کاری میں گذار دے اور کافر و مشرک بھی رہے۔

کیا آپ تاریخِ اسلام میں ایسی کوئی مثال پیش کر سکتے ہیں اور اگر
جواب نفی میں ہے تو آپ محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محسن پر ہی

کیوں بدگمان ہیں کیا آپ اپنے دل کی بھڑاس ابوجہل اور ابولہب جیسے شقی القلوب اور دشمنانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نہیں نکال سکتے۔

آپ ایک شاتمِ رسول کی انگلی کو تو جہنم میں محفوظ تسلیم کر سکتے ہیں چاہے وہ واقعہ کسی کے خواب کا ہی ہو مگر مداحِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جہنم کی ایسی جگہ پھینک رکھا ہے جہاں ان کا دماغ بھٹی کی طرح کھولتا ہے۔

پروانۂ شمعِ رسالت

ہم درج ذیل واقعہ کے مختلف پہلو شعبِ ابی طالب کے عنوان سے سابقہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں یہاں محض اہلِ ذوق حضرات کے وجدان کے لئے معارج النبوۃ کی ایک عبارت کا نمونہ پیش کرتے ہیں آپ اس واقعہ کو بغور پڑھیں اور پھر اندازہ کریں کہ اس پروانۂ شمعِ رسالت کو ہمارا اخراجِ عقیدت کیا ہونا چاہیے۔

آوردہ اند کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجہت اشفاق بر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استحکام شعب لغائت میکوشید،

و ہیچ وقتے از محافظتِ حضرت مقدس نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تغافل و تساہل جائز نداشتے وچوں در ہنگامے خواب آں آفتابِ عالمتاب در مغربِ شعب متواری گشتے شمشیر

حمائل کردہ گرد خانہ پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنجا کہ بیتو

تت ترمودے چوں پروانہ شمع طواف نمودے۔

وگاہے از برائے مصلحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از جائی کہ دَر اول شب باستراحت خفتہ بودے از آنجا

بیرون آوردی وودرخانہ دیگر خوابانیدی وودر روز پسران وبرا

دران خود رامی فرمود تا بصیانت سیدّ اولادِ آدم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم واصحب او رضوان اللہ علیہم اجمعین قیام می نمو

دند،

﴿معارج النبوۃ جلد دوم ص ۲۴ مطبوعہ لکھنو﴾

روایت میں آیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

کمال شفقت کی وجہ سے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے نہایت کوشش کے ساتھ شعب ابی طالب کو مستحکم

فرمایا۔

اور کسی وقت بھی حضرت رسالت مآب صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم کے معاملہ میں غفلت اور تساہل کو مناسب نہیں

سمجھتے تھے اور جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات

کو محو خواب ہوتے تو آپ شمشیر لٹکا کر آپ کے کمرے

کے گرد اگرد پہرہ دیتے اور خوابگاہ کے گرد اس طرح

پھرتے جیسے پروانہ شمع کے گرد طواف کرتا ہے۔

اور کسی وقت معلقاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب رات کے پہلے حصّے میں آرام فرما لیتے تو اس جگہ سے باہر لے آتے اور دُوسرے کمرے میں سُلا دیتے اور صبح کو اپنے بیٹوں اور بھائیوں کو فرماتے کہ اولادِ آدم کے سردار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے صحابہ رضوان اللہ علیہم کی صیانت میں کھڑے رہے۔

شعبِ ابی طالب میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس جاں نثاری اور محبّت کی کہانی تمام تر کتب معتبرہ میں موجود ہے دیکھنا تو یہ ہے کہ محبّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معیار کیا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہرہ دینے کی قیمت کیا ہے خدا کی قسم دل تڑپ جاتا ہے آنکھیں اشکبار ہو جاتی ہیں صد ہزار سلام اَے ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تیرے ایثار پر مجھ جیسے کروڑوں اُمتّی قربان تیرے پہرے کے انداز پر میرے پاس وہ الفاظ نہیں ہیں جن سے تجھے خراجِ عقیدت اور نذرانۂ مودّت پیش کرسکوں مجھے تیرے حیدرِ کرارؑ کی قسم میرا قلم میرے جذبات کا ساتھ نہیں دے رہا مجھے تیرے پوتے شبیر کے خُون کی قسم اگر تو جنّت میں نہیں جائے گا تو کوئی بھی جنت میں نہیں جاسکے گا۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کفر و شرک اور جہنمی ہونے کا

خیال رکھنے والو کاش تم اس نصِ قرآنی سے ہی کوئی دلیل اخذ کر لیتے کہ اصحابِ کہف کا پہریداران کے ساتھ جنت میں جائیگا مجھے تو شرم آتی ہے ایسی مثالیں پیش کرتے ہوئے خدا مجھے معاف فرمائے میں نے یہ مثال محض مثال کیلئے پیش کی ہے ورنہ،

چہ نسبت خاک را باعالم پاک

وہ تو ولیوں کا پہرہ تھا۔ اس کی قیمت یہ ہے وہ بھی اس کے لئے جس کے گھر میں ہونے سے رحمت کے فرشتے نازل نہیں ہوتے۔

اور اس طرف تو امام الانبیاء کا پہرہ ہے اور پہریدار کون ہے غور تو کریں سوچیں تو سہی یہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدّ امجد کا مقدس بیٹا سردارِ قریشِ مکہ متولی کعبہ ساقی حجاج اور شیخ بطحا۔

کون ابو طالبؓ ؟ جس کا بھائی سیدنا عبد اللہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا باپ ہے۔

کون ابو طالبؓ ؟ جس کی بھاوجہ سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماں ہے۔

کون ابو طالبؓ ؟ جس کا بھتیجا سیّدِ اولادِ آدم اور سیّد العالمین ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

کون ابو طالبؓ ؟ جس کی بیوی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی ماں کے بعد ماں کہا ہے۔

کون ابو طالبؑ ؟ جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے محض چچا ہی نہیں اپنا باپ بھی کہا ہے۔

کون ابو طالبؑ ؟ جس کا بیٹا حیدر کرار قسیم جنت والنار ہے امیر المومنین ہے امام الاولیاء ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا داماد ہے۔

کون ابو طالبؑ ؟ جس کی بہو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیاری بیٹی سیدۃ النساء العالمین سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا ہے وہی سیدہ زہرا بتول جو خاتونِ قیامت بھی ہے اور خاتون جنت بھی۔

کون ابو طالبؑ ؟ جس کے پوتے حسنین کریمین سبطین رسول ہیں جنت کے جوانوں کے سردار اور چمنِ رسالت کے پھول ہیں۔

کون ابو طالبؑ ؟ جس کا حسب نسب قیامت کے دن بھی منقطع نہیں ہو سکے گا۔

کون ابو طالبؑ ؟ جس کے بیٹے جعفر اور عقیل جیسے شہسوارانِ اسلام ہیں۔

کون ابو طالبؑ ؟ جس نے بغیر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہ خود کھانا کھایا اور نہ اپنے بچوں کو کھانے دیا۔

یہی ابو طالب یہی جانثار مصطفےٰ یہی محسنِ اسلام یہی پروانہ شمع رسالت ہے جو تین سال تک متواتر ساری ساری رات سرورِ کائنات امام الانبیاء تاجدار کون و مکان احمد مجتبیٰ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ننگی تلوار

سے لے کر پہرہ دیتا رہا اور یہ تین سال ہی کیا پورے پینتالیس سال سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہمہ وقت اس کی ان خدمات کا اسلام کے پاس صرف یہ صلہ ہے کہ جہنم کی آگ میں اس کا دماغ کھول رہا ہے

العیاذ باللہ وہ مشرک ہے اس کے لئے استغفار جائز نہیں وہ گمراہ ہے اُسے ایمان نصیب نہیں ہوا۔ ﴿معاذ اللہ﴾

اگر چہ یہاں بہت کچھ لکھنے کو جی چاہتا ہے لیکن ہمہ وقت خوفِ طوالت ذہن پر مسلط رہتا ہے معزز قارئین کو دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے اب ہم مزید ایک اور ثبوت پیش کرتے ہیں۔

آٹھواں ثبوت

نصِ حدیث سے ثابت ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ساری زندگی غیر اللہ کے نام پر ذبح کیے ہوئے جانور کا گوشت نہیں کھایا "یعنی بتوں کا نام لے کر ذبح کیا جانے والا جانور یا بتوں کے ٹھکانے پر بتوں کے لئے ذبح کیا ہوا جانور" اور نبوت کی طہارت و پاکیزگی کے لئے یہ ضروری بھی تھا چنانچہ حدیث شریف میں آتا ہے۔

واخرج ابو نعیم عن عائشۃ قالت قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سمعت زید بن عمرو بن نفیل یعیب اکل ما ذبح لغیر اللہ فما ذقت شیئا ذبح علی النصب حتیٰ اکرمنی اللہ برسالتہ

اور ابونُعیم نے اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کی کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ ہم نے زید بن عمر بن نفیل سے۔

علاوہ ازیں کتب حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ آپ نے دورِ جاہلیت کے لوگوں کی طرح نہ تو کبھی بتوں کی پرستش کی اور نہ ہی کبھی شراب وغیرہ پی اور نبوّت کے لئے یہ ضروری بھی تھا کہ آپ ان خبیث چیزوں سے محفوظ رہتے چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

واخرج ابو نعیم و ابن عساکر عن علی قال قیل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھل عبدت وثنا قط؟ قال لہ قالوا فھل شربت خمرا قط؟ قال لا

﴿خصائص کبریٰ ص ۲۳۱ ج ۱﴾

ابونعیم اور ابن عساکر نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے پُوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بُتوں کی عبادت کی ہے؟ تو آپ نے فرمایا کہ نہیں۔

پوچھا کہ کبھی شراب پی ہے؟ فرمایا کبھی نہیں

حضرت ابوطالب کا دسترخوان

اب ان ہر دو روایات کو سامنے رکھیں اور اس منظر کا مشاہدہ کریں اور

پھر فیصلہ کریں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر و مشرک اور بُت پرست تھے یا خدائے واحد پر ایمان رکھنے والے توحید پرست ؟

﴿۱﴾ قال و شب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم مع ابی طالب یکلاءہ اللّٰہ و یحفظہ من امورِ الجاھلیۃ۔

﴿دلائل النبوۃ ص ۵۳ ج ۱ مطبوعہ مصر﴾

﴿۲﴾ لما تو فی عبد المطلب قبض ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم الیہ فکان یکون معہ وکان ابو طالب لا مال لہ وکان یحبہ حبا شدیدًا لا یحبہ ولدہ

وکان لا ینام الا الیٰ جنبہٖ ویخرج فیخرج معہ و صبہ بہ ابی طالب صبابۃ لم یصعب بمثلھا بشیء قط۔

وکان یخصہ با الطعام وکان اذا اکل عیال ابی طالب جمیعاً او فرادیٰ لم یشبعوا واذا اکل معھم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شبعوا فکان اذا اراد یغدیھم قال کما انتم حتیٰ یحضر ابنی فیاتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فیاکل معھم فکانوا یفضلون من طعامھم و ان لم یکن معھم لم یشبعوا فیقول ابو طالب انک لمبارک و کان

الصبیان یصبحون رمضا شعشا و یصبح رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و ھنیا کحیلاً

﴿الاصابہ ص ۱۱۹ ج ۱﴾ ﴿خصائص کبریٰ ص ۲۰۵ ج ۱﴾

﴿طبقات ابن سعد ص ۱۲۰ ج ۱﴾ ﴿دلائل النبوۃ ص ۱۵۵ ج ۱﴾

فرمایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ابی طالبؑ کی معیّت میں جوان ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے تمام تر امورِ جاہلیت سے آپ کی حفاظت فرمائی۔

جب حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فوت ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو ابو طالب نے اپنے پاس رکھا اور آپ انہیں کے ساتھ رہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اگرچہ کوئی مال نہیں تھا لیکن وہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے شدید محبت کرتے تھے اور ایسی محبت کرتے تھے۔

وہ بغیر آپ کو آغوش میں لئے نہیں سوتے تھے اور گھر سے باہر جاتے تو نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ساتھ ہوتے۔

اور آپ کے لئے کھانا مخصوص رکھتے تھے اور جب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بچے مل کر کھانا کھاتے یا

علیحدہ علیحدہ کھاتے تو سیر نہ ہوتے اور جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ کھانے میں شامل ہوتے سب سیر ہو جاتے۔

پس ابو طالب کہتے کہ بیشک آپ مُبارک ہیں اور دوسرے بچے جب صبح سو کر اٹھتے تو ان کے بال پریشان ہوتے لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح اُٹھتے تو ہشاش بشاش اُٹھتے۔

سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے ساتھ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت تو ایک ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے اور اس کی مثال تلاش کرنا ناممکنات میں سے ہے پس اس محبت کا تو یہ معاملہ ہے۔

تا ہم بدلے نہ تم بدلے نہ دل کی آرزو بدلی
میں کیسے اعتبارِ انقلاب آسماں کر لوں

بہر کیف! یہاں پر تو صرف یہ دیکھنا ہے کہ اگرچہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے لئے کھانے کا مخصوص انتظام فرماتے رہے تاہم یہ گمان اچھے سے اچھے کھانے کے متعلق ہو سکتا ہے اس کے سوا یہ تو سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آپ کے دستر خوان پر گوشت نہ ہوتا ہو اور حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خاص رغبت کے ساتھ گوشت کو پسند کرتے ہیں اور گوشت کے شوربے کی تعریف فرمایا کرتے تھے جس

کے متعلق بیشمار احادیث مبارکہ کتب احادیث میں موجود ہیں۔

اب یا تو یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دستر خوان پر کفار و مشرکین کی طرح بتوں کا نام لے کر ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت موجود ہوتا تھا اور یا یہ ماننا پڑے گا کہ حضرت ابو طالب جانوروں کو بتوں کے نام سے نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کرتے تھے۔

تیسری بات یہ ہے کہ ان کے گھر میں گوشت پکتا ہی نہ ہو اور یہ ناممکن اور محال ترین ہے۔

بس دو میں سے ایک بات پر ہی فیصلہ دیا جا سکتا ہے اور وہ بھی ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز مشرک اور بت پرست نہیں تھے بلکہ عقیدۂ توحید پر تھے اور ان کا دستر خوان کفار و مشرکین جیسے غیر اللہ کے نام کے ذبیحوں کے گوشت اور شراب وغیرہ سے پاک تھا۔

کیونکہ دوسری بات تو تسلیم ہی نہیں کی جا سکتی کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غیر اللہ کے نام سے ذبح کئے ہوئے جانور کا گوشت کھایا ہو۔

ممکن ہے قارئین کے ذہن میں یہ خیال پیدا ہو جائے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو غیر اللہ کے نام سے ذبح کئے ہوئے جانوروں کا گوشت دیتے ہی نہ ہوں تو یہ خیال حضرت ابو طالب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نہ صرف یہ کہ مومن وموحد ہونے پر دلالت کرتا ہے بلکہ ان کے صاحب کرامت ہونے کی بھی زبردست دلیل ہے۔

بہر حال اب ایک ایسی روایت ملاحظہ فرمائیں جس میں ثابت ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعلانِ نبوّت سے پہلے بھی گوشت کھاتے تھے اور ایسے ذبیحے کا گوشت کھاتے تھے جسے بتوں کا نام لے کر ذبح نہ کیا گیا ہو بلکہ اللہ تعالیٰ کے نام سے ذبح کیا گیا ہو۔

غیر اللہ کا ذبیحہ اور رسول اکرم

حدثنا معلی بن اسد حدثنا عبد العزیز یعنی ابن المختار اخبرنا موسیٰ ابن عقبۃ قال اخبرنی سالم انہ سمع عبد اللہ یحدث من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہ لقی زید بن عمرو ابن نفیل باسفل بلدح و ذالك قبل ان ینزل علیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم فیھا لحم فابی ان یاکل منھا ثم قال انی لا اکل مما تذبحون علیٰ انصابکم ولا اکل الا مما ذکر اسم اللہ علیہ۔

﴿بخاری شریف مترجم ص ۳۱۵ ج ۳﴾

﴿عمدۃ القاری جلد ۲۱ صفحہ ۱۱۴ المستدرک ج ۲۱۶ ج ۳﴾

راویان حدیث معلی بن اسد عبد العزیز بن مختار موسیٰ

بن عقبیٰ سالم عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے
زید بن نفیل سے مقام اسفل بلدح پر ملاقات کی اور یہ
واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر وحی نازل ہونے
سے پہلے کا ہے اور اس نے آپ کے سامنے دستر خوان
بچھایا جس پر گوشت تھا آپ نے اس کے کھانے سے
انکار فرما دیا اور فرمایا میں اس سے نہیں کھاتا ہوں جس
کو تم اپنے بتوں پر ذبح کرتے ہو اور میں صرف اسی کو
کھاتا ہوں جس کو اللہ تعالیٰ کا نام لے کر ذبح کیا گیا
ہو۔

یہ حقائق یہ شواہد

امامِ اہل سنّت سیدنا اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں
رقمطراز ہیں۔

ابن عدی کامل اور ابو سعید نقاش بسند صحیح اپنے معجم شیوخ میں راوی
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا!

اطعم طعام علیٰ مائدۃ ولا جلس علیھا ذنبھا اسمی
الا وقدسو کل یوم مرتین۔

جس دستر خوان پر لوگ بیٹھ کر کھانا کھائیں اور ان میں کوئی
ہمارے نام یعنی محمد نام کا کوئی آدمی ہو تو وہ لوگ ہر روز
دو بار مقدس کیے جاتے ہیں۔

حاصل یہ کہ ان پاک ناموں کا کوئی شخص جس گھر میں ہو اس مکان
پر ایک دن میں دو بار رحمت کا نزول ہوتا ہے۔

﴿احکام شریعت ص ۸۲ ج ۱﴾

اس مقام پر صرف یہی عرض کرنا ہے کہ جس دستر خوان پر خود جناب
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہ نفس نفیس موجود ہوں اس کی برکتوں کا بھی
کچھ نہ کچھ اندازہ کرلیا جائے۔

اگر چہ اس موضوع پر کتب احادیث میں بیشمار حوالہ جات موجود
ہیں جنہیں طوالت مضمون کی وجہ سے نظر انداز کیا جاتا ہے بہر حال اس کو تسلیم
کئے بغیر بات بن ہی نہیں سکتی کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دور
جاہلیت میں بھی ان تمام تر رسم ورواج اور امور جاہلیت سے محفوظ تھے جن
سے بچے رہنا اس شخص کے لئے انتہائی ضروری تھا جس کے زیر پرداخت
خدا تعالیٰ عزوجل کے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پروان چڑھنا تھا ان
ہاتھوں کا بتوں کی آلودگی سے پاک ہونا نہایت ضروری تھا جن سے رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلانا تھا وہ لب کبھی بتوں کے پاؤں کو نہیں چھو
سکتے تھے جنہیں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جبین اقدس کو چومنا تھا۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پاکیزہ زندگی کا ہر لمحہ پاک تسلیم کئے بغیر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غذا خوراک رہن سہن وغیرہ کو کس طرح طیب و طاہر مانا جا سکتا ہے آپ خود بھی ان حقائق وشواہد پر غور فرمائیں اور دل کا فیصلہ تسلیم کریں۔

نواں ثبوت

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر و مشرک نہ ہونے کے متعلق مندرجہ ذیل روایت حرف آخر کی حیثیت رکھتی ہے ملاحظہ ہو۔

روی عن اسحٰق بن عبد اللّٰہ بن الحرث قال قال العباس لرسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اترجو لابی طالب؟ قال کل الخیر ارجو من ربی۔

﴿طبقات ابن سعد ص ۱۱۵ ج ۱﴾

حضرت اسحٰق بن عبد اللہ بن حرث روایت کرتے ہیں کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اُمید ﴿مغفرت﴾ رکھتے ہیں تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ہم اپنے رَبّ سے ہر قسم کی بھلائی کی اُمید رکھتے ہیں۔

صاحب تفسیر سراج لبید زیر آیت انک لاتھدی مندرجہ بالا حدیث کو

نقل فرما کر لکھتے ہیں کہ یہ دلیل ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومن ہونے کی کیونکہ کفار کی نجات و مغفرت نہیں ہوگی وہ لکھتے ہیں۔

مما یدل علیٰ ان ابی طالب مومن ما روی عن اسحق بن عبد اللہ بن الحرث قال قال العباس لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اترجو لابی طالب خیرا قال کل الخیر ارجو من ربی در جاتوہ محقق ولا یہ جو کل الخیر لا مومن۔

﴿تفسیر مراح لبید ص ۱۲۷ ج ۲ مطبوعہ مصر﴾

اور یہ دلیل ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومن ہونے کی کہ روایت بیان کی اسحٰق بن عبداللہ بن حرث نے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت سرور کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ارشاد فرمایا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے ہر قسم کی بھلائی کی اُمید رکھتے ہیں اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پر اُمید ہونا محقق ہے اور نہیں اُمید کی جا سکتی ہر بھلائی کی سوائے مومن کے۔

جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سرورِ کائنات حضور پر نُور احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے لئے ہر بہتری اور بھلائی کے اُمیدوار ہیں اور صاحب مراحِ لبید کا یہ کہنا کہ یہ دلیل ہے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومن و مُوحد ہونے کی، بالکل حقیقت پر مبنی ہے۔

صاحب مراحِ لبید کی یہ دلیل محض ذہنی اختراع نہیں بلکہ قرآن مجید کی بے شمار آیات مبارکہ اِس پر شاہدِ عدل ہیں کہ کفّار و مشرکین کی ہرگز ہرگز بخشش نہیں ہوگی اور نہ ہی ان کے لئے رحمتِ خداوندی کی کوئی اُمید باقی ہے اس موضوع پر ہم آئندہ اوراق میں بے شمار آیاتِ قرآنیہ پیش کریں گے یہاں ہم قرآن کریم کی صرف دو آیتیں پیش کرنے پر اکتفار کرتے ہیں۔

کُفّار و مشرکین کیلئے کوئی اُمید نہیں

بلکہ مایوسی ہے

﴿سورۃ العنکبوت آیت ۲۳﴾

اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

وہ ہیں جنہیں میری رحمت سے مایوسی ہے اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

﴿سورۃ النساء آیت ۱۱۶﴾

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ

اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا جو اس کا شریک ٹھہرائے۔

اب جب کہ قرآن مجید کی نصوص قطعیہ سے ثابت ہے کہ کفار و مشرکین کی ہرگز بخشش اور مغفرت نہیں ہوگی نیز یہ کہ کفار و مشرکین اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہیں اور ان کے لئے عذاب علیم ہے تو کس طرح باور کرلیا جائے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے ہر بھلائی کے اُمیدوار بھی ہوں اور وہ مُشرک بھی ہوں۔

کیا کسی کافرومشرک کے لئے ہر قسم کی بہتری اور بھلائی کا تصور کیا جا سکتا ہے کیا نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نگاہوں سے قرآن مجید کی یہ آیات مقدسہ اوجھل ہوں گے۔

مشرک اور بھلائی کافر اور بہتری مایوس ہونے والوں کے لئے اُمید یہ سب اجتماعِ ضدین ہے انہیں ایک مقام پر اکٹھا کیا ہی نہیں جا سکتا۔

ان دو میں سے ایک ہی بات ہو سکتی ہے یا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان کو معاذ اللہ بے معنی سمجھنا پڑے گا جس میں آپ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہر بھلائی کے اُمیدوار ہیں اور یا پھر اس پر یقین رکھنا ہوگا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہرگز ہرگز کافرومشرک اور بُت پرست نہیں تھے۔

دسواں ثبوت

آپ چھٹا ثبوت کے عنوان میں شیرِ خدا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ

عنہ کے وہ تین اشعار ملاحظہ فرما چکے ہیں جو اُنہیں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس ارشادِ مبارک کے جواب میں بیان فرمائے تھے کہ بیٹا اِسلام پر ثابت قدم رہنا اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہر طرح نصرت وحمائت کرتے رہنا کیونکہ ہم نے تجھے ان پر فدا کر دیا۔

اب آپ مولائے کائنات تاجدارِ اولیاء امیر المومنین خلیفۃ المسلمین سیدنا حیدرِ کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے وہ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

جو اُنہوں نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات حسرت آیات پر مرثیہ کی صورت میں ارشاد فرمائے اور پھر اندازہ فرمائیں کہ کیا کسی کافر و مشرک اور بت پرست کو یہ خراجِ عقیدت پیش کیا جا سکتا ہے۔

اسد اللہ الغالبؓ بحضور ابی طالبؓ

ابا طالب عصمۃ المستجیر

و غیث المحول و نور الظلم

لقد ھد فقدك اهل الحفاظ

وقد کنت للمصطفٰی خیر عم

﴿دیوانِ علی صفحہ ص ۱۶۳﴾

ترجمہ! اَے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اَے پناہ چاہنے والوں کی جائے پناہ اور خشک سالی

کے پانی اور تاریکی کے نُور غیرت مندوں کو تیری
موت نے شکستہ دل کر دیا اور آپ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم کے بہترین چچا تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومن وموحد ہونے کی اور کوئی دلیل بھی کتابوں میں موجود نہ ہوتی تو صرف یہ دو شعر ہی بہر صورت کافی تھے اور ان میں ان تمام تصورات وتوہمات کی نفی ہو جاتی ہے جن سے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر ومشرک اور بُت پرست ہونے کا گمان ہوتا ہے سطحیت کو چھوڑیئے بنظرِ عمیق دیکھئے اور پھر غور فرمایئے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اپنے والدِ ماجد خواجہ و بطحا سیدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کیا مقام متعین فرماتے ہیں۔

یہ جملے کسی عام آدمی کے نہیں یہ باب مدینۃ العلم کا فرمان ہے یہ اس فرمانروائے سلطنت ولایت کا ارشاد ہے جو ہمیشہ کے لئے حق کے ساتھ ہے اور حق اس کے ساتھ ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پناہِ بیکساں کا خطاب دینے والی وہ ہستی ہے جو خود پناہِ بیکساں ہے کیا یہ گمان کیا جاسکتا ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر ومشرک اور بُت پرست کو پناہ بیکساں کے نام سے یاد کرے اور پھر مُسلمان بھی وہ جو اوّل المسلمین ہے اور خلیفۃ المسلمین ہے۔

اور پھر یہی نہیں حضرت علیؑ تو اپنے باپ کو خشک سالی کا پانی کہتے ہیں

تاریکی کا نور کہتے ہیں کیا کوئی کافر ومشرک اور بُت پرست بھی ابرِ رحمت کے خطاب کا مستحق ہو سکتا ہے۔

کیا اسے باپ کے ساتھ بیٹے کی والہانہ عقیدت سمجھ کر ان جملوں کو اہمیّت نہیں دی جائے گی لیکن علیؑ تو مَعَ القرآن اور قرآن مَعَ العلی ہے ان حالات میں کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ یہاں علیؑ نے قرآن کو چھوڑ دیا ہوگا۔

تاریکیوں کا نور

بابُ العلم حیدرِ کرّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا باپ ابو طالب تاریکیوں کا نور اور اندھیروں کا اجالا ہے حالانکہ کفّار ومشرکین کے ساتھ ایسا تصوّر کر لینا بھی براہِ راست قرآن مجید کی مخالفت متصوّر ہوگا کیونکہ مسلمانوں اور کفّار ومشرکین کے لئے قرآن مجید میں مندرجہ ذیل ارشادات ربانی اس قطعی فیصلہ کر دیتے ہیں کہ نور کس طرف ہے اور ظلمت کس جانب،

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ
وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ
النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ؕ

اللہ تعالیٰ مسلمانوں کا ولی ہے اُنھیں اندھیروں سے نُور کی طرف لاتا ہے اور کافروں کے حمایتی شیطان ہیں وہ انھیں نُور سے اندھیروں کی طرف نکالتے ہیں۔

﴿سورۃ البقرہ آیت ۲۵۷﴾

يَّهْدِىْ بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

اللہ اس سے ہدایت دیتا ہے اسے جو اللہ کی مرضی پر چلا سلامتی کے راستے اور انہیں اندھیروں سے روشنی کی طرف لے جاتا ہے۔

﴿سورۃ المائدہ آیت ۱۵﴾

اِس آیت کریمہ میں ہدایت کا معیار یہ ہے جسے اللہ تعالیٰ اندھیروں سے روشنی کی طرف لے آئے۔

قرآن مجید کی ان نصوص قطعیہ کی موجودگی میں کس طرح یقین کیا جا سکتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے کسی کافر ومشرک اور بُت پرست کو تاریکیوں کا نُور کہہ دیا ہوگا جبکہ کفّار ومُشرکین خُود اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔

اور وہ تو محض مومنین کی ذات ہے جنہیں اللہ تبارک وتعالیٰ اندھیروں سے اُجالوں کی طرف بلاتا ہے اور روشنی عطا فرماتا ہے لیکن حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ تو اسلام پر کہیں آگے ہیں ان کو حیدرِ کرّار نے روشنی میں آنے والا ہی نہیں بلکہ خود بذاتہٖ روشنی کہا ہے جبکہ نُور و ظُلمت کا امتیاز قرآن مجید نے قائم کیا ہے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نور

قُرآنِ ناطق نے کہا ہے اُس قرآنِ ناطق نے جس کے متعلق اِمام رازی فرماتے ہیں کہ،

حیدرِ کرّار نے فرمایا کہ سُورہ فاتحہ قُرآن کا دِل ہے اور بِسمِ اللہ شریف سورہ فاتحہ کا دِل ہے اور بسم اللہ کی ب بسم اللہ شریف کا دِل ہے اور ب کا نقطہ ب کا دل ہے اور وہ نقطہ ہم ہیں۔

"انا النقطة تحت الباء"

یہ کبھی نہیں ہو سکتا کہ قُرآنِ ناطق قرآن کے خلاف کوئی بات کرے کیونکہ علی مع القرآن ہے اور قرآن مع العلی ہے اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نُور کا خطاب دینا دلیل ہے اس بات کی کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کافر و مشرک اور بُت پرست نہیں تھے۔

اندازہ تو کیجئے کہ کُفر کے اندھیروں سے ایمان کی روشنی کی طرف آنے کا نام ہی ہدایت ہے آیت میں ہے کہ تھدی بہ اللہ اس صورت میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ جو ہستی نہ صرف یہ کہ نور کی طرف آنے والی ہو بلکہ بقول حیدرِ کرّار خود تاریکی کا نور ہو اس کے لئے آیت کریمہ انك لا تھدی کا شانِ نزول ہوا ہوگا۔ یہ تو ہوا نور اور ہدایت کا ایک ہی چیز ہونا" اب آپ ایسی آیت کریمہ کا ملاحظہ فرمائیں جس میں ہدایت اور نور کی ضد تاریکی اور گمراہی کو قرآن مجید نے شیءِ واحد کا نام دیا ہے۔

صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِی الظُّلُمٰتِ مَنْ یَّشَاِ اللّٰهُ یُضْلِلْهُ ط

بہرے اور گونگے ہیں اندھیروں میں اللہ جسے چاہے گمراہ کرلے۔

﴿سورۃ الانعام آیت ۳۹﴾

اِس آیت پاک میں اللہ رب العزت تاریکی ہی کو گمراہی کے نام سے موسوم فرماتے ہیں بہر حال گمراہی اور تاریکی لازم وملزوم ہیں اور اس کے برعکس ہدایت اور نُور لازم وملزوم وہ گمراہ ہوا ور انک لا تھدی کے زمرہ میں آتا ہوا گرچہ اس موضوع پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن ہم اپنے مضمون کو سمیٹتے ہوئے اِس ضمن میں صرف ایک آیت کریمہ پیش کرتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح اندھا اور آنکھوں والا ایک نہیں ہو سکتا اسی طرح ظُلمت اور روشنی ایک نہیں ہو سکتے۔

قُلْ هَلْ یَسْتَوِی الْاَعْمٰی وَالْبَصِیْرُ اَمْ هَلْ تَسْتَوِی الظُّلُمٰتُ وَالنُّوْرُ ج

فرما دیجئے یا محمدؐ! کیا برابر ہو جائے گا اندھا اور آنکھوں والا یا برابر ہو جائیں گے اندھیرے اور اُجالے۔

﴿سورۃ الرعد آیت ۱۶﴾

قُرآن مجید کی اِن نصوص کے علاوہ بھی یہ بالکل سمجھ میں آجانے والی بات ہے کہ ظُلمات نُور کی ضد ہے اور ظُلمات کا نام ہی گمراہی اور کفر ہے

اور نور کا نام ہی ایمان اور ہدایت ہے اور اگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ واقعی بقول علی تاریکی کا نور ہیں تو ہرگز ہرگز گمراہ اور بے ایمان نہیں اور نہ ہی کافر و مشرک اور بُت پرست ہیں۔

دُوسرے شعر میں حضرت علی فرماتے ہیں کہ اے والدِ محترم آپ کی موت نے غیرت مندوں کو شکستہ دل کر دیا ہے اور آپ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہترین چچا تھے اس شعر کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہوئے اب ہم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا ایک اور مرثیہ پیش کرتے ہیں جو آپ نے سیدنا ابو طالب اور سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہما دونوں کی شان میں لکھا ہے۔ کیونکہ جس شعر کا تبصرہ بحق قارئین چھوڑ دیا گیا ہے قطعی طور پر واضح ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ غیرت مندوں کے دلوں کی قوت تھے اور جو شخص غیور لوگوں کو تقویت دیتا ہو اس کی اپنی غیرت کا مقام کیا ہوگا اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بہترین چچا ہونا آپ کے دیگر تمام چچاؤں پر فضیلت رکھنا نہیں تو اور کیا ہے اور یہ فضیلت اسی وقت ہی ہو سکتی ہے کہ آپ صاحبِ ایمان بھی ہوں ورنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اصحاب پر کسی کافر و مشرک کو فضیلت کس طرح دی جا سکتی ہے ؟

بہرحال آپ بابِ مدینۃ العلم سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وہ اشعار ملاحظہ فرمائیں جو اُنہوں نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدہ خدیجہ الکبریٰ دونوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمائے ہیں۔

حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ

حضرت ابوطالبؓ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ کے حضور میں

اعینی جودا بارک اللہ فیکما
علی ھالکین لا تری لھما مثلاً

علی سید البطحاء و ابن رئیسھا
و سیدۃ النسوان اول من صلّٰی

مھذبۃ قد طیب اللہ خیمھا
مبارکۃ واللہ ساق لھا الفضلا

مصابھما ادجیٰ لی الجو والھوا
فبت اقاسی منھما الھم والثکلا

لقد نصرا فی اللہ دین محمد
علی من بغی فی الدین قد رعیا الا

﴿دیوان علی ص ۱۳۹﴾

ترجمہ!   اے میری دونوں آنکھو روؤ خدا تم میں
برکت دے ان مرنے والوں پر جس کا مثل کوئی نہیں
بطحا کے سردار اور اس کے رئیس کے عظیم بیٹے پر اور
عورتوں کی سردار پر جس نے سب سے پہلے نماز پڑھی
دونوں پاکیزہ ہیں ان کی فطرت کو خدا نے پاک بنایا
ہے مبارک ہیں خدا ہی نے ان کی فضیلت
بیان کی ہے۔
ان کی مصیبت نے فضا اور ہوا کو تاریک کر دیا ہے پس
میں ان کے رنج کی وجہ سے تکلیف اٹھا کر رات
گزارتا ہوں۔
ان دونوں نے ان لوگوں کے خلاف جنہوں نے دین
میں سرکشی کی تھی اللہ کی راہ میں مدد فرمائی اور عہد و
پیمان کا لحاظ کیا۔

اِن مقدس اشعار میں امیر المومنین خلیفۃ المسلمین کاسر الاصنام باب العلم تاجدار اولیاء فاتح خیبر سیدنا حیدر کرار حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح و ستائش میں جو جملے ادا فرمائے ہیں وہ ان کے کافر و مشرک اور بت پرست نہ ہونے پر اس قدر زبردست اور مضبوط استدلال ہے جس سے انکار کیا ہی نہیں جا سکتا۔

قسیم جنّت والنّار سیدنا حیدرِ کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان اشعار میں پہلی بات تو یہ ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی شان میں تقریباً ایک ہی جیسے الفاظ استعمال فرمائے ہیں۔

حالانکہ یہ سخت ترین محالات میں سے ہے کہ ایک تو ان میں کافر و مشرک ہو اور ایک مومنہ اور مومنہ بھی ایسی کہ سیدۃ نساء العٰلمین ہو،

بہر حال مولائے کائنات اِمام الاَولیاء سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ الکریم کے اِن اشعار میں سے یہ چند باتیں ظاہر ہوتی ہیں۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فطرت پاک اور مہذّب ہے

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پاک اور برکت والے ہیں۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی فضیلت خُدا نے بیان فرمائی ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کفّار کے ساتھ خُدا کی راہ میں جہاد کیا ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے عہد و پیمان کو پُورا فرمایا ہے

حضرت علی علیہ السلام کے ان پانچوں فرامین کو اگر قرآن و حدیث کے معیار پر کھا جائے تو قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ ہرگز ہرگز یہ باتیں کسی کافر و مشرک اور بت پرست کی شان میں نہیں کہی جا سکتیں بلکہ اس کے

برعکس ان میں ہر بات مومنین کی ارفع و اعلیٰ شان کی منہ بولتی تصویر ہے۔

حیدرِ کرّار فرماتے ہیں کہ آپ کی فطرت کو اللہ تعالیٰ نے پاک پیدا فرمایا ہے حالانکہ کفّار و مشرکین کو قرآنِ پاک میں نجس و ناپاک کہا گیا اور یہ نجاست و ناپاکی محض ظاہری گندگی پر ہی محمول نہیں کی جائے گی بلکہ اس کا گہرا تعلّق نجاستِ قلوب اور ناپاکی فطرت سے ہے۔

پاکیزگی فطرت کا نام ہی اِسلام ہے اور نجاستِ فطرت ہی کو کفر و شرک اور ضلالت و گمراہی کا نام دیا جا سکتا ہے۔

اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن مجید میں اس کی پوری پوری وضاحت فرما رکھی ہے۔

مضمون کو مختصر کرنے کے لئے دو آیاتِ مبارکہ پیش خدمت ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

ناپاک دِلوں والے کافر ہیں

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَمْ يُرِدِ اللَّهُ أَنْ يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ ۖ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ

وہ ہیں کہ اللہ نے ان کا دِل پاک کرنا نہ چاہا انہیں دنیا میں رسوائی ہے اور انہیں آخرت میں بڑا عذاب۔

﴿سورۃ المائدہ آیت ۴۱﴾

جن کو اللہ نے پاکیزہ فرمایا

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا اَلَمْ تَرَ اِلَى
الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَا
يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ۝

اور جس نے خدا کا شریک ٹھہرایا اُس نے بڑے گناہ کا
طُوفان باندھا کیا تم نے انھیں نہ دیکھا جو خُود اپنی
ستھرائی بیان کرتے بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرے
اور ان پر ظلم نہ ہوگا خرما کے ڈورے برابر۔

﴿سورۃ النساء آیت ۴۹﴾

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طہارتِ قلبی اور پاکیزگی فطرتِ اِکتسابی نہیں بلکہ وہبی ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی فطرت کو پاک پیدا فرمایا ہے اور یہ پاکیزہ فطرت آپ کو اپنے والدِ گرامی سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے وراثت میں ملی تھی۔ اور اسی فطرت مہذبہ کا پورا کمال اور مکمل نکھار دنیا کے سامنے فاتح خیبر امام الاولیاء اسد اللہ الغالب سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی صورت میں ظاہر ہوا۔

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آپ مُبارک ہیں برکت والے ہیں اس کے لئے اگر ایک مثال بھی پیش نہ کی جائے تو بھی ہر صاحب

فہم پر ظاہر ہے کہ لفظ مبارک کا اطلاق کسی بھی کافر و مشرک اور بت پرست پر نہیں ہو سکتا بلکہ خاص طور پر یہ لفظ مومنین اور بلند شان والی چیزوں ہی کے حق میں ہیں۔

چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں اپنی ذات والا صفات اور اسمِ معظّم کو مبارک فرماتے ہیں ملاحظہ ہو۔

مُبارک ذات مُبارک نام

تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ○

بڑی برکت والا ہے اللہ پروردگار جہانوں کا ہے۔

﴿سورۃ الاعراف آیت ۵۴﴾

فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ○

پس بہت برکت والا اللہ تمام صناعوں سے بڑھ کر ہے

﴿سورۃ المومنون آیت ۱۴﴾

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِهٖ

بہت برکت والی ہے وہ ذات کہ جس نے فیصلہ والی

کتاب اپنے بندۂ خاص پر نازل فرمائی۔

﴿سورۃ الفرقان آیت ۱﴾

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا

بڑی برکت والی ہے وہ ذات کہ اگر وہ چاہے تو آپ کو

اس سے بہتر چیز دے دے۔

﴿سورۃ الفرقان آیت ۱۰﴾

تَبٰرَكَ الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

وہ بڑی برکت والی ذات ہے جس کی ملک زمین اور

آسمان ہیں۔

﴿سورۃ الزخرف آیت ۸۵﴾

تَبٰرَكَ اسْمُ رَبِّكَ ذِی الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ۝

بڑا برکت والا نام ہے آپ کے پروردگار عظمت

والے احسان والے کا۔

﴿سورۃ الرحمٰن آیت ۷۸﴾

تَبٰرَكَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ ۝

بہت برکت والا ہے وہ اللہ جس کے ہاتھوں میں

ساری حکومت ہے اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔

﴿سورۃ الملک آیت ۱﴾

اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے کن کن مقدس

چیزوں کے ذکر مبارک میں یہ لفظ مُبارک کو استعمال فرمایا ہے۔

مُبارک کلام

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ

اور یہ برکت والی کتاب ہے جو ہم نے نازل فرمائی

﴿سورۃ الانعام آیت ۹۲۔۱۵۵﴾

مُبارک ذِکر

وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنٰهُ

اور یہ قُرآن برکت والا ذکر ہے جو نازل فرمایا۔

﴿الانبیاء آیت ۲۱﴾

مُبارک گھر مُبارک شہر

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِىْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ ۝

بیشک سب سے پہلا گھر جو لوگوں کی عبادت کا مقرّر ہوا وہ مکّہ میں ہے برکت والا نُور سارے جہان کا راہنما۔

﴿سورۃ آلِ عمران آیت ۹۴﴾

مُبارک منزل

وَقُلْ رَّبِّ اَنْزِلْنِىْ مُنْزَلًا مُّبٰرَكًا

اور کہنا کہ اے پروردگار مجھے برکت کا اُتارنا اُتاریو۔

﴿سورۃ المومنون آیت ۲۹﴾

مُبارک بارش

وَنَزَّلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً مُّبٰرَكًا

اور ہم نے آسمان سے برکت والا پانی اُتارا۔

﴿سورۃ ق آیت ۹﴾

مُبارک شجر

یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَةٍ مُّبٰرَكَةٍ زَیْتُوْنَةٍ

چراغ روشن کیا جاتا ہے ایک بہت برکت والے

درخت زیتون سے۔

﴿سورۃ النور آیت ۳۴﴾

مُبارک رات

اِنَّا اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ

کہ ہم نے اسے ایک برکت والی رات میں اُتارا ہے

﴿سورۃ الدخان آیت ۳﴾

اِس مبارک موضوع پر قُرآن و حدیث کی روشنی میں اور بھی بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے بہر صورت قرآن و حدیث کی ایک بھی ایسی نص موجود نہیں جس سے کسی کافر و مشرک اور بُت پرست کو مُبارک ثابت کیا جا سکے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بقول حیدر کرار مبارک ہونا دلیل ہے

اس بات کی کہ وہ مومن و موحد تھے اور مہذب و مبارک تھے۔

تیسری بات ان اشعار میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں یہ فرمائی ہے۔

ان کی فضیلت خدا نے بیان فرمائی ہے

اس کا حقِ تبصرہ بحق ناظرین چھوڑا جاتا ہے کیونکہ اس ایک جملے کی تشریح شروع کردی گئی تو یہ کتاب ہزاروں صفحات سے بھی تجاوز کر جائے گی جب کہ یہ جملہ ہی ایمان ابوطالب کی تصدیق کرنے کے لئے ایک مکمل کتاب ہے۔

چوتھی بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے شعروں میں یہ تھی کہ،

حضرت ابوطالبؓ نے خدا کی راہ میں جہاد کیا ہے اور یہ جہاد خدا کی راہ میں سرکشی کرنیوالوں کے ساتھ کیا ہے۔

ہم اس کا فیصلہ بھی قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں کیونکہ یہ مضمون بھی اگر تفصیل میں جائے تو سینکڑوں صفحات کا متقاضی ہے اور اگر اجمال میں اسی قدر ہی رہنے دیا جائے تو سیدنا ابوطالب کے مومن صحابی جنتی اور افضل ترین مسلمان ہونے پر ایک مکمل کتاب اور نا قابل تردید استدلال ہے اور قطعاً کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔

آخری بات حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے ان اشعار میں کہی تھی

کہ،

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایفائے

عہد کیا ہے اپنے وعدے کو پورا فرمایا ہے اپنے

عہد و پیمان کا لحاظ کیا ہے۔

ان جملوں پر ہم قارئین کو ضرور دعوت غور وفکر دیں گے اور یہ سوال کریں گے کہ آپ نے کون سے عہد کی پابندی کی تھی کس وعدے کا لحاظ کیا تھا اور کس پیمان کو پورا کیا تھا۔

کیا یہ وہ عہد و پیمان تھا جو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال فرمانے پر آپ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی کفالت میں لیتے وقت کیا تھا۔

یا رسول کریم علیہ تحیۃ والسّلام سے ان کی حفاظت اور ان کے دین کی نُصرت و حمایت کا وعدہ تھا۔

یہ دو ہی وعدے ہو سکتے ہیں پہلا وعدہ اگرچہ حضرت علی کی موجودگی میں نہیں ہوا تھا لیکن اس کا آپ کو معلوم ہو جانا بھی کوئی مشکل نہیں تھا لیکن اس وعدے میں بھی حضرت عبدالمطلب کا یہ فرمان موجود ہے کہ ھذا ابنی نبیا کہ یہ میرا بیٹا نبی ہے۔

اور دوسرا وعدہ تو کسی وضاحت کا محتاج ہی نہیں کیونکہ یہاں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا دونوں کے ایفائے عہد کا شکریہ ادا کیا جارہا ہے آخر یہاں اس کے سوا کیا سوچا جا سکتا ہے کہ ایک مُسلمان پر جو ذمہ داریاں اللہ اور رسول کی طرف سے اس پر ڈالی جاتی ہیں وہ اس سے پُورے طور پر عہدہ برآ ہو گیا ہے۔

غور کیجئے اور خوب سوچئے اور اس کا فیصلہ خود ہی فرما لیجئے۔

ہم چاہتے تھے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے اشعار کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ان فرامین عالیہ کو بھی یہاں نقل کر دیتے جو اُنہوں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر ارشاد فرمائے ہیں تا کہ یہیں پر ہی اس نزاع کا مکمل فیصلہ ہو جاتا لیکن اس طرح دیگر مضامین کے تشنہ رہ جانے کا قوی امکان ہے۔ اس لئے ان کو کسی دُوسرے مقام پر پیش کیا جائے گا تاہم یہ دس کی دس تحریری دستاویزات حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر و مشرک اور بُت پرست نہ ہونے پر مکمل ترین شہادت ہیں۔ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ○

زیرِ بحث روایت کا آخری حصہ مشرکین کیلئے استغفار

اب جبکہ آپ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مشرک اور بت پرست نہ ہونے کے متعلق دس عقلی دلائل اور دس تحریری ثبوت نہایت معتبر کتب سے ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

تو اندریں حالات کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ وہ آیاتِ مبارکہ جن میں بالصراحت مُشرکین کے اِستغفار سے منع کیا گیا ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہیں اگرچہ جو کچھ اب تک بتایا جا چکا ہے اس کی موجودگی میں مزید یہ بتانے کی ضرورت تو باقی محسوس نہیں ہوتی کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہرگز وہ آیت نہیں آئی ہوگی جس کا اوپر ذکر کیا گیا تاہم اپنے موقف کو مزید مضبوط بنانے کے لئے ہم چند ایسی ثقہ روایات وواقعات پیش کرتے ہیں جن سے قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ یہ آیت ہرگز حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نہیں ہے جس کو بخاری مسلم نے نقل کر کے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرک اور جہنمی ثابت کیا ہے۔

پوری آیات ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں۔

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ ○

نبی اور ایمان داروں کے شایانِ شان نہیں کہ وہ
مُشرکوں کے لئے بخشش طلب کریں اگرچہ وہ ان کے
کتنے ہی قریبی ہوں جبکہ اُنہیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ
دوزخی ہیں۔

﴿سورۃ التوبہ آیت ۱۱۳ پ ۱۰﴾

اِس آیت مبارکہ کے متعلق پہلی بات تو یہ ہے کہ جس سورہ مبارکہ کی یہ آیت ہے اس کا نزول مبارک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے تقریباً دس سال بعد مدینہ منورہ میں ہوا ہے۔

حالانکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے خلاف جانے والی روایات میں بھی یہی بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ روایت ان کے انتقال کے چند ہی روز بعد نازل ہو گئی۔

دوسری بات اس آیۂ مبارکہ کے متعلق یہ ہے کہ مفسّرین کرام نے اس کے شانِ نزول کی کئی وجوہات بتائی ہیں بلکہ بعض مفسّرین تو اسے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تسلیم کرنے سے انکار کر رہے ہیں اور اس کی وہ یہی وجہ بتاتے ہیں کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مکہ معظّمہ میں ہوا ہے۔

اب آپ اس آیت کے متعلق تفصیل سے معلومات حاصل کریں۔

روایت میں ہے کہ جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے

کلمہ پڑھنے سے انکار کر دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

اے چچا میں تیرے لئے استغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے روکا نہ جائے پس یہ آیت نازل ہو گئی متن کے الفاظ پھر ملاحظہ فرمالیں۔

فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَآلِہٖ وَسَلَّمَ لَاَ سْتَغْفِرَنَّ لَکَ مَالَمْ اُنْہَ عَنْکَ فَنَزَلَتْ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ...... اِلٰی آخرہ

﴿بخاری مسلم و دیگر تفاسیر﴾

دوسری روایت

جس میں ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کی خبر دی تو آپ نے حضرت علی کو ارشاد فرمایا کہ ان کے کفن دفن کا انتظام کرو اور خود ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے استغفار میں مشغول ہو گئے اور کچھ دن گھر کے اندر ہی استغفار کرتے رہے حتیٰ کہ یہ آیت نازل ہو گئی۔

روایت کا متن ملاحظہ فرمالیں۔

وجعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم یستغفرلہ ایاما ولا یخرج من بیتہ حتی نزل جبریل علیہ السلام بھذہ الآیۃ۔

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا الی آخر۔

یعنی نبی اور مومنوں کی شان کے لائق نہیں کہ مشرکین کے لئے

استغفار کریں اسی طرح ہر اس کتاب میں یہ روایت موجود ہے جس میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کلمۂ توحید نہ پڑھنے اور کافر و مشرک ہونے پر مختلف روایات موجود ہیں۔

اب آپ تھوڑا سا غور فرمائیں کہ کیا ان روایتوں سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے دس برس بعد نازل ہوئی ہے۔

پہلی روایت پڑھنے سے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ اِدھر آپ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے استغفار شروع کیا اور اُدھر یہ آیت نازل ہو گئی۔

ہاں دوسری روایت میں یہ وضاحت موجود ہے کہ یہ آیت اسی وقت نازل نہیں ہوئی بلکہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چند یوم گھر سے باہر تشریف ہی نہیں لائے اور ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے استغفار کرتے رہے حتیٰ کہ یہ آیہ مبارکہ نازل ہو گئی۔

اب اس سے بڑھ کر ان روایات کے مخدوش ہونے کی اور کیا دلیل ہو سکتی ہے جن میں اس بُعد المشرقین کو جمع کر دیا گیا ہے۔

یہ تو راویانِ حدیث جانیں کہ ایسا کیوں کیا گیا یا ایسا کیوں ہوا۔ ہمیں تو یہاں پنجابی کا یہ محاورہ یاد آ رہا ہے کہ،

" اینان یارا کون نیبے گا "

یہ آیت کب نازل ہوئی

بعض لوگ اس قسم کا تاثر دینے کی کوشش کرتے ہیں کہ یہ آیت مکہ میں بھی نازل ہوئی تھی اور دوبارہ مدینہ منورہ میں بھی نازل ہوئی لیکن یہ غلط محض ہے۔

اور ہم عنقریب اس غلط فہمی کا ازالہ بھی کر رہے ہیں فی الحال چند ایسے حوالہ جات بلاحظہ فرمائیں جن سے ثابت ہو جاتا ہے کہ یہ آیت مدینہ منورہ میں نازل ہوئی اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں ہرگز نہیں اور یہ کہ سورہ توبہ شریف جس میں یہ آیت مبارکہ ہے قرآن مجید کے نزول کے مطابق قرآن کی آخری سورۃ ہے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کا انتقال اس آیت کے نزول مبارک سے دس بارہ سال پہلے ہو گیا ہے۔

ملاحظہ فرمائیں تفسیر قرطبی کشاف اور مراح لبید۔

علیٰ هذا نا سخة لا ستغفار النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم فانه استغفر له بعد موته علی ما روی فی غیرا لصحیح وقال الحسین بن الفضل و هذا بعید لان السورة من آخر ما نزل القرآن ومات ابی طالب فی عنفوان الاسلام بمکة۔

اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کی

ناسخ ہے پس جو آپ استغفار فرماتے تھے ان کی موت کے بعد اور یہ نادرست اور غیر صحیح ہے اور کہا حسین بن فضل نے کہ یہ بعید ہے کیونکہ یہ سورۃ مبارکہ قرآن کے آخر پر نازل ہوئی ہے اور حضرت ابو طالبؑ کا انتقال مکہ میں شروع اسلام کے ساتھ ہوا تھا۔

﴿تفسیر قرطبی ج۸ ص۲۷۳﴾

و ھذا اصح لان موت ابی طالب قبل الھجرت و ھذا آخر ما نزل بالمدینۃ۔

اور یہ صحیح تر ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مبارک ہجرت سے پہلے ہوا اور یہ آیت مدینہ منورہ میں آخر میں نازل ہوئی۔

﴿تفسیر کشاف ص۳۱۵ ج۲﴾

فظھرۃ بھذا الاخبار ان الاٰنۃ نزلت فی استغفار المسلمین لاقاربھم المشرکین ال نزلت فی حق ابی طالب لان ھذ السورۃ کلھا مدینۃ نزلت بعد تبوک لو بینھا و بین موت ابی طالب نکوا ثنی عشر اسنۃ

پس یہ ظاہر خبریں ہیں اس کی آیت کے متعلق کہ اس کا نزول ان مسلمانوں کے حق میں ہے جن کے قریبی

مشرک تھے نہیں نازل ہوئی یہ حضرت ابو طالب رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں" تحقیق یہ سورۃ پوری کی پوری
مدنی ہے اور اس کے نزول اور حضرت ابو طالب رضی
اللہ تعالیٰ عنہ کی موت کے درمیان بارہ ۱۲ سال کا وقفہ ہے

﴿تفسیر مراح لبید ص ۳۵۷ ج ۱﴾

اِس قسم کے کئی ایک حوالہ جات ہم مزید بھی پیش کریں گے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیہ مبارکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہرگز نہیں فی الحال ہم قارئین کو اس سنگینی حالات سے متعارف کرواتے ہیں جو اس آیت کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مان لینے سے پیدا ہو سکتی ہے۔

یہ تو آپ جان ہی چکے ہیں کہ یہ آیت مبارک جس سورۃ کی ہے اس کا نزول مدینہ منورہ میں پورے قرآن مجید کے آخر پر ہوا ہے اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ اگر اس پر یقین کر لیا جائے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہے تو اس کے سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس پر کس قدر حتمی اثرات مرتب ہوتے ہیں کیونکہ قرآن مجید میں اس قسم کے متعدد احکامات اس آیت سے پہلے بھی نازل ہو چکے ہیں جن میں کفار و مشرکین اور منافقین کے قطعی جہنمی ہونے کے لئے استغفار نہ کرنے، ان کے لئے استغفار بیکار محض ہونے ان سے انقطاع کُلی اور ترکِ موالات

کر لینے کا حکم خداوندی موجود ہے۔

اب یا تو یہ ماننا پڑے گا

﴿۱﴾ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم احکامِ خُداوندی کی پرواہ نہیں کرتے تھے۔ ﴿معاذ اللہ﴾

﴿۲﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دُوسروں پر تو احکامِ الٰہی نافذ فرماتے تھے لیکن خُود ان کے پابند نہیں تھے ﴿معاذ اللہ﴾

﴿۳﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ جانتے ہوئے بھی کہ مشرکین کے لئے جہنم مقدر ہو چکا ہے اور ان کے لئے استغفار نابیکار محض ہے ایک مُشرک کی بخشش کے لئے مسلسل دس سال وقت کو ضائع فرماتے رہے ﴿معاذ اللہ﴾

اس موضوع پر آئندہ چل کر بالوضاحت پھر بات کریں گے آپ پہلے قرآنِ مجید کی وہ آیات مبارکہ ملاحظہ فرمائیں جن میں اس آیت کا مفہوم بھی موجود ہے اور اس آیت مُبارکہ سے بہت عرصہ پہلے نازل ہو چکی ہیں۔

﴿۱﴾ سورۃ المائدہ آیت ۷۲

إِنَّهُ مَنْ يُشْرِكْ بِاللَّهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللَّهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ

بیشک جو اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرائے گا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کر دی ہے۔

﴿۲﴾ سورۃ النساء آیت ۴۸

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَاءُ۔

بیشک اللہ تعالیٰ اس کو نہیں بخشتا جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ٹھہراتا اور شرک کے سوا جتنے چاہے معاف فرما دے۔

﴿۳﴾ سورۃ الانعام آیت ۱۰۶

لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِکِیْنَ ○

اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں اور مُشرکین کی طرف سے منہ پھیر لو۔

﴿۴﴾ سورۃ النساء آیت ۱۶۸

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَھُمْ۔

بیشک جنہوں نے کُفر کیا اور حد سے بڑھے اللہ تعالیٰ اُنہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

﴿۵﴾ سورۃ محمد آیت ۳۴

ثُمَّ مَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ لَھُمْ۔

پھر کافر ہی مر گئے تو اللہ تعالیٰ اُنہیں ہرگز نہیں بخشے گا۔

﴿۶﴾ سورۃ المجادلہ آیت ۲۲

لَا تَجِدُ قَوْمًا يُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ يُوَآدُّوْنَ مَنْ حَآدَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَلَوْ كَانُوْٓا اٰبَآءَهُمْ اَوْ اَبْنَآءَهُمْ اَوْ اِخْوَانَهُمْ اَوْ عَشِيْرَتَهُمْ ط

ترجمہ!

جو لوگ اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں آپ انہیں ہرگز نہیں پائیں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے مخالفین سے دوستی رکھیں خواہ وہ لوگ ان کے باپ یا بیٹے یا بھائی یا ان کے کنبے والے ہی کیوں نہ ہوں۔

﴿۷﴾ سورۃ الممتحنہ آیت ۱۳

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ○

اے ایمان والو اُن لوگوں سے مت دوستی رکھو جن پر اللہ تعالیٰ نے عذاب نازل فرمایا ہے وہ آخرت سے ایسے مایوس ہو گئے ہیں، جیسے قبروں والے کافر مایوس ہیں"

﴿۸﴾ سورۃ النساء آیت ۱۴۴

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْکٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ ○

اے ایمان والو کفّار سے دوستی نہ رکھو سوائے مومنوں کے۔

﴿۹﴾ سورۃ الممتحنہ آیت ۱

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَعَدُوَّکُمْ۔

اے ایماندارو میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ

﴿۱۰﴾ سورۃ المنافقون آیت ۶

سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَھُمْ لَنْ یَّغْفِرَ اللّٰہُ

ان پر ایک جیسا ہے چاہے آپ ان کی مغفرت طلب کریں یا نہ طلب کریں اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔

آیہ مبارکہ

مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ

سے پہلے پیش کی گئی آیات کے مفہوم کی اور بھی بیشمار آیاتِ مبارکہ نازل ہو چکی ہیں مشتے نمونہ از خروارے کے پیش نظر یہ چند آیات مبارکہ پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

بتانا صرف یہ تھا کہ اس آیت سے پہلے خداوند کریم کی طرف سے یہ

احکامات صادر ہو چکے تھے کہ،

☆ کفّار و مُشرکین پر جنّت حرام ہے۔

☆ اللہ تعالیٰ مُشرکین کی بخشش نہیں فرمائیں گے۔

☆ کافروں کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے۔

☆ جو کافر مر گئے اُن کی بخشش نہیں ہوگی۔

☆ مُشرکین کی طرف سے منہ پھیر لو۔

☆ مُسلمان خُدا اور رسول کے دُشمنوں سے ہرگز دوستی نہ کریں خواہ وہ ان کے باپ ہوں یا بیٹے بھائی ہوں یا دیگر رشتہ دار،

☆ ایماندارو کفار سے دوستی نہ کرو۔

☆ ایمان والو اللہ کے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ۔

☆ کافروں کو مایوس کر دیا گیا ہے ان سے دوستی نہ کرو۔

اور منافقین کیلئے ہے کہ ان کی مغفرت طلب کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ انہیں نہیں بخشے گا۔

قرآن کریم کی ان روشن آیات کی موجودگی میں کسی طرح تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ صاحب قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی کسی کافر و مشرک کے لئے اپنی طبعی محبت کی وجہ سے استغفار کرتے رہے ہوں۔

یہ کس طرح مان لیا جائے کہ احکامات الٰہیہ کو نافذ فرمانے والا رسول خود ہی ان احکام کی خلاف ورزی کرے۔

یہ قطعی طور پر ناممکن اور امرِ محال ہے کہ صاحب قرآن ہی قرآن پر عمل کرنا چھوڑ دے مہبطِ وحی الٰہیہ ہی وحی خدا کی پرواہ نہ کرے۔

یہ کس طرح باور کر لیا جائے کہ خدا تو کافروں کو اپنا دشمن کہے اور رسول اُن سے محبت کریں۔

کیا "اَلْحُبُّ لِلّٰہِ وَالْبُغْضُ لِلّٰہِ" کا فرمان کرنے والا رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود ہی اس کا خلاف کر سکتا ہے؟

یہ کس طرح ممکن ہے کہ خُدا تو مُشرکین کی طرف سے منہ پھیر لینے کا حکم صادر فرمائے اور رسول خدا ایک مشرک کے ساتھ اس قدر ذہنی وابستگی اور قلبی لگاؤ کا اظہار فرمائیں کہ باوجود استغفار کے حکمِ اِمتناعی کے مُسلسل استغفار فرماتے رہیں۔

اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ کفّار و مُشرکین سے ترکِ موالات اور انقطاعِ کُلی کرلو ان کی بخشش نہیں ہوگی یہ مایوس کر دیئے گئے ہیں۔

پھر وہ کونسا داعیہ تھا جس کے ماتحت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام تر احکاماتِ الٰہیہ سے بے نیاز ہو کر ان کی مخالفت بھی کرتے رہے اور ایک ایسے بیکار کام میں بھی لگے رہے جس کا کسی بھی مرحلے پر کوئی فائدہ نہ ہو۔

دیگر تمام دلائل سے قطع نظر کر لیجئے صرف اسی ایک بات کا تجزیہ کر لیں کہ کیا یہ بات اُس رسول کے شایانِ شان ہو سکتی ہے کہ وہ دس بارہ سال کا

عرصہ ایک ایسے کام کے لئے ضائع کردے جو بیکار محض ہو اور پھر وہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جس کی حیاتِ ظاہری چند سالوں کے لئے ہو اور اسے پوری دنیا کی تقدیر کو بدلنا ہو جو کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا کے خلعت سے سرفراز کیا گیا ہو۔

جو رسولِ مکہ یا رسولِ عرب نہیں بلکہ رسول العٰلمین بن کر آیا ہو جس کی دُنیاوی زندگی کا ایک ایک لمحہ پوری کائنات سے بھی زیادہ قیمتی ہو۔ جس کا اُسوۂ حسنیٰ قیامت تک کے لئے مثالی بن کر دنیا کے سامنے رہنا ہو جس نے تسخیرِ قلوب کے ساتھ ساتھ تسخیرِ عالم کا فریضہ بھی ادا کرنا ہو۔

جس کا ہر کام منشاء خداوندی کے مطابق ہو جس کی ہر بات خدا کی بات ہو جس کا سونا جاگنا بیٹھنا اُٹھنا سب کچھ خُدا کے لئے ہو۔

جس کی زبان سے نکلا ہوا ہر حرف وُحیٌ یُّوحیٰ اِلَیَّ کی تفسیر ہو جس کی گفتگو وَ مَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی کی تشریح ہو،

اور جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہو وہ رسول کس طرح ایک بیکار کام میں دس بارہ سال کا عرصہ گذار سکتا تھا یہ سمجھ میں آ جانے والی بات نہیں ہم اس کو سوائے مفروضہ کے اور کوئی نام نہیں دے سکتے اگر اس روایت کو مبنی بر صداقت مان لیا جائے تو یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر بہتان کے مصداق ہوگا۔

اور پھر یہ بات محض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذاتِ اقدس

تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ اس سے تو ذات باری تعالیٰ پر بھی حرف آتا ہے۔

یہ کس طرح گمان کیا جاسکتا ہے کہ اس سے پہلے اللہ تبارک وتعالیٰ کو یہ معلوم نہیں تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے استغفار کررہے ہیں اور اگر پتہ تھا جیسا کہ ضروری ہے کہ ہر چیز ہمہ وقت علمِ الٰہی میں ہوتی ہے تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ دس سال کے طویل عرصہ تک اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک ایسے کام کی اجازت دے رکھی جو اسے پسند بھی نہ تھا اور بے فائدہ بھی تھا۔

اور اگر واقعی مشرکین سے ہر قسم کے انقطاع اور ترکِ موالات کے احکام اس آیت سے پہلے نازل ہو چکے ہیں اور مُشرکین کے اِستغفار سے روک دیا گیا ہے اور استغفار مشرکین کو بیکار اور بے فائدہ کہا جا چکا ہے۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ حقیقتاً ایسے احکامِ الٰہیہ پہلے آچکے ہیں تو پھر کیسے تسلیم کیا جاسکتا ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرک جانتے ہوئے بھی مزید حکمِ الٰہی کے منتظر رہے۔

یہ بات ان لوگوں کے لئے تو ہو سکتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی آزر کیلئے مغفرت چاہنے کی تفسیر نہیں سمجھ سکتے تھے۔

لیکن رسول تو خود ہی ناشرِ قرآن اور مفسرِ قرآن تھے آپ تو آیات الٰہیہ کی تفسیر کرنے والے تھے پھر آپ سے یہ بات کس طرح پوشیدہ رہ سکتی

تھی۔

دوسرے لوگ تو اِس کی وضاحت کے محتاج ہو سکتے تھے لیکن رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو خود وضاحت فرمانے والے تھے۔

اِس ایک ہی بات پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن ہم زیادہ تفصیل میں نہیں جائیں گے اصحابِ فہم و شعور اِن چند نکات سے بھی بہت کچھ سمجھ سکتے ہیں۔

مضمون کو امکانی حد تک سمیٹتے ہوئے اب ہم یہ بتائیں گے کہ مفسرین کا بھی اِس پر اجماع نہیں کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

بلکہ مفسرین اِس کی کئی وجوہات بتاتے ہیں جن کا کچھ حصہ ہدیۂ قارئین کیا جاتا ہے۔

اختلافِ شانِ نزول

واختلف اھل التاویل فی سبب الذی نزلت ھذہٖ الآیۃ مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْنَ

﴿تفسیر ابن جریر ج ۱۱ ص ۴۲﴾

﴿تفسیر دُرِ منثور ج ۳ ص ۲۸۲﴾

اہلِ تاویل کا اس آیت کے شانِ نزول کے اسباب

میں اختلاف ہے نبی اور مومنین کی شان کے لائق نہیں

کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔

پہلا سبب

فقال بعضهم نزلت فی شان ابی طالب عم النبی

صلی الله علیه وآله وسلم اراد ان یستغفر له بعد موته

فنهاه الله عن ذالك ۔

﴿ابن جریر ص ۴۳ ج ۱۱﴾

﴿درِ منثور ر۲۸۲ ج ۳﴾

﴿ابن کثیر ص ۲۹۳ ج ۳﴾

پس بعض نے کہا کہ یہ آیت رسول اللہ صلّی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کے چچا ابوطالب کی شان میں نازل ہوئی کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے

استغفار کا ارادہ کیا ان کے فوت ہونے کے بعد تو اللہ

تعالٰی نے منع فرمادیا۔

دوسرا سبب

عن عطیة قال لما قدم رسول الله صلی الله علیه وآله

وسلم مكة وقف علیٰ قبر أمه حتی سخنت علیه

الشمس رجاء ان یوذن له فلیستغفر لها حتی نزلت

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْن

الی آخرہ۔

﴿ابن جریر ص ۴۳ ج ۱۱﴾

﴿در منثور ۲۸۲ ج ۳﴾

﴿ابن کثیر ص ۲۹۲ ج ۳﴾

روایت بیان کی عطیہ نے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تشریف لائے تو اپنی والدہ کی قبر پر ٹھہرے حتیٰ کہ سورج گرم ہو گیا یہ اُمید کرتے ہوئے کہ والدہ کے استغفار کی اجازت مل جائے اور یہ آیت نازل ہو گئی۔

تیسرا سبب

عن ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم اراد ان یستغفر لامہ فنھاہ اللّٰہ عن ذالک

مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْن

حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی والدہ کے استغفار کا ارادہ فرمایا تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس سے

منع فرما دیا اور یہ آیت نازل فرمائی کہ نبی اور مومنین
کی شان کے لائق نہیں کہ مُشرکین کی مغفرت طلب
کریں۔

﴿ابنِ جریر ص ۴۴۳ ج ۳﴾
﴿عُمدۃ القاری ص ۱۰۵ ج ۱۹﴾
﴿کبیر ۱۸۹ ج ۱۱﴾

چوتھا سبب

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم استاذنت
ربی فی زیارۃ قبر اُمی فاذن لی واستاذنتہ فی الا
ستغفار لھا فلم یاذن لی فما روی باکیا اکثر من
یومئذ۔

رسول اللہ صلّی اللہ عَلَیہِ وآلِہٖ وسلّم نے فرمایا!
کہ میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت
طلب کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اجازت عطا فرمادی اور
جب میں نے ان کے استغفار کیلئے اجازت مانگی تو
اللہ تعالیٰ نے اس کی مجھے اجازت نہیں دی پس آپ
اُس روز اکثر روتے رہے۔

﴿ابنِ جریر ص ۴۳ ج ۱۱، ابنِ کثیر ص ۳۹۳ ج ۲، درِ منثور ص ۲۸۲ ج ۳﴾

پانچواں سبب

وقال آخرون بل نزلت من اجل ان قوما من اهل
الایمان کانوا یستغفرون لموتاهم من المشرکین
فنهوا عن ذالك فانزل الله تعالیٰ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ
الَّذِيْنَ آمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْن

اور کہا آخر والوں نے بلکہ اس کے نازل ہونے کی وجہ
یہ ہے کہ اہلِ ایمان میں سے اپنے مرنے والوں کے
لئے استغفار کرتے تھے جو کہ مشرکین میں سے تھے
پس منع فرمایا گیا اس سے اور اللہ تعالیٰ نے یہ آیت
نازل فرمائی کہ نبی اور مومنین کی شان کے لائق نہیں
کہ مشرکین کے لئے استغفار کریں۔

﴿ابن جریر ص ۴۴ ج ۱۱﴾ ﴿کشاف ۳۱۵ ج ۲﴾

چھٹا سبب

هذه الآیة تضمنت قطع موالات الکفار حیهم و
میتهم فان الله لم یجعل ان یستغفروا للمشرکین
فطلب الغفران المشرك لا یجوز فان قیل اصح ان
النبی صلی الله علیه وآله وسلم قال یوم احد حین
کسروا رباعیة شجوا وجهه اللهم اغفر لقومی جهنم

لا یعلمون فکیف یجتمع ھذا مع منع اللہ تعالیٰ رضو

لہ والمو منین من طلب المغفرۃ المشرکین۔

یہ آیت کفار کی دوستی اور ان سے محبت کے مقاطعہ کو

متضمن ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالی مومنوں کو یہ

اجازت نہیں دیتا کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار

کریں اس لئے کہ مشرک کے لئے استغفار کرنا جائز

نہیں اگر کہا جائے کہ یہ بات صحیح ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم کا اُحد کے دِن جب دانت مبارک اور چہرہ

زخمی ہوا تو آپ نے فرمایا کہ یا اللہ میری قوم کو معاف

فرمادے کہ وہ جانتے نہیں اب ان دونوں میں اتفاق

کس طرح ہوسکتا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول اور

مومنین کو مشرکین کی مغفرت طلب کرنے سے منع فرمایا

ہے۔

﴿تفسیر قرطبی ص ۲۸۳ ج ۸﴾

ساتواں سبب

عن عطا رباحہ قال ما کنت ادعیٰ الصلوٰۃ علیٰ احد

من اھل ھذہ القبلۃ ولو کانت حبشیۃ حبلی من الزنا م

لانی لم اسمع اللہ یحجب الصلوٰۃ الا عن المشرکین

یقول اللہ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْن

﴿ابن جریر ص ۴۳ ج ۱۱﴾ ﴿قرطبی ص ۲۷۳ ج ۸﴾

حضرت عطا ابنِ رباح سے روایت ہے کہ ہم لوگ ہر اہلِ قبلہ کی نماز جنازہ ادا کرتے تھے خواہ وہ زنا سے حاملہ حبشیہ ہی کیوں نہ ہو اور نہیں جنازہ پڑھتے تھے مُشرکین کا کیونکہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے نہیں مناسب نبی اور مومنوں کو کہ استغفار کریں مشرکین کے لئے۔

آٹھواں سبب

فقال بعضهم انزل من اجل النبی صلی اللہ علیه وآلہ وسلم و اصحابه کانوا یستغفرون لموتاهم لمشرکین ظنا منهم ان ابراهیم خلیل الرحمن قد فعل ذالك حين انزل الله قوله مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ وَالَّذِیْنَ آمَنُوْا اَنْ یَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِکِیْن

اور کہا بعض نے اس کے نزول کے سبب میں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین استغفار فرماتے تھے مرنیوالے مُشرکین کے لئے اس گمان سے کہ حضرت ابراہیم خلیل الرحمٰن علیہ

السّلام ایسا کرتے تھے اس وقت یہ آیت نازل ہوئی
نبی اور مومنین کی شان کے شایانِ نہیں کہ مُشرکین کے
لئے استغفار کریں۔

﴿ابن جریر ص ۴۳ ج ۱۱ عمدۃ القاری ص ۲۸۲ ج ۳ مسند احمد ص ۹۰ ج ۱﴾

نوواں سبب

عن قتادہ قال ذکر لنا ان رجالاً من اصحٰب النبی
صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم قالوا یا نبی اللّٰہ ان من
آبائنا من کان یحسن الجوار و یصل الرحم و یفك
العانی ویوفی بذمم افلا لا ستغفرن لابی
کما استغفر ابراھیم لابیہ فانزل اللّٰہ مَاکَانَ لِلنَّبِیِّ وَ
الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِلٰی آخر۔

حضرت قتادہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلّم کے چند صحابہ سے معلوم ہوا کہ ایک شخص نے
کہا کہ یارسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میرے آباء
میں سے بعض ایسے تھے کہ جو حقِ ہمسائگی ادا کرتے
تھے صِلہ رحمی کرتے تھے قیدیوں کو آزاد کرتے تھے اور
ذمہ داریوں کو لحوظ رکھا ہے کیا میں اپنے باپ کے لئے
اِستغفار کروں جیسا کہ ابراہیم علیہ السّلام نے اپنے

باپ کے لئے کیا تھا تو یہ آیت نازل ہوگئی۔

﴿ابنِ جریر جلد ۱۱ ص ۴۳﴾

﴿عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۰۵﴾

﴿کبیر ج ۱۱ ص ۱۸۹﴾

﴿درمنثور ج ۳ ص ۲۸۲﴾

﴿مسند احمد ج ۱ ص ۹۰﴾

دسواں سبب

عن علی قال سمعت رجلا یستغفر لابویه وهما مشرکون فقال اولم یستغفر ابراهیم لابیه فذکرت ذالك للنبی صلی الله علیه وآله وسلم فنزلت

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ

حضرت علی کرّم اللہ وجہہٗ الکریم روایت بیان فرماتے ہیں کہ ایک شخص استغفار کرتا تھا اپنے والدین کیلئے حالانکہ وہ دونوں مشرک تھے اور کہتا تھا کہ کیا نہیں استغفار کیا حضرت ابراہیم نے اپنے باپ کے لئے پس اس کا ذکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی کہ نبی اور مومنوں کی شان کے لائق

نہیں کہ وہ مُشرکین کے لئے استغفار طلب کریں۔

﴿ابنِ جریر ج ۱۱ ص ۴۳﴾ ﴿ترمذی شریف ج ۲ ص ۲۹۴﴾

﴿عمدۃ القاری ج ۱۹ ص ۱۰۵﴾ ﴿درِ منثور ج ۳ ص ۲۸۲﴾

﴿مسند احمد ج ۱ ص ۹۰﴾ ﴿قرطبی ج ۸ ص ۲۷۴﴾

﴿کشاف ج ۲ ص ۳۱۵﴾ ﴿مظہری ج ۴ ص ۳۰۷﴾

﴿کبیر ج ۱۱ ص ۱۸۹﴾ ﴿طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۲۴﴾

﴿مراح لبید ج ۱ ص ۳۵۷﴾

یہ بھی صحاح وہ بھی صحاح

یاد رہے کہ آیت کریمہ

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ

کی تفسیر بیان کرتے ہوئے کتاب التفسیر ترمذی میں امام ترمذی نے محض یہی ایک روایت نقل فرمائی ہے جو آپ ابھی ابھی دسویں سبب کے عنوان میں پڑھ چکے ہیں۔

اب جبکہ صحاح ستہ مقرر فرمانے والوں نے ترمذی شریف کو بھی مزعومہ صحاح میں شامل کر رکھا ہے تو کیا بخاری مسلم کے مقابلہ میں ترمذی کی اس روایت پر اعتبار نہیں کیا جا سکتا جبکہ بخاری مسلم بھی صحاح میں شامل ہیں اور ترمذی شریف بھی صحاح میں شامل ہے۔

بڑے لوگوں کی بڑی باتیں

ان دس عدد اسباب و وجوہات کے علاوہ بھی مفسرین کرام نے اس آیت مبارکہ کے شانِ نزول کی کئی مزید وجوہات بیان فرمائی ہیں جن میں سے ایک وجہ جو امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تفسیر میں مزید نقل فرمائی ہے عنقریب پیش کی جائے گی نیز علاوہ ابنِ جوزی سے بھی ایک نئی وجہ نقل کریں گے دیکھنا تو یہ ہے کہ اس آیتِ کریمہ کے شانِ نزول میں اس قدر وسیع تر اختلاف کی موجودگی میں بُخاری مُسلم کا قطعیت کے ساتھ یہ حکم لگانا کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی حق میں نازل ہوئی ہے حقائق و واقعات سے دانستہ اعراض نہیں تو اور کیا ہے جبکہ اس آیت کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں مان لینے سے متعدد رواۃِ حدیث کا انکار لازم آتا ہے۔

چونکہ یہ بڑے لوگوں کی باتیں ہیں اس لئے ہم اس پر زیادہ تبصرہ تو نہیں کر سکتے تاہم اتنا ضرور کہیں گے کہ اس قدر عظیم تضاد و تخالف کی موجودگی میں بُخاری مُسلم کی یہ روایت قطعی بے بنیاد مخدوش اور نا قابلِ اعتبار ہے۔

باقی رہا مُفسّرین کرام کا آیت کریمہ کے شانِ نزول میں اتنا بڑا اختلاف تو ہم اس پر بھی زیادہ زور نہیں دیں گے ہمیں صرف اپنے موضوع

سے کام ہے۔

اس لئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے علاوہ ہم اُن اقوال کی ضرور تردید کریں گے جن میں ہے کہ امام الانبیاء تاجدار مدینہ حضرت محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی والدہ ماجدہ حضرت سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے اِستغفار کرنا چاہا یا اِستغفار فرماتے تھے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت نازل کر کے منع فرمادیا کہ مُشرکوں کے لئے استغفار کرنا نبی کی شان کے لائق نہیں اور حکمِ اِمتناعی کے طور پر یہ آیت نازل فرمادی کہ !

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ

اگر چہ اس قسم کی روایات ان تمام مُعتبر کُتب میں بھی موجود ہیں جنہیں ایک طبقہ صحاح کے نام سے یاد کرتا ہے اور بعض کو قُرآن کے بعد کا درجہ دیا جاتا ہے۔

لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ ایسی متعدّد روایات قُرآنِ مجید سے ہی متحارب ومتصادم ہوں تفصیل کے ساتھ نہ سہی اجمالاً تو ہم یہ وضاحت کر ہی چکے ہیں کہ امام الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء فداہُ ابی و اُمّی کے والدین کریمین اور آپ کے تمام تر آباؤ اجداد کُفر وشرک کی آلودگیوں اور نجاستوں سے

پاک تھے۔

اب اگر معتبر کتب میں اسی قسم کی غیر معتبر اور غیر مربوط روایات درج کر رکھی ہوں تو ہم اس میں کیا کر سکتے ہیں۔

مثلاً مسلم شریف کی یہ روایت کہ "اَبِیْ وَاَبَاکَ فِی النَّار" اگرچہ مفسرین نے کافی سعی و جہد کے ساتھ اس کا ترجمہ و تفسیر یوں بیان کیا ہے کہ "میرا چچا اور تمہارا باپ جہنم میں ہیں" مگر یہ کوئی بننے والی بات تو نہیں یا تو سائل کے بھی چچا کا ہی ذکر کیا جاتا اور یوں ترجمہ ہوتا کہ میرا چچا اور تمہارا چچا دوزخ میں ہیں لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ "اَبِی" سے مراد میرا چچا ہو اور "اَبَاکَ" سے مراد تیرا باپ ہو۔

یہ توجیہہ خلوص و عقیدت پر مبنی تو تسلیم کی جا سکتی ہے لیکن مخالفین اس کو کب تسلیم کرتے ہیں اور وہ اُصول و ضوابط لسان کے تحت نقد و جرح کرتے ہوئے قطعی طور پر یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہاں اَبِی سے مُراد باپ ہے چچا نہیں جس کی پوری تفصیل والدین رسول الثقلین میں پیش کر رہے ہیں اور اگر یہاں ہم اس مفروضہ کو تسلیم بھی کر لیں کہ یہاں اَبِی سے مراد میرا چچا ہے تو اُن روایات کا کیا بنے گا جن میں واضح طور پر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ مکرمہ طیبہ طاہرہ محترمہ معظمہ سیّدہ آمنہ صلوٰۃ اللہ علیہا کو معاذ اللہ مُشرکہ اور جہنمیہ ثابت کیا گیا ہے۔

تن ہمہ داغ داغ شُد پنبہ کجا کجا نہم

سیّدہ آمنہ کے لئے دُعائے مغفرت

عن ابی ھریرۃ قال زار النبی صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم
قبر امہ فبکی وابکی من حولہ فقال صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلم استاذنت ربّی فی ان استغفرلھا فلم یوذون
لی واستاذنتہ فی ان ازور قبرھا فاذن لی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے
ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنی ماں کی
قبر کی زیارت کی تو آپ روئے اور جو جو آپ کے
ساتھ تھے وہ بھی روئے تو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ
وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی ماں کی
مغفرت کی اجازت طلب کی تھی لیکن خدا نے مجھے اس
کی اجازت نہیں دی پھر میں نے اپنی ماں کی قبر کی
زیارت کی اجازت مانگی تو اس کی اجازت مجھے خدا
تعالیٰ نے دے دی۔

﴿مسلم شریف حدیث ۱۰۹۰،۱۰۹۲﴾

کیا فرماتے ہیں؟

کیا فرماتے ہیں اصحابِ تاویل اس مسئلہ کے بارے میں کہ !

"ابی و اباک فی النار" کی روایت میں تو اَبی سے مراد چچا ہے اور چچا بھی وہ جس کا نام ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہے ابولہب نہیں کیونکہ یہ معاوضہ صرف ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی اُن کی خدمات کا دیا جا سکتا تھا خیر یہ تو ہوا لیکن اب "اُمّی" سے مراد چچی کیوں نہیں لیا جاتا کیونکہ یہاں بھی تاویل ہو سکتی تھی اور آسانی سے روایت کا رُخ تبدیل کیا جا سکتا تھا کہ یہاں سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے بجائے حضرت فاطمہؑ بنتِ اسد زوجۂ ابو طالب مُراد ہیں اور ایسا کر لینا مُشکل بھی نہیں تھا کیونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی موجود ہے کہ یہ میری ماں کے بعد ماں ہیں۔

آپ کا جواب ہوگا کہ اُن کا ایمان مُسلّم الثبوت ہے چلئے مان لیا لیکن یہ تو بتایئے کہ سیّدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایمان کیوں مشکوک ہے اُس مخدومۂ کائنات کے متعلق کیوں اضطراب ہے کہ اُن کے لئے استغفار کی اجازت نہیں ملی۔

ہمیں معلوم ہے کہ بعض عقیدت کیش اس روایت کی کچھ اس طرح تاویل کر لیتے ہیں کہ مخدومۂ کائنات سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے لئے استغفار کرنے کی اجازت اس لئے خداوند کریم نے نہیں فرمائی کہ وہ پہلے ہی طیّبہ طاہرہ اور بخشی ہوئی تھیں۔

لیکن یہ تاویل محض خوش عقیدگی اور خوش فہمی کے سوا کچھ بھی نہیں

کیونکہ اِس روایت کا باقی حصہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے استغفار کی اجازت نہ ملنے پر سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انتہائی صدمہ ہوا اور آپ زار و قطار رونے لگے اور آپ کے ساتھی بھی آپ کے غم میں شریک ہوکر روتے رہے۔

علاوہ ازیں اِس روایت پر اُن لوگوں کا پورا زور ہے جن کے خیال میں امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد کافر ومُشرک اور جہنمی ہیں معاذ اللہ اور وہ اُس قسم کی تاویلات کو تمسخرانہ انداز سے دیکھتے ہیں اور ایسی باتوں کو تاویل کرنے والوں کی کم علمی پر محمول کرتے ہیں اور اِن روایات کا سہارا لیکر سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ مکرّمہ کو معاذ اللہ کافرہ اور مُشرکہ ثابت کرنے کے لئے پورا زور صرف کردیتے ہیں اور کسی پہلو کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیتے جس کی تفصیل ہم اپنی کتاب "والدین رسول الثقلین" میں پیش کررہے ہیں۔

اندریں حالات جبکہ ہمارے پاس ایسے رواۃ موجود ہیں جن میں تاجدار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد موجود ہے کہ ہمارے اَبوین کریمین اور تمام آباؤ اجداد کرام طیّب وطاہر اور مصفّا مہذّب ہیں تو پھر اس قسم کی روایات پر کیوں یقین کیا جاتا ہے جن سے اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے۔

کیا ایسی روایت کو مخدوش ومنسوخ نہیں سمجھا جاسکتا۔

اور اگر آپ اس روایت کو اس لئے درست ماننے پر مجبور ہیں کہ یہ کُتب صحاح میں موجود ہے تو پھر اُن روایات کا صاف انکار کیوں نہیں کر دیتے جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا مومنہ اور موحدہ ہیں۔

مجھے تو حیرت ہوتی ہے کہ آپ اِس دوہرے عقیدے کو برداشت کس طرح کرتے ہیں اور اس بُعد المشرقین کو خانۂ دِل میں کس طرح سجائے ہوئے ہیں۔

حالانکہ اہلِ سُنت کا طُرّۂ امتیاز ہمیشہ سے یہی رہا ہے کہ تقیہ بازی اور مضطرب عقائد سے پہلو تہی کرتے ہوئے صحت و صداقت پر مبنی ٹھوس عقائد پر ثابت قدم رہیں۔

یہ کوئی معمولی بات نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کا معاملہ ہے اُن کے مقدّس اور معزز گھرانے کی عزّت کا سوال ہے اگر وہ لوگ خدانخواستہ کافر و مُشرک ہی تھے تو اُن سے محبت و مودّت اور تعلّقِ عقیدت کا جواز کہاں سے پیدا کیا جائے گا اور پھر کفار و مُشرکین کے اصلاب و ارحام میں منتقل ہونے والے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طہارتِ نَسبی کو کن وجوہ کی بناء پر قائم رکھا جا سکے گا۔

ایسی روایات جن سے تنقیصِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پہلو نکلتا ہو یقیناً مخدوش اور ناقابلِ یقین ہیں چاہے وہ کسی بھی کتاب میں

موجود ہوں۔

اس لئے کہ عصمت و طہارت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید سے منصوص ہے۔

سب سے ضروری چیز ہے عزّت رسول کی
منصوص ہے قرآن سے عصمت رسول کی

ترسم نہ رسی بکعبہ اے اعرابی
کیں راہ کہ می روی بترکستان است

حالات سے مصالحت

بدگمانی سوءِ ظن اور اُلجھنوں کے رفع کرنے کے لئے متعدد متون میں استعمال ہونے والے بعض الفاظ یا بعض واقعات کی قرینِ صحت پاکیزہ اور قابلِ فہم تاویلات کا دروازہ نہ کبھی بند ہوا ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے اس لئے کہ اگر اس راستہ کو مسدود کر دیا جائے تو سینکڑوں مسائل و واقعات دینی و دنیوی یا تو مسترد کر دینا پڑیں گے یا پھر ایک اُلجھن کو ختم کرنے کے سلسلہ میں کئی دوسری جدید اور نئی الجھنوں کا شکار ہونا پڑے گا۔

اس حقیقت کو تسلیم کرنے اور مبنی بر صداقت سمجھنے کے باوجود ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ بعض مصلحت کیش عُلماء قرار واقعی حالات سے مقابلہ کرنے کی بجائے مصالحت کو ترجیح دینا پسند کرتے ہیں اور اگر کسی بڑے آدمی کا سہو اُن کے سامنے نمایاں صُورت میں آ بھی جائے تو اس پر گرفت کرنے کی بجائے اس قسم کی نحش نا قابلِ فہم غیر دیانتدارانہ اور غلیظ تاویل کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں جو بجائے دُوسروں کو حقائق کے قریب تر کرنے کے

مزید دُور کر دینے کا ذریعہ بنی رہتی ہے۔

بیں عقل و دانش بباید گریخت

اس قسم کی تاویلات میں سے مُسلم شریف میں آنے والی روایت ابی و اباك فی النّار طیّبہ طاہرہ سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو حدیث کی اسی کتاب مُسلم شریف میں واضح طور پر کافرہ اور مُشرکہ کہا گیا ہے معاذ اللہ فی ہذا العقیدہ۔

کیونکہ!

ملکۂ فردوس و جنّت ہیں جناب آمنہؑ

مہبطِ نُورِ رسالت ہیں جنابِ آمنہؑ

ضُوفگن تھا ان کے بطنِ پاک میں نُورِ خُدا

مخزنِ انوار و رحمت ہیں جناب آمنہؑ

بچاؤ کا راستہ ہی نہیں

سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے مزارِ اقدس کی زیارت کے سلسلہ میں مُسلم شریف میں ان الفاظ کے ساتھ باقاعدہ طور پر ایک فصل مقرّر کی گئی ہے کہ فصل مشرکین کی قبروں کی زیارت کے جائز ہونے اور ان کے لئے استغفار طلب کرنے کے منع ہونے کے بیان میں اور پھر یہ روایت نقل کی گئی ہے۔

فصل فی جواز زیارة القبور المشرکین و منعه الا ستغفار لهم۔

﴿۱﴾حدثنا یحیٰی بن ایوب و محمد بن عباد واللفظ لیحیٰی قالا حدثنا معاویة عن یزید ابن کیسان عن ابی حازم عن ابی هریرة قال قال رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم استاذنت ربی لی لستغفر لامی فلم یاذن لی واستاذنته ان ازور قبرها فاذن لی۔

روایانِ حدیث! یحییٰ بن ایوب محمد بن عباد اور دوسرے لفظوں میں یحییٰ مروان بن معاویہ یزید بن کیسان ابی حازم حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روائت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے اپنی والدہ کے لئے مغفرت اور بخشش طلب کرنے کی دعا کی تو مجھے اجازت نہ دی گئی مگر جب میں نے ان کی قبر کی زیارت کے لئے اجازت طلب کی تو مل گئی۔

﴿۲﴾حدثنا ابوبکر بن ابی شیبة و زهیر بن حرب قالا حدثنا محمد بن عبید عن یزید کیسان عن ابی حازم عن ابی هریرة قال زار النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم قبر امه فبکی وابکی من حوله فقال صلی

الله علیه وآله وسلم استاذنت ربی ان استغفر لها فلم

یوذن لی واستاذنته فی ان ازور قبرها فاذن لی فزوروا القبور

فانها تذکر کم الموت ۔

﴿مسلم شریف جلد۱ صفحہ۳۱۴﴾

راویان حدیث ابوبکر بن ابی شیبہ زہیر بن حرب محمد

بن عبید یزید بن کیسان ابی حازم حضرت ابو ہریرہ رضی

اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی والدہ مکرمہ کی قبر کی زیارت کو

تشریف لے گئے تو آپ وہاں رونے لگے اور پھر

جب آپ نے رونا بند کیا تو فرمایا کہ میں نے اپنے

پروردگار سے ان کی مغفرت کی اجازت مانگی تو مجھے

اجازت نہ دی گئی اور جب میں نے ان کے مزار کی

زیارت کی اجازت مانگی تو اس کے لئے بایں وجہ

اجازت مل گئی کہ قبروں کی زیارت کیا کرو تاکہ تمہیں

موت کی یاد آتی رہے۔

تبرک کی قسمیں

قوله صلی الله علیه وآله وسلم "استاذنت ربی ان

استغفر لامی فلم یاذن لی واستاذنته ان ازور قبرها

فاذن لی "فیہ جواز زیارۃ المشرکین فی الحیوٰۃ وقبورھم بعد الوفاۃ لانہ اذا جازت زیارتھم بعد الوفاۃ ففی الحیاۃ اولیٰ وقد قال اللّٰہ تعالیٰ وصاحبھما فی الدنیا معروفا وفیہ نھی الاستغفار للکفار۔

شرح امام نووی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد کہ میں نے اپنے پروردگار سے اپنی والدہ کی بخشش طلب کرنے کی اجازت مانگی تو نہ ملی مگر قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مل گئی۔

تو اس سے یہ ثابت ہوا کہ مشرکین کی زیارت ان کی زندگی میں بھی جائز ہے اور ان کے فوت ہونے کے بعد ان کی قبروں کی زیارت بھی جائز ہے کیونکہ جب ان کے فوت ہو جانے کے بعد ان کی زیارت جائز ہے تو ان کی زندگی میں زیارت کرنا تو بدرجۂ اولیٰ جائز ہوا۔

اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا کہ ان کا دُنیا میں تمہارا ساتھی ہونا معروف ہے اور اس میں کافروں کے لیے استغفار کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

قال القاضی عیاض رحمۃ اللّٰہ علیہ سبب زیارۃ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم قبرھا انہ قصد قوۃ الموعظۃ والذکریٰ بمشاھدۃ قبرھا ویؤیدہ قولہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فی الآخر الحدیث فزوروا القبور فانھا تذکرۃ الموت۔

قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنی والدہ مکرمہ کے مزار کی زیارت کا ارادہ کرنے کا سبب یہ تھا کہ قبروں کو دیکھنے سے نصیحت حاصل ہوتی ہے اور اس کی تائید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اِس ارشاد سے ہوتی ہے کہ قبروں کی زیارت کیا کرو تاکہ تمہیں موت یاد آتی رہے۔

کہاں تک چلو گے

امام نووی شارح مسلم دوسری حدیث کی شرح میں مزید گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ امام مسلم کا یہ قول کہ حدیث بیان کی مجھ سے ابوبکر بن ابی شیبہ اور زہیر بن حرب نے اور ان دونوں نے کہا کہ حدیث بیان کی ہم سے محمد بن عبید نے یزید بن کیسان سے اور اس نے ابی حازم سے کہ حضرت ابوہریرہ

قوله حدثنا ابو بكر بن ابي شيبة و زهير بن حرب قالا حدثنا محمد بن عبيد عن يزيد بن كيسان عن ابي حازم عن ابي هريرة قال زار النبي صلى الله عليه وآله وسلم قبر امه فبكى و ابكى من حوله فقال استاذنت ربي في استغفر لها فلم يوذن لي واستاذنته في ان ازور قبرها فاذن لي فزوروا القبور فانها تذكر كم الموت هذا الحديث وجد في رواية ابي العلاء بن ماهان لاهل المغرب و لم يوجد في روايات بلادنا من جهته عند الناقد فارسي و لكنه يوجد في آخر كتاب الجنائز و نصيب عليه وربما

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی تو آپ رونے لگے اور پھر رونا ختم کر کے فرمایا کہ میں نے اپنی والدہ کے لئے مغفرت طلب کرنے کی اپنے رب سے اجازت طلب کی تو نہ ملی اور قبر کی زیارت کی اجازت مل گئی تو تم قبروں کی زیارت کیا کرو اس سے موت یاد آتی ہے۔

بالکل درست ہے

یہ حدیث میں نے اہلِ مغرب میں سے ابی اعلاء بن ماہان کی روایت میں دیکھی ہے اور عبدالغافر فارسی کی وجہ سے اسے اپنے شہروں کی روایات میں کہیں نہیں دیکھا ہاں مگر کتاب الجنائز کے آخر پر کُتب حاشیہ کی صورت میں تقسیم شدہ ملاحظہ کیا ہے اور ابوداؤد نے سُنن ابوداؤد میں محمد بن سُلیمان انباری اور محمد بن عبید سے انہی اسناد کے ساتھ روایت کی ہے اور نسائی

کتب الحاشیة ورواہ ابو داؤد فی سننه عن محمد بن سلیمان الانباری عن محمد بن عبید بهذا الاسناد رواہ نسائی عن قتیبه عن محمد بن عبید و رواہ ابن ماجة فی کثیر من الاصول عن ابی بکر بن ابی شیبة عن محمد بن عبید و ھولا کلھم ثقات فھو حدیث صحیح بلا شك۔

﴿شرح نووی ص ۳۱۴ ج ۱ مسلم شریف﴾

نے قتیبہ سے محمد بن عبید کی روایت نقل کی ہے اور ابن ماجہ نے کثیر اصولیین سے روایت کی ہے جن میں ابی بکر بن شیبہ کی محمد بن عبید سے روایت بھی موجود ہے اور یہ تمام لوگ ثقہ ہیں پس یہ حدیث بلا شک و ریب صحیح ہے۔

روئے اس لئے تھے

اور روایت کے یہ الفاظ فبکی و ابکی من حولہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رونے لگے تو قاضی نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا اس وجہ سے تھا کہ آپ کی والدہ آپ کے ادراک کے زمانہ اور آپ پر ایمان لانے سے پہلے فوت ہو چکی تھیں۔

شفاعت کا تنا کٹ گیا

باب اس بیان کا کہ جو شخص کفر پر فوت ہوا وہ جہنمی ہے اور اسے نہ تو شفاعت پہنچے گی اور نہ ہی اسے مقربین خدا کی قرابت نفع دے گی۔

قولہ فبکی و ابکی من حولہ قال القاضی بکاؤہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علی ما فاتھا من ادراک ایامہ والایمان بہ

﴿شرح نووی ص ۳۱۴ ج ۱ مسلم شریف﴾

حد ثنا ابو بکر بن ابی شیبہ قال حد ثنا عفان قال

حد ثنا حماد بن سلمۃ عن ثابت عن انس ان رجلا

قال یا رسول اللہ این ابی قال فی النار قال فلما قفی

دعاہ فقال ان ابی و ابیک فی النار۔

﴿مسلم شریف ص ۱۱۴ ج ۱﴾

حدیث بیان کی ابو بکر بن ابی شیبہ نے کہا حدیث بیان کی عفان نے

کہا کہ حدیث بیان کی حماد بن ثابت نے حضرت ثابت بن انس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ سے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں

عرض کی یا رسول اللہ میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا کہ آگ میں ہے

پھر آپ نے اسے واپس بلوا کر فرمایا تیرا باپ اور میرا باپ آگ میں ہیں۔

کس کس کی تاویل کرو گے

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے امام نووی فرماتے ہیں اس میں

یہ ہے کہ جو کوئی کفر پر فوت ہوا اُسے خدا تعالیٰ کے مقربین کی قرابت کوئی نفع

نہیں دے گی۔

اور اس سے مراد ہے کہ جو کوئی فترت کے زمانہ میں فوت ہوا وہ اہل

عرب کے عقیدہ پر ہے اور اہل عرب بتوں کی پرستش کرتے تھے لہٰذا وہ آگ

میں ہے اور یہ مواخذہ ان کو دعوت الی الحق پہنچنے سے مشروط نہیں کیونکہ انہیں

حضرت ابراہیم خلیل اللہ و دیگر انبیاء کرام صلوات اللہ علیہ وسلامہ علیہم کی طرف

سے دعوت پہنچ چکی تھی۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان کہ بے شک میرا باپ اور تیرا باپ آگ میں ہیں آپ کے حسنِ معاشرت اور اس شخص کو تسلی کے لیے تھا کہ گھبراؤ نہیں یہ مصیبت ہم اور تم دونوں میں مشترک ہے۔

ان تشریحات کے بعد

قارئین کرام حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ مکرمہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا اور والدِ معظم سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق مزعومہ صحاح کی مشہور کتاب مسلم شریف اور اس کی شرح کی عبارات ملاحظہ فرما چکے ہیں اس لئے ان پر مزید تبصرہ کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی البتہ آپ کو ان عبارات پر غور و فکر کی دعوت ضرور دیں گے تاکہ آپ بھی نت نئی تاویلوں کے جھنجھٹ سے نکل کر حقائق کے قریب آنے کی کوشش کریں۔

کون سا راستہ اختیار کیا جائے

حضور سرورِ انبیاء صاحبِ شفاعتِ کبریٰ ساقیٔ کوثر مالکِ فردوس و جنت باعثِ ایجادِ کون و مکان غایتِ تخلیقِ کائناتِ ارضی و سماوی شفیع المذنبین رحمۃ للعالمین سیدِ اولادِ آدم سیاحِ لامکان احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ معظمہ سیدہ آمنہ صلوٰۃ اللہ سلام اللہ علیہا کو معاذ اللہ کافرہ اور مشرکہ ثابت کرنے کے لئے بعض ثقہ کتب میں آنے والی غیر ثقہ

روایات کی جس قدر پذیرائی کی گئی ہے سطور مندرجہ بالا اس پر شاہد عدل ہیں۔

سوال یہ نہیں کہ یہ روایت اور اس قسم کی دیگر روایات ذخیرہ کتب حدیث میں موجود کیوں ہیں اس لئے کہ اس سوال کے جواب کیلئے سینکڑوں صفحات بھی ناکافی ہیں اس لئے صرف یہ ہے کہ یا تو شارحین مُسلم کی طرح پُوری قوت کے ساتھ نہ صرف ان روایات کا صحیح ہونا ثابت کیا جائے بلکہ اس کے کُلّہم راویوں کی ثقاہت پر بھی مہر تصدیق ثبت کر دی جائے اور ان میں سے ہر راوی کو کم از کم معصوم سمجھنے کی ترغیب دی جائے۔

اور یا پھر اگر یہ ایمان کش روایات قرآنی نصوص اور بعض دوسری ثقہ روایات سے متصادم اور معارض ہیں تو پھر ان کے لئے کم از کم وہ طریقہ تو اختیار کیا جائے جو محدثین کرام نے خود ہی وضع کر رکھا ہے۔

اوّل یہ کہ ایسی روایات بیان کرنے والے تمام تر راویوں کو فنّ رجال کی کسوٹی پر پورے طور پر کھا جائے اور کسی ایک شخص کے ان کو ثقہ کہنے سے پر ہی اکتفاء کرنا چاہیئے۔

دوم یہ کہ اگر بفرضِ محال کُلّہم راوی معصوم عن الخطاء ثابت ہو جائیں تو پھر انہیں قرآنی نصوص سے متصادم ہونے کی وجہ سے بھی مسترد کیا جا سکتا ہے۔

سوم یہ کہ ہر وہ روایت جو تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عصمت کے خلاف ہوگی وہ کسی بھی صورت میں لائق اعتنا ہونے کی مستحق قرار نہیں دی جاسکتی۔

لہٰذا اس قسم کی روایات کے سلسلہ میں محض اس لئے اضطراری کیفیات کا شکار ہو جانا کہ یہ فلاں فلاں ثقہ کتب میں نقل ہو چکی ہیں ہولناک قسم کی سادہ لوحی ہے۔

ایماں کی موت اضطراب و اضطرار ہے
حق سے گریز دین سے راہِ فرار ہے

بابؑ یازدہم

قرآن کے بعد بخاریؒ

درجہ بندی کس نے کی

؟

اگر چہ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے مضمون سے ذرا سا ہٹ رہے ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ان سب باتوں کا ہمارے مضمون کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔

ہم یہاں یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض لوگوں نے مشہور کر رکھا ہے کہ چونکہ قُرآن مجید کے بعد بُخاری شریف کا درجہ ہے اس لئے جو روایت بھی بخاری شریف میں آ جائے وہ بالکل ٹھیک اور قطعی طور پر درست اور صحیح ہے۔

ہمیں آج تک نہیں معلوم ہو سکا کہ یہ بدعت کس لئے جاری کی گئی ہے کہ قُرآن کے بعد بُخاری کا درجہ ہے اصول کے مطابق ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر فرمانِ مقدّس کو قُرآن کے بعد کا درجہ دیا جائے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ مہبطِ وحیِ الٰہیہ کا ہر فرمان ہی فرمانِ خداوندی اور وَمَا یَنطِقُ عَنِ الْھَوٰی کی تفسیر ہے۔

یہ کیا بات ہوئی کہ ایک کتاب کو مخصوص کر کے قرآن مجید کے بعد کا درجہ دیا جائے اور دوسری ہزاروں کی تعداد تک پہنچنے والی کتب احادیث کو ایسا نہ سمجھا جائے۔

کیا اس قسم کے تاثرات پیدا کرنے سے عوام کے ذہنوں میں دوسری کتب احادیث میں آنے والی بے شمار احادیث رسول صلی اللہ علیہ

دوم

وآلہ وسلم کی قدرو قیمت کم نہیں ہو جائے گی ؟

عوام کی بات چھوڑ یئے ہم نے خواص کو دیکھا ہے کہ وہ بھی بزعم خویش یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ بخاری شریف میں آنے والی ہر حدیث صحیح اور درست ہے۔

حالانکہ یہ سراسر غلط اور قطعی بے بنیاد بات ہے بخاری شریف میں چند متواتر احادیث کے سوا تمام تر اخبار احاد کا ذخیرہ ہے نیز یہ کہ بخاری شریف کے خارجی رافضی منکر الحدیث غیر ثقہ ضعیف اور کذاب راویوں کی فہرست سینکڑوں تک پہنچ جاتی ہے۔

بلکہ بعض روایات ایسی ہیں جو بخاری کی اپنی شرط پر ہی پوری نہیں اُترتیں۔

علاوہ ازیں بخاری شریف میں کئی ایسی غیر ثقہ روایات موجود ہیں جو براہِ راست قرآن مجید سے متصادم و مخالف ہیں۔

اور پھر سب سے بڑی بات یہ ہے کہ امام بخاری نے بخاری شریف میں ذخیرۂ حدیث جمع کرتے ہوئے محض اپنے مسلک کو پیش نظر رکھا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ بقول آپ کے حواریوں کے ان کو چھ لاکھ کے قریب صحیح احادیث زبانی حفظ تھیں لیکن اس کے برعکس بخاری شریف میں چند ہزار احادیث نقل کی گئی ہیں۔

یہی وجہ تھی کہ بخاری کے قائم کی ہوئی اپنی شرائط پر پوری اُترنے

والی دانستہ چھوڑی ہوئی ہزاروں احادیث مُبارکہ کو امام حاکم نے اپنی مشہور تصنیف المُستدرک شریف میں جمع فرمایا ہے جس کی تائید و تلخیص ذہبی نے فرمائی ہے۔

اور دوسری دلیل ان کے متعصب اور مسلک پرور ہونے کی یہ ہے کہ وہ سیدنا امام مالک سیدنا امام احمد بن حنبل سیدنا امام شافعی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تو روایت نقل فرما دیتے ہیں لیکن پُوری بخاری شریف میں ایک روایت بھی ایسی نہیں جو اُنہوں نے سیدنا امامِ اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کے نام سے نقل کی ہو۔

البتہ جب اُنہیں ہدف تنقید بنانا ہوتا ہے تو نہایت کراہت سے قال بعض الناس لکھ دیتے بلکہ وہ اس سے بڑھ کر کچھ زیادتی یُوں بھی فرما دیتے ہیں کہ سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مُسلمانوں کو دھوکہ دینے والے ہیں۔

وہ اس پاکباز اور پاک فِطرت ہستی کو جسے آئمہ حدیث سراج الاُمّت کے لقب سے یاد کرتے ہیں اور جسے فُقہائے کرام اِمامِ اعظم تسلیم کرتے ہیں۔

جن کی عظمتِ فقاہت کا چہار دانگِ عالم میں شُہرہ ہے اور جن کی تقلید کا قلادہ لاکھوں اولیائے کرام اور کروڑوں مُسلمانوں نے زیورِ ایمان سمجھ کر زیبِ تن رکھا ہے۔

جن کے مقلدین میں سیدنا داتا گنج بخش ہجویری سیدنا و مُرشدنا

حضرت داؤد طائی سیدنا فرید الدّین گنج شکر سیدنا نظام الدّین اولیاء اور سیدنا مجدد الف ثانی رضوان اللہ علیہم اجمعین جیسی نادرِ روزگار شخصیتوں کے نام آتے ہیں۔

کس قدر تعجب کی بات ہے کہ اس شہنشاہِ مملکتِ فقاہت کو امام بخاری خداع بین المسلمین کے نام سے یاد کرتے ہیں یعنی مسلمانوں کو دھوکہ دینے والا۔

حقیقت یہ ہے کہ معیارِ روایت سے زیادہ مؤلفین اپنے نظریات و تصورات کا تحفظ کرتے ہیں اور اس نظریاتی جنگ میں اِمام بخاری جیش متشدّدین کے سرخیل ہیں اور اس معاملہ میں کبھی کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے،

آپ سابقہ اوراق میں سراج الامۃ کاشف الغمۃ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق امام بخاری کے چند ریمارکس ﴿Remarks﴾ ملاحظہ فرما چکے ہیں یہاں ہم محض اپنے مؤقف کی مزید تائید کے لئے امام بخاری کی ایسی دو روائتیں پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں وہ معیار روایت کو کچل کر محض اپنے نظریات کی تسکین کے لئے اپنی کتاب تاریخ صغیر میں نقل فرماتے ہیں۔

امام اعظمؒ صرف تین حدیثیں جانتے تھے

تاریخ صغیر امام بخاری

سمعت الحمیدی قال ابو حنیفہ قدمت مکۃ فاخذت

من الحجام ثلث سُنین لما قعدت بین یدیہ قال بی

استقبل القبلہ فبدالشق رأسی الایمن وبلغ العظمین

قال الحمیدی فرجل لیس عندہ سنن عن رسول اللّٰہ

صلی اللّٰہ علیہ و آلہٖ وسلم ولا اصحابہٖ فی المناسِک

وغیرھا کیف یقلد احکام اللّٰہ فی المواریث

والفرائض والزّکوٰۃ والصلوٰۃ وامور السلام۔

میں نے حمیدی سے سُنا جو کہتا تھا کہ ابوحنیفہ نے کہا میں

جب مکہ معظمہ میں آیا تو ایک حجام سے تین حدیثیں

حاصل کیں حجام نے مجھ سے کہا کہ منہ قبلہ کی طرف کرو

اور پھر اس نے سَر کی داہنی طرف سے حجامت شروع کی

اور کانوں تک آیا حمیدی نے کہا کہ جس شخص کے پاس

کوئی حدیث نہ ہو نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

سے اور نہ آپ کے صحابہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

مناسک وغیرہ میں کیسے تقلید کی جائے اُس کی اللہ تعالٰی

کی وراثت کے احکام میں اور زکوٰۃ و نماز کے فرائض

اور اُمورِ اسلام میں۔

﴿تاریخ صغیر ص ۱۵۶ مؤلفہ امام بخاری﴾

امام اعظم منحوس تھے ﴿معاذ اللہ﴾

قال کنت عند سفیان فنعی النعمان فقال الحمد للّٰہ

کان ینقض الاسلام عُروۃ عروۃ ما ولد فی السلام

الشام منہ۔

کہا کہ جب سُفیان کو امام اعظمؒ [1] کی موت کی خبر ملی تو

اُس نے اللہ کا شکر ادا کیا اور کہا کہ وہ اسلام کو ٹکڑے

ٹکڑے کرنے والا تھا اور اسلام نے ایسا منحوس پیدا

نہیں کیا۔

﴿تاریخ صغیر ص ۱۷۱﴾

اِمام بخاری کا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شان میں ایسی روایات بیان

کرنا اُن کی نظریاتی شدّت کی مُنہ بولتی تصویر ہے ورنہ ان روایات کی جو

---

[1] بعض بخاری نواز کہتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمان کوئی اور ہو مگر یہ محض

خود فریبی اور حقائق سے روگردانی ہے۔ ﴿مصنف﴾

حقیقت ہے وہ اہل علم سے پوشیدہ نہیں۔

امام اعظم رضی اللہ عنہ کی شانِ اقدس میں لکھے گئے ان قصائد کو اگر جمع کر دیا جائے جو آئمہ حدیث و فقہ نے خراج عقیدت کے طور پر پیش کئے ہیں تو ایک محتاط اندازے کے مطابق پانچ ہزار صفحات کی ضخیم ترین کتاب بن سکتی ہے اندریں حالات امام بخاری نے ایسی دو مکروہ روایات پیش کر کے جن کا کوئی سر پیر ہی نہ ہو محض اپنے دل کا غبار ہلکا کیا ہے۔

اتنے بڑے جیّد عالم کا ثقاہت کے زینے سے یُوں چھلانگ لگا دینا محض تصادمِ نظریات کا نتیجہ ہے ورنہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی بلند و بالا شخصیت پر طعنہ زنی اور بدگمانی کا کوئی جواز ہی نہیں اور سچی بات تو یہ ہے کہ اِمام بخاری نے یُونہی دو روایات کو سامنے رکھ کر براہِ راست سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کو نشانہ سبّ و شتم بنایا ہے اور دوسروں کے کندھوں پر رکھ کر بندوق چلانا اِسی کا نام ہے۔

اب غور فرمایئے کہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانِ عالیشان اُن کی عظمتِ فقاہت پر دلالت کرتا ہے یا بقول بخاری اُن کے علم کی نفی کرتا ہے۔

مکہ معظمہ کا حجام سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت کے مطابق آپ کی حجامت بناتا ہے اور آپ اُس کے اس انداز سے تین احادیث رسول اخذ کر لیتے ہیں کیا اس سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ آپؒ کو

وہ صرف تین احادیث ہی یاد تھیں جو اُنہوں نے حجامِ مکہ سے حاصل کیں تعجب ہے کہ اتنا بڑا آدمی اِتنے بڑے افتراء و کذب کو اپنی کتاب کی زینت بناتا ہے۔

ہم یہ تو نہیں کہتے کہ امام بخاری کے لئے ضروری تھا کہ وہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی تقلید کرتے لیکن یہ کیا بات ہوئی کہ اُنہوں نے چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کوئی حدیث نہیں سنی اِس لئے اُن کی تقلید کی ہی نہیں جاسکتی۔

کیا ہم پُوچھ سکتے ہیں کہ امام احمد حنبل اور امام شافعی رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے براہِ راست کتنی احادیث سماعت فرمائی تھیں ؟

اور اگر جواب نفی میں ہے تو پھر اس بہتان عظیم کو کیا نام دیا جاسکتا ہے جو امام بخاری نے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر باندھا ہے۔

اور پھر اس سے بڑھ کر اس واہی اور نامعقول عبارت کا کیا کیا جائے جس میں کہا گیا ہے کہ۔

"نعمان سے بڑھ کر کوئی منحوس اسلام نے پیدا ہی نہیں کیا۔"

کیا کوئی ثقہ آدمی کسی کی موت پر اس قسم کی واہی تباہی کہنے کی جرأت کرسکتا ہے۔

اور پھر اس عظیم ہستی کی موت پر جس نے پوری زندگی عظمت اسلام

کے لئے وقف کر رکھی ہو۔

ہم طعن نہیں کرتے

اگر چہ ہمارا ہرگز یہ مقصد کبھی نہیں رہا کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ پر طعن کیا جائے کیونکہ یہ بڑے لوگوں کی بڑی باتیں ہیں یہ الگ بات ہے کہ،

انسان یہاں انسانوں کو پتھر کی طرح ٹھکراتے ہیں
ہیں کتنے چھوٹے دل اُن کے جو لوگ بڑے کہلاتے ہیں

بہر حال! اس بات کا صدمہ اور افسوس ضرور ہے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسلام کی ایک ایسی اہم ترین اور عظیم ہستی کو ہدف طعن بنایا ہے جن کی شرافت وکرامت اور تقویٰ وطہارت عالم اسلام میں مسلّم اور مشہور ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کا طعن کرنا قطعی طور پر شدّتِ طبع کی پیداوار ہے ورنہ اپنا مؤقف بیان کر نے میں ان کا طریق استدلال ہرگز وہ نہیں جو کسی بھی محقّق کی شان کے لائق ہو سکتا ہے۔

کون نہیں جانتا کہ سیّدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ اسلام کے وہ بطلِ عظیم ہیں جنہوں نے اپنا تن مَن دھن ہر چیز اسلام پر فدا کر دی ہو اور جنہوں

نے شوکت وصولتِ اسلام کے تحفظ کے لئے تختِ شہنشہی کے مقابلہ میں اپنی درس گاہ کے حجرہ کو ترجیح دی ہو اور سلاطینِ وقت کے موردِ عتاب رہ کر بھی عظمتِ اسلام کا پرچم سربلند رکھا ہو۔

خطا ہو سکتی ہے

آئندہ اَوراق میں ہم امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی ان زبردستیوں کا تذکرہ بالوضاحت کریں گے جو انہوں نے سیدنا امام اعظم رضی اللہ عنہ کی ذات پر بالخصوص اور جمیع اَحناف پر بالعموم روا رکھی ہیں فی الحال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اپنے اغلاط نامے سے روشناسی حاصل کریں۔

آپ یہ سن کر یقیناً حیران ہوں گے کہ نقد و رجال کے ماہرینِ فن میں سے امام ابوزرعہ اور امام ابن ابی حاتم رحمہما اللہ تعالیٰ نے تاریخ و رجال کے سلسلہ میں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی بے شمار غلطیوں کی نشان دہی کر رکھی ہے بلکہ حافظ و محدث امام ابنِ ابی حاتم کو امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے اوہام پر ایک مستقل کتاب تصنیف کرنا پڑی جس کا نام ہی "کتاب الخطاء البخاری" ہے۔

حافظ و محدث زین الدین عراقی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے متعلق لکھتے ہیں کہ، جمع فیه او هامه التا ریخ،

حافظ و محدث علامہ سخاوی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کے متعلق رقم

طراز ہیں

لابن ابی حاتم جزء کبیر عندی انتقد فیه علی البخاری۔

﴿اعلان بالتوبیخ ص ۱۱۰﴾

حافظ ومحدث اور عظیم مورخ علامہ خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ اس کتاب کا تعارف بایں الفاظ کرواتے ہیں۔

قد جمع عبد الرحمن بن ابی حاتم الرازی الاوهام التی اخذ ابو زرعة فی کتاب المفرد۔

﴿موضح الاوہام الجمع والتفریق جلد اول ص ۸﴾

کتاب امام اعظم اور علم حدیث میں مزید یہ وضاحت کی گئی ہے کہ امام بخاری کے اوہام کی زیادتی کا خاص سبب یہ ہے کہ آپ نے اپنی یہ کتاب اپنی نوعمری کے زمانہ یعنی صرف اٹھارہ سال کی عمر میں ترتیب دی تھی اس لئے اس میں اکثر طور پر غلطیاں رہ گئیں علاوہ ازیں بزعم بعض صحاح ستہ کے جمع کرنے والوں میں سے ہی ایک معروف بزرگ حافظ ومحدث حضرت امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے بہت سے راویوں کی تضعیف کی ہے جن سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے روایات لی ہیں۔

مشہور متعصب محدث علامہ ابن جوزی نے اپنی کتاب "العلل المتناهیه فی الاحادیث الواهیه" میں وضعی حدیثوں کے زمرہ

میں بخاری مُسلم کی روایات کو بھی شامل کر رکھا ہے۔

چنانچہ علامہ سخاوی کی مقاصد الحسنٰی کے مقدمہ میں ہے۔

فقد ذکر المحد ثون ان ابن الجو زی ذکر فی کتا به

حد یثا من صحیح مسلم و حد یثا من صحیح

البخاری

﴿مقدمہ مقاصد الحسنہ ص ۷﴾

توضیح الافکار میں ہے کہ بخاری مسلم کے جن راویان پر جرح ہوئی ہے ان میں سے ہر راوی پر محض جرح مطلق ہی نہیں ہوئی بلکہ ان میں ایک ایسی جماعت بھی موجود ہے جن پر بھر پور اور مکمل جرح کی گئی ہے اس جماعت میں کچھ ایسے ہیں جن کو مرجیہ کہا گیا مثلاً بخاری مسلم کا ایک راوی ایوب بن عائذ ہے جسے امام ابوداؤد اور امام نسائی نے مرجیہ قرار دیا ہے۔

ایسے ہی ان میں سے بعض کو ناصبی کہا گیا ہے جیسے کہ ثور بن یزید بخاری کے راویوں میں سے ہیں۔

مشہور و معروف ناقد رجال علامہ فلاس کے مطابق بخاری کا ایک راوی جریر بن عثمان غالی شیعہ تھا بخاری کے ایک راوی کا نام خالد قطوانی ہے علامہ ابن سعد فرماتے ہیں کہ یہ غالی شیعہ تھا۔

﴿توضیح الافکار جلد اول ص ۱۰۲ امام اعظم اور علم حدیث ص ۴۵۶﴾

بہر کیف! امام بخاری اور امام مسلم کی کتابوں میں سب کے سب

ذخیرہ کو جوں کا توں قبول کر لینے کا ہرگز کوئی جواز نہیں احتمال خطاء بہر حال موجود ہے جس کا کسی بھی انسان سے صدور ہو سکتا ہے سوائے انبیاء معصومین کے چنانچہ مشہور ناقد رجال علامہ ذہبی فرماتے ہیں۔

انا لا ندعی العصمة من السهو و الخطاء فی الاجتهاد فی غیر الانبیاء۔

﴿التنبیہ والایضاح ص ۱۲۴﴾

اس سلسلہ میں مزید بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے تاہم اختصار کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے چند انتہائی واضح ترین عبارات پیش کرنے پر اکتفاء کیا جاتا ہے۔

فتح الباری ابنِ حجر

مشہور بخاری نواز حضرت علامہ ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری مسلم کے راویان کا موازنہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بخاری کے جن راویوں کی تضعیف ہوئی ہے ان کی تعداد ۸۰ ہے اور مسلم کے ایسے راویوں کی تعداد ایک سو ساٹھ ہے۔

ان الذین انفرد البخاری بالاخراج لهم دون مسلم اور بعمائة و بضع وثلاثون رجلا المتکلم فیه بالضعف منهم ثمانون رجلا و الذین انفرد مسلم بالاخراج لهم دون البخاری ستمائة و عشرون رجلاً

المتكلم فيه بالضعف منهم مائة و ستون رجلا،

﴿مقدمہ فتح الباری شرح بخاری ص ۱۱﴾

فتح القدیر ابنِ ہمام

بخاری شریف یا مُسلم شریف یا ان دونوں میں سے کسی ایک کو اس نظریئے کے پیشِ نظر ترجیح نہیں دی جا سکتی کہ سب سے زیادہ صحیح حدیثیں وہی ہیں جن پر بخاری اور مُسلم کا اتفاق ہے حالانکہ یہ تصور پیش کرنا محض زبردستی اور تحکم ہے اور اس اَمر کی تقلید ہرگز جائز نہیں۔

بالفرض اگر یہی شرطیں بُخاری مُسلم کے علاوہ کسی اور کتاب میں بھی موجود ہوں تو پھر بھی ان سے بخاری مسلم کی روایتوں کو صحیح تر سمجھتے رہنا زبردستی اور تحکّم محض ہے۔

ولا يرجح ما في الصحيحين او احدهما بما قيل اصح الاحاديث ما اتفقا عليه ثم ما انفرد به مسلم فان ذالك تحكم لا يجوز التقليد فيه فاذا فرض وجود تلك الشروط في حديث بغيرهما افلا يكون الحكم باسميته ما فيها عين التحكم۔

﴿فتح القدیر جلد اول ص ۳۱۷﴾

بُخاری مُسلم اور شاہ عبدالحقّ مُحدّث دہلویؒ

محدّثین کرام نے صحت احادیث اور بُخاری و مُسلم کے مقدم رکھنے میں جو ترتیب کر رکھی ہے یہ زبردستی کی بات ہے اس میں کسی کی پیروی جائز نہیں کیونکہ صحیح اور صحیح تر ہونے کا دارومدار راویان حدیث کا ان شرطوں پر پورا اُترنا ہے جن کا اعتبار بُخاری مُسلم نے بھی کیا ہے اور جب وہی شرطیں اور ان دونوں کتابوں کے علاوہ کسی اور حدیث کے راویوں میں بھی پائی جائیں تو پھر انہیں دو کتابوں کی حدیث کو صحیح تر کہنا زبردستی اور نا قابلِ قبول بات کو منوانا نہیں تو اور کیا ہے ؟

نیز یہ بات بھی تحقیق سے ثابت ہے کہ امام مسلم نے اپنی کتاب میں بہت سے ایسے راویوں سے روایت کی ہے جو جرح و تنقید سے نہیں بچ سکے اور ایسے ہی بخاری میں راویوں کا ایک ایسا گروہ موجود ہے جس پر کلام ہوا ہے۔

صحیح حدیثیں صحیح بخاری اور صحیح مُسلم میں ہی منحصر نہیں ہیں کیونکہ بُخاری مسلم نے ان احادیث کا بھی احاطہ نہیں کیا جو ان کے پاس ان کی اپنی اپنی شرطوں پر ہی موجود تھیں اور صحیح حدیثوں کا احاطہ کرنا تو دُور کی بات ہے یہ دونوں حضرات خود اعتراف کرتے ہیں کہ ہم تمام صحاح کا احاطہ اور استیعاب نہیں کر سکتے۔

بعض لوگوں کے اس شبہ میں مبتلاء ہونے کی وجہ صرف یہ ہے کہ چند

شافعی المسلک محدثین کرام نے اپنی مؤلفات مصابیح و مشکوٰۃ وغیرہ کتابوں میں اپنے مذہب کے دلائل کو تلاش و جستجو کے بعد یکجا کر دیا اور حنفی مذہب کی تائید کرنے والی حدیثوں پر جرح و قدح کر دی چنانچہ یہ کام تعصب کی پیدا وار ہے اور بیشتر لوگوں نے حنفیہ کے ساتھ تعصّب برتا ہے۔

ایں ترتیب کہ محدثین در صحت احادیث و تقدیم صحیح بخاری و مسلم قرار دادہ اند تحکم است و جائز نیست، دروے تقلید کہ زیرا کہ اصحیت نیست مگر از جہت اشتمال روات بر شروطے کہ اعتبار کردہ اند بخاری و مسلم و چوں فرض کردہ شود وجود آں شروط در رواۃ حدیث غیر کتابین حکم با صحیت آنچہ در کتابین است عین تحکم و مکابرہ بود،

و تحقیق اخراج کردہ است مسلم در کتاب خود بسیارے از رواۃ کہ سالم نیستند از غوائل جرح و ہم چنیں در بخاری جماعہ اند تکلم کردہ شدہ است در ایشاں،

نیز احادیث صحاح منحصر نیست در صحیح بخاری و مسلم و ایشاں استیاب نہ کردہ اند جمیع صحاح را کہ نزد ایشاں چہ جائیکہ مطلق صحیح و خود تصریح کردہ اند ہر یکے از ایشاں بعدم احاطہ و استعیاب،

سبب وقوع دریں ورطہ آں بود کہ بعض محدثین کو در مذہب امام شافعی بودند در کتابہائے کہ تصنیف کردند چنانچہ مصابیح و مشکوٰۃ و مانند دلائل مذہب خود تتبع و تفحص نمودہ جمع کردند و در احادیث مذہب حنفی براہ طعن و جرح و ایں بابے گوشۂ تعصبے نخواہد بود،

﴿النہج القویم فی شرح صراط المستقیم﴾

﴿مجالس نافعہ مع فوائد جامعہ ص ۱۹۵﴾

بخاری و مسلم اعلیٰ حضرتؒ بریلوی کی نظر میں

ایسے ہی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں آخر بخاری و مسلم کا علم محیط نہ تھا جو کچھ حضور سیّد عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُمّتِ مرحومہ تک پہنچایا اس سب کا علم بخاری مُسلم کو حاصل تھا خود اجلہ صحابہ کرام جو گاہ و بہ گاہ سفر و حضر میں دائماً بارگاہِ عرش جاہ حضور رسالت پناہ علیہ و علیہم صلوٰۃ اللہ میں حاضر رہتے یہاں تک کہ حضرات خلفائے اربعہ و حضرت عبداللہ ابن مسعود وغیرہم رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی یہ دعویٰ نہیں کر سکتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کُل اقوال و افعال پر ہمیں اطلاع ہے کُتبِ احادیث پر جسے نظر ہے وہ خوب جانتا ہے کہ بعض باتیں ان حضرات پر بھی مخفی رہیں تا بدیگرے چہ رسد پھر بُخاری مُسلم وغیرہما کیوں کر علمِ کُل کا دعویٰ کر سکتے ہیں اگر وہ نفی کریں بھی تو اس کا محصل صِرف اپنے علم کی نفی ہوگا یعنی ہمیں نہیں معلوم۔

﴿صفاح اللجین ص ۳۳،۳۴﴾

لاکھوں حدیثیں عُلماء اپنے سینوں میں لے گئے کہ اصلاً تدوین میں بھی نہ آئیں امام بخاریؒ کو چھ لاکھ حدیثیں حِفظ تھیں امام مُسلم کو تین لاکھ پھر

صحیحین میں صرف سات ہزار حدیثیں آئیں۔

خود شیخین بخاری مسلم وغیرہ ہما سے منقول ہے کہ ہم سب احادیث صحاح کا استیعاب نہیں چاہتے اور اگر ادعائے استیعاب فرض کیجئے تو لازم آئے کہ افراد بخاری امام مسلم اور افراد مسلم امام بخاری اور صحاح افراد سنن۔

اربعہ ذونوں اماموں کے نزدیک صحیح نہ ہوں اور اگر اس ادعا کو آگے بڑھایئے تو یوں ہی صحیحین کی وہ متفق علیہ حدیثیں جنہیں امام نسائی نے مجتبی میں داخل نہ کیا ان کے نزدیک حلیہ صحت سے عاری ہوں۔

﴿صفاح اللجین ص ۳۱-۳۲﴾

ابھی کچھ اور باقی ہے

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مزید فرماتے ہیں کہ:

اجلہ رواۃ بخاری مسلم بے وجہ وجیہ و دلیل ملزم کوئی مردود و خبیث، کوئی متروک الحدیث مثل امام بشر بن بکر تینسی و محمد بن فضیل بن غزوان کوفی و خالد بن مخلد ابو الہیثم بجلی بھلا یہ تو بخاری و مسلم کے خاص خاص رجال بے مساغ و مجال پر فقط مواخذہ ہے۔

اس سے بڑھ کر سنئے یہ حضرت نذیر حسین دہلوی کی حدیث دانی نے صحاح ستہ کے ردّ و ابطال کے لئے اقوال سبعہ

واضح فرمائے کہ جس راوی کو تقریب میں صدوق رمی بالتشیع یا صدوق متشیع یا ثقہ مغرب یا صدوق تخلی یا صدوق یھم یا صدوق لہ اوہام لکھا ہو وہ سب ضعیف و مردود الروایت ومتروک الحدیث ہیں۔

حالانکہ باقی صحاح درکنار خود صحیحین میں ان اقسام کے راوی دو چار نہیں دس بیس نہیں سینکڑوں ہیں چھ قاعدے تو یہ ہوئے اور ساتواں یہ جس سند میں کوئی راوی غیر منسوب واقع ہوا ہو مُسلماً تو حضرت کے یہ اقوال سبعہ پیشِ نظر رکھ کر بخاری و مسلم کو سامنے لایئے اور جو حدیث ان مخترع محدثات پر رد ہوتی جائیں کاٹتے جائیں اگر دونوں کتابیں آدھی تہائی بھی باقی رہ جائیں تو ہمارا ذمہ۔

﴿الفضل الموہبی ص ۲۳ از اعلیٰ حضرت بریلوی﴾

اعلیٰحضرت رحمۃ اللہ علیہ ایتان الارواح میں فرماتے ہیں۔

اور عامہ مسائل سیر و مغازی و اخبار و فضائل ایسے ہی ہوتے ہیں اس کے باعث وہ مردود قرار نہیں پاسکتے۔

﴿ایتان الارواح ص ۱۲﴾

کس آیت یا حدیث میں ارشاد ہوا ہے کہ بُخاری یا ترمذی بلکہ امام احمد بن المدائنی جس حدیث کی تصحیح یا تخریج کردیں

وہ واقع میں بھی ویسی ہی ہے۔

کون سا نص آیا ہے کہ نقدِ رجال میں ذہبی وعسقلانی بلکہ نسائی وابن عدی ودار قطنی بلکہ یحییٰ بن قطعان ویحییٰ بن معین وشعبہ وابن مہدی جو کچھ کہہ دے وہی حق جلی ہے

جب خود احکامِ الٰہیہ کے پہنچانے میں ان اکابر کی تقلید نہ ٹھہری جوان سے بدرجہا ارفع واعلیٰ اور اعلم واعظم تھے جن کے یہ حضرات اوران کے امثال مقلد وتبع ہوئے جن کے درجاتِ رفیعہ امامت انہیں مسلم تھے۔

﴿الفضل الموہبی فی معنی اذاصح الحدیث فھو مذہبی﴾

﴿منزل سوم ص ۱۱۲ از اعلیٰ خضرت﴾

انہیں منازل کی دشواری دیکھیں جس میں ابوعبداللہ الحاکم "صاحبِ المستدرک" جیسے محدث جلیل القدر پر کتنے عظیم شدید مواخذے ہوئے۔

اِمام ابنِ حبان جیسے ناقدِ بصیر تساہل کی طرف نسبت کئے گئے ابوعیسیٰ ترمذی تصحیح وتحسین میں متساہل ٹھہرے امام مُسلم جیسے جلیل ورفیع نے بخاری وابوزرعہ کے لوہے مانے۔

﴿الفضل الموہبی ص ۱۳﴾

پھر چوتھی منزل تو فلک چہارم کی بلندی ہے جس پر نور

اِجتہاد سے آفتاب منیر ہو کر رسائی ہے امام الائمۃ المحدثین محمد بن اسماعیل بخاری سے زیادہ ان میں کون منازل ثلاثہ کے منتہی کو پہنچا مگر جب مقام احکام ونقص و ابرام میں آئے وہاں صحیح بخاری اور عمدۃ القاری وغیرہا کو بنظر اِنصاف دیکھا چاہیئے بکری کے دُودھ کا قِصّہ مشہور و معروف ہے۔

﴿الفضل المواہبی ص ۱۳﴾

فتویٰ

بکری کے دُودھ کا قصہ یہ ہے کہ امام بخاری نے شوق اجتہاد میں یہ فتویٰ صادر فرمایا تھا کہ جس طرح ایک عورت کا دودھ پینے والے مختلف والدین کے بچے آپس میں رضائی بہن بھائی ہیں اور ان کی آپس میں شادیاں نہیں ہوسکتیں اسی طرح ایک والدین کا لڑکا اور دوسرے والدین کی لڑکی ایک بکری کا دودھ پیتے ہیں تو وہ آپس میں رضائی بہن بھائی ہیں ان کا بھی آپس میں نکاح نہیں ہوسکتا۔

آپ کے اسی فتویٰ کی بناء پر آپ کو اس شہر والوں نے رسوا کر کے شہر سے باہر نکال دیا تھا۔ (مصنف)

اجتہادِ عجیب

جملہ محدثین میں سے امام بخاری اگرچہ مُجتہد تھے مگر دس بارہ مسائل میں سے شائد ہی ایک دو مسائل ان کے درست ہوتے تھے ورنہ اکثر مسائل نادرست اور غیر صحیح ہوتے تھے چنانچہ نہایہ کفایہ اور فتح القدیر ہدایہ وغیرہ کی شروح میں لکھا ہے کہ حضرت امام ابو حفص رحمۃ اللہ علیہ نے انہیں فتویٰ دینے سے باز رکھنا چاہا مگر امام بُخاری نے ان کی بات نہ مانی اور فتویٰ دینا جاری رکھا۔

ایک روز امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے پوچھا کہ اگر دو بچے ایک ہی بکری یا بھینس یا گائے کا دودھ پیتے رہیں تو ان کے لئے کیا حکم ہے ؟

پس از جملہ محدثین امام بخاری اگرچہ مجتہد بود مگر بطور یکہ در دہ دوازدہ مسائل چوں اجتہاد کردہ باشد شاید کہ در یک دو مسائل ازاں مصیب نیز گزشتہ باشد ورنہ اکثر مسائل غیر مصیب بودے چنانچہ در نہایہ وکفایہ وفتح القدیر شروح ہدایہ وغیرہ نوشتہ اند کہ درزمانہ ابو حفص کبیر وقتے کہ امام بخاری در بخارا آمدہ فتویٰ دادن شروع نمود پس وے را امام ابو حفص فتویٰ دہی ممانعت نمود کہ تو لائق فتویٰ دادن نیستی مگر امام بخاری قول وے را تسلیم نمود تا آنکہ روزے مردم از روے پرسیدند کہ اگر دو اطفال صغیر از یک بز میش یا یک مادہ گاؤ شیر نوشند پس حکم ایشاں چیست حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے جواباً ارشاد فرمایا کہ ان کے درمیان حرمتِ رضاعت ثابت ہو جاتی ہے یعنی وہ آپس میں رضاعی بھائی بہن ہیں جس وقت لوگوں نے ان کا عجیب وغریب اجتہاد سنا تو ایک ہجوم کی صورت میں ان پر دھاوا بول دیا اور بالآخر انہیں بخارا سے نکال کر ہی دم لیا اس کے بعد حدائق حنفیہ کے حوالے سے صاحب سیف المقلدین رقمطراز ہیں کہ،

اور یہ سب اسی کتاب میں ہے کہ امام بخاری کے حال پر افسوس ہے کہ محض اس رنجش کے سبب سے جو انہیں بخارا میں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے متبعین کے ساتھ شیر خوروں کی رضاعت کے سلسلہ میں اس قسم کا فتویٰ

فرمود کہ درمیان ایشاں حرمت رضاعت ثابت می شود وقتے کہ مردم ایں چنیں مسائل اجتہادیہ سے را شنیدند بروے ہجوم نمودہ تا آنکہ اورا از بخارا بیرون کردند۔

﴿سیف المقلدین علیٰ اعناق المنکرین ص ۱۳۲﴾

وہم دریں کتاب است کہ افسوس است بر حال امام بخاری کہ محض بسبب آں رنجش کہ مراورا در بخاری از متبعین امام ابوحنیفہ بسبب غلطی وے در استفتائے شیر خواران رسید بود کہ نادیدہ ونادانستہ بناحق بر امام اعظم اتہام مرجیہ بربست وبطرف قول شیخ خود عبداللہ بن مبارک در حق ابرائے امام گفتہ ہیچ توجہے نہ نمود۔

﴿سیف المقلدین ص ۱۶۵﴾

دینے پر ہوئی بغیر جانے بوجھے حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر فرقہ مرجیہ کے عقائد رکھنے کی تہمت لگائی اور بہتان باندھا اور اپنے شیخ عبداللہ بن مُبارک رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد کی طرف مطلق دھیان نہ دیا جو انہوں نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی علمی جلالت کے اعتراف کے طور پر فرمایا ہے۔

گُمراہی کس کے لئے؟

بہر کیف! اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مزید فرماتے ہیں لہٰذا امام اجل سفیان بن عینیہ کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ و امام احمد کے استاذ اور امام بخاری و اِمام مُسلم کے استاذ الاساتذہ اور اجلہ ائمہ مُحدثین وفقہائے مجتہدین و تبع تابعین سے ہیں رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہم ارشاد فرماتے ہیں الحدیث مضلۃ الا للفقہا حدیث سخت گمراہ کرنے والی ہے مگر مجتہدوں کو۔

﴿الفضل الموہبی ص ۱۳﴾

علامہ ابن حاج مکی مدخل میں فرماتے ہیں۔

یرید ان غیرھم قد یحمل الشئی علی ظاھرہ و لہ تاویل من حدیث غیرہ او دلیل یخفی

یعنی امام سفیان کی مُراد یہ ہے کہ غیر مُجتہد کبھی ظاہر حدیث سے جو معنی سمجھ میں آتے ہیں ان پر جم جاتا ہے حالانکہ

دوسری حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ یہاں مراد کچھ اور

ہے یا وہاں کوئی دلیل اور ہے۔

﴿الفضل الموہبی ص ۱۴﴾

اس سے قبل کہ بخاری مسلم کی مزید چند احادیث کو زیر بحث لایا جائے اہم اپنے ہم مسلک بریلوی حضرات کے سامنے اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فتاویٰ مبارک ؒ سے چند ایسی تحریریں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جن کی روشنی میں یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ بخاری مسلم کے علاوہ کتب احادیث میں آنے والی حدیثیں محض اس وجہ سے ضعیف اور کمزور قرار نہیں دی جاسکتیں کہ انہیں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ تعالیٰ نے شرف پذیرائی نہیں بخشا انگوٹھے چومنے والی حدیث کے ضمن میں چودھویں صدی کے مجددؒ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

صحیح حدیثیں کہاں ہیں

کسی حدیث کا کتب طبقہ رابعہ سے ہونا موضوعیت بالائے طاق ضُعف شدید دَر کنار مُطلق ضعیف کو بھی مُستلزم نہیں ان میں صحیح صالح ضعیف باطل ہر قسم کی حدیثیں ہیں۔

تصانیف خطیب وابونعیم بھی طبقہ رابعہ سے ہیں اور شاہ عبدالعزیز صاحب بُستان المحدثینؒ میں ابونعیم کی نسبت فرماتے ہیں کہ،

از نوادر کتب اور کتاب حلیۃ الاولیاء است کہ نظیر در اسلام تصنیف نہ شدہ است" بلاشبہ مُستدرک حاکم کی اکثر احادیث اعلیٰ درجہ کی حسان ہیں بلکہ ان میں صدہا حدیثیں برشرطِ بُخاری مُسلم صحیح ہیں اور بڑے شاہ صاحب کی اِزالۃ الخفاء قُرّۃ العینَین میں تو مُستدرک سے وہ احادیث نہ صرف فضائل بلکہ احکام میں مذکور ہیں۔

ان بیانات سے واضح ہوگیا ہے کہ اس طبقہ والوں کی احادیث متروکہ سلف کو جمع کرنے کے معنی اس قدر ہے کہ جن احادیث کی ایراد سے انہوں نے احتراز کیا انہوں نے درج کیں نہ یہ کہ انہوں نے جو کچھ لکھا سب متروک سلف ہے مجرّد عدم ذکر کو اس معنی پر محمول کرنا کہ ناقص سمجھ کر بالقصد ترک کیا ہے محض جہالت ہے ورنہ افراد بخاری متروکاتِ مُسلم سلف کی متروک مانی جائے مصنفین میں سے کسی کو دعویٰ استعیاب نہ تھا امام بخاری کو ایک لاکھ احادیث صحیحہ حفظ تھیں جب کہ صحیح بخاری میں کُل چار ہزار بلکہ اس سے بھی کم حدیثیں ہیں"

ان عبارات سے ظاہر ہوا کہ وجہ بے اعتمادی اختلاط صحیح ضعیف ہے اگرچہ اکثر صحیح ہوں چہ جائیکہ ضُعف شدید یا بطلان محض کہ کوئی جاہل بھی ادعا اس کا نہ کرے گا۔ بالجملہ حق یہ ہے کہ مدار اسناد و نظر و انتقاد یا تحقیق نقاد پر ہے نہ کہ فُلاں کتاب میں ہونے اور فُلاں کتاب میں نہ ہونے پر،

﴿ماخوذ فتاویٰ رضویہ جلد دوم صفحہ ۲۸۲ تا ۲۸۴﴾

ایک تنکا

تفصیلی تعارف

"ایمانِ ابوطالب" کتاب ابھی طباعت کے مراحل میں بھی نہ پہنچی تھی کہ چند خدائی فوجدار اپنے ڈکلیٹر یَن کا بھرم قائم رکھنے کے لئے مسلّط ہو گئے لیکن جب ان کے مؤقف کو تسلیم کرنے کے لئے ہم نے اپنا اطمینان چاہا تو ایسے گئے کہ آج تک چشمِ انتظار اُن کے راستے پر لگی ہوئی ہیں اور دِل یوں صدا دیتا ہے کہ،

جانے والے آ ابھی جاؤ لوٹ کر

میری آنکھوں کو ہے تیرا انتظار

مگر کون سنتا ہے اِن صداؤں کو اور پھر دل کی صدا تو دھڑکتے ہوئے دل ہی سن سکتے ہیں برف کے تودوں اور پتھر کے اِنسانوں کے ہاں سماعت کیسی،

جہاں تعصّب ہو وہاں خلوص کیسا عصبیّت کانوں کو بہرہ کر دیتی ہے اور دلوں کو حقائق سے بے بہرہ اگرچہ عصبیّت بِالعموم باعثِ نقصان ہی ثابت ہوتی ہے لیکن اس میں ایک کام کی چیز بھی موجود ہے اور وہ یہ کہ اپنی انانیت

کے تحفظ کے لئے بڑی سے بڑی قُربانی پیش کرنے پر آمادہ رکھتی ہے مال کی قُربانی دوستوں کی قُربانی جان کی قُربانی حتیٰ کہ عصبیت ایمان کی قُربانی دے دینے سے بھی دریغ نہیں کرتی۔

خدائی فوجدار آئے بھی اور پھر کبھی نہ آنے کی قسم کھا کر چلے بھی گئے مگر ہمیں بھولے نہیں اور وہ ہمیں بھول بھی کیسے سکتے تھے ہم تو ان کی انانیت کے لئے چیلنج بن چکے تھے ہم اس جرم کا ارتکاب کر چکے تھے کہ ان کے ناقابلِ ترمیم احکام کو بلا جواز کیوں تسلیم نہ کیا۔

اب جب کہ ہم سے ان کے حضور میں یہ گستاخی سرزد ہو چکی تھی تو وہ ہمیں کیوں نظر انداز کر دیتے انہوں نے بحرِ عصبیت اور دریائے انانیت میں ڈوبتے وقت تنکوں کا سہارا تلاش کرنا شروع کر دیا اور پھر ان کے ہاتھ میں سطحِ آب پر تیرتا ہوا ایک تنکا آ ہی گیا جو ان کی مٹھی میں جکڑا گیا پھر وہ خود بھی ڈوبنے سے کیسے بچ سکتا تھا۔

تنکا بھی ان کے ساتھ ڈوبا مگر مُٹھی کُھل جانے سے پھر سطحِ آب پر آ گیا اور تیرنے لگا تیرتے تیرتے انانیت کی اندھی اور بہری موجوں کی زد میں آ کر چکرانے لگا اب اس کا وجود بحرِ عصبیت کے لئے بھی ناقابلِ برداشت ہو گیا تھا کسی تند و تیز موج نے اسے باہر نکال پھینکا جہالت کی ہوا کا ایک ہی جھونکا لگا تو سوکھ کر اُڑنے لگا اور اُڑتا اُڑتا بالآخر دہکتے ہوئے انگاروں میں گرا اور خاکستر بن گیا قیامت کے دن وہ پھر محشور ہو گا اور دائمی جہنم کی

لپیٹ میں جاتے وقت پکارے گا کاش میں دُنیا میں حسد و بغض کی آگ کی وہی خاکستر رہتا وہ آواز دے گا "یلیتنی کنت ترابا" مگر اس وقت تو وہ پھر اپنے پہلے ہی نجس وجود کی شکل میں متشکل ہو چکا ہوگا اور اس کی پلید رُوح اُس کے منحوس جسم میں پھر عود کر آئی ہوگی اور دائمی آگ شعلے برساتی اور لپکتی ہوئی اپنے آتشیں جبڑے کھولے اس کو ہڑپ کر جانے کے لئے پر تول رہی ہوگی بہر حال بغیر شدید ضرورت اور انتہائی اہم موڑ کے آئندہ ہم اس جہنم کے ایندھن کو کبھی زیر بحث نہیں لائیں گے کیونکہ یہ محض ضیاع وقت ہے بس اس کے لئے اسی مقام پر صرف یہ وضاحت مزید کر دیتے ہیں کہ اس نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ کا کفر ثابت کرنے جوش میں حضور رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین اور تمام تر آباؤ اجداد رضوان اللہ علیہم اجمعین کو بھی اپنے ابلیسی قلم کی لپیٹ میں لے کر معاذ اللہ کافر و مشرک ثابت کر دیا ہے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ مگر افسوس یہ ہے کہ،

کم ظرف شناسائے لب جام ہوئے ہیں

ہم اہلِ جنوں مفت میں بدنام ہوئے ہیں

اگر چہ ڈوبتے کا سہارا بننے کی بجائے ساتھ لے کر ڈوبنے والے تنکے کا تذکرہ ہمیں اس کتاب میں کسی بھی صورت میں گوارا نہیں اور حسب وعدہ ہماری کوشش یہی رہے گی کہ بغیر اس کا نام لئے اس کی خرافات کا ابطال کریں۔

یہاں محض اس لئے اس کا ذکر کرنا پڑا کہ اس کے ایک بہت بڑے فراڈ نے متعدد لوگوں کے ذہنوں کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے اور جب تک اس کی فراڈ کی نقاب کشائی نہیں کی جائے گی اس کے دام فریب میں اُلجھ کر رہ جانے والوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

علاوہ ازیں ایک خاص بات یہ تھی کہ اس ضد شرافت نے ہمارے خلاف جو بھی زہر اگلا ہے اس کی وجہ اس کا اپنے مُرشد رُوحانی سے جلبِ زر کے سلسلہ میں اختلاف ہے جبکہ اس کے پیر و مُرشد ہمارے بھی قریبی دوستوں میں سے ہیں۔

کینہ توز اور کمینہ خصلت لوگ نہ تو احترام کے رشتوں کو برقرار رکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں اور نہ ہی آدابِ دشمنی سے واقف ہوتے ہیں۔

اِختلاف اپنے مرشد سے تھا رسالہ ہمارے خلاف لکھ مارا اور پھر ہمارے خلاف زہر اُگلتے اُگلتے اِسلام کی کئی برگزیدہ ہستیوں کو بھی اس کی لپیٹ میں لے لیا اور بالآخر بات کو وہاں پر پہنچا کر دم لیا جہاں سے شروع کی تھی۔

یعنی ہماری مخالفت صرف اس وجہ سے کی گئی کہ اس کا پیر ہمارا دوست ہے جب مرشد سے اس کے تعلقات درست تھے تو وہ ہمارے بھی ہاتھ چوما کرتا تھا اور جب پیر کے مقابلہ میں دم ٹھونک کر میدان میں آ گیا تو ہم پر بھی طعن و تشنیع کے تیر برسانے شروع کر دیے اور پھر ان تیروں کا رُخ بلا

واسطہ اپنے پیر کی طرف کر دیا۔

حالانکہ جب کتاب ایمان ابو طالب لکھی گئی تو بعض لوگوں کے ناجائز دباؤ میں آ کر اس کے پیر نے ہماری ہاں میں ہاں ملانے سے بھی شدید پرہیز رکھا مگر اس کے باوجود بھی آتش انتقام میں جھلسے ہوئے مرید نا سعید نے اپنے مُرشد کو کسی نہ کسی طرح کتاب ہذا کے معاملہ میں ملوث کر ہی لیا

اب جب کہ وہ ملوث ہو ہی چکے تھے تو ان کی شدید خواہش تھی کہ کم از کم اس اتہام تراشی کا ازالہ تو کر دیا جائے جو ان پر کی گئی ہے چنانچہ انہی کے ایماء پر یہ طویل مگر احناف کے لئے نہایت کار آمد مضمون ہدیہ قارئین ہے۔

بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ امام بخاری کی حضرت ابو طالب کے عدم ایمان کے متعلق نقل کردہ روایت کی تضعیف و تردید کرتے ہوئے ہم نے اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن کے ص ۲۳۲ پر امام بخاری کے متعلق یہ لکھا تھا کہ

دوسری دلیل ان کے متعصب اور مسلک پرور ہونے کی یہ ہے کہ وہ سیدنا امام مالک سیدنا امام احمد بن حنبل سیدنا امام شافعی رضوان اللہ علیہم اجمعین سے تو روایات نقل فرما دیتے ہیں لیکن پوری بخاری شریف میں ایک روایت بھی ایسی نہیں جو انہوں نے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے نقل کی ہو البتہ جب انہیں ہدفِ تنقید بنانا ہوتا ہے تو نہایت کراہت سے قَالَ بَعْضُ النَّاسِ لکھ دیتے ہیں بلکہ وہ اس سے بڑھ کر کچھ زیادتی یوں بھی فرما دیتے ہیں کہ سیدنا امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ مسلمانوں کو دھوکا دینے

والے ہیں اگرچہ بخاری میں امام شافعی کی روایات بھی نہ ہونے کے برابر ہیں مگر معاملہ صفر نہیں کہا جاسکتا۔

ہماری اس دلیل کا جواب دیتے ہوئے اس نے مقولا بالا ہمارے عزیز دوست اور اپنے پیر و مرشد سے ذاتی مخالفت اور مخاصمت کا انتقام اس طرح لیا ہے کہ،

ہم پورے وثوق سے کہتے ہیں کہ سیّدنا و امامنا امام بخاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور آپ کی بے نظیر کتاب بخاری شریف کے متعلّق جتنی بھی خرافات کتاب ایمان ابو طالبؑ میں درج ہیں یہ مؤلف کتاب کی اپنی ذاتی نہیں ہیں بلکہ ایک اور ناخواندہ انسان محمد یُوسف نعت خوان ساکن پیلے گوجراں تحصیل سمندری ضلع لائلپور کی صحبت کا اثر ہے اور محمد یوسف صاحب کی نظرِ عتاب سے بڑے بڑے علماء اور صوفیاء بھی محفوظ نہیں۔

امام بخاری کے علاوہ شیخ الاسلام ابنِ حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ حضور مجدّد الفِ ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی امامِ اہلِ سنّت سیّدنا احمد رضا خاں صاحب صدر الافاضل مولانا الشاہ نعیم الدین مراد آبادی حکیم الاُمّت سیدی مُفتی احمد یار خاں صاحب مناظرِ اعظم سیّدی و سندی مولانا محمد عمر

صاحب رحمۃ اللہ علیہم ورضی اللہ عنہم اجمعین بھی محمد یوسف
صاحب کے معتوب ہیں۔
مؤلف کتاب ایمان ابی طالب نے امام بخاری کے علاوہ
شیخ الاسلام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بھی بعض
مقامات پر حقارت آمیز لہجہ میں کیا ہے لہٰذا ہم اپنی اِس
تالیف میں اس مقام پر ان دونوں حضرات یعنی امام بخاری
اور ابن حجر عسقلانی کی جلالت وشان کا ذکر کرتے ہیں اور
باقی حضرات سے محمد یُوسف صاحب کے اِعتراضات کسی
دُوسری تالیف میں رفع کریں گے۔

منقولہ بالا عبارت کے بعد امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق
محدثین کرام کے چند ریمارکس REMARXE پیش کرنے کے بعد خسِ
جہنم رقمطراز ہے۔

کیا متذکرہ بالا آئمہ احناف نے بخاری شریف نہیں پڑھی
تھی؟ اگر پڑھی تھی تو موجُود جہلا والی نامعقول باتیں ان کو
کیا نہ سوجھیں اُے نادانوں اِمامِ اجلّ سیدنا وامامنا بخاری
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول قَالَ بعض النّاس شاہ عبدالحق
محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور مجدّد بریلوی رحمۃ اللہ علیہ
سے کیوں اوجھل رہا؟ کیا علی قاری رحمہ اللہ باری نے بزعمِ

جہلا امامِ اعظم رضی اللہ عنہ کی توہین صحیح بخاری میں ملاحظہ فرمائی ہو گی۔

دنیائے احناف پر کتنا بڑا بہتان باندھا کہ ۲۵٦ ہجری سے لے کر آپ تک تمام اکابر علماء وصوفیاء احناف صحیح بخاری شریف میں ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر امام بخاری کا باندھا ہوا جھوٹ کہ ابراہیم نے تین جھوٹ بولے ہیں اور سیدنا امام عالی مقام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی توہین ملاحظہ فرماتے رہے اور امام بخاری کے ثناخواں رہے۔

کسی نے بھی سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کی خیر خواہی نہ کی اور اخیر زمانے میں پونے دو نا خواندہ حنفی پیدا ہوئے جنہوں نے ابراہیم علیہ السلام اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا جی بھر کے انتقام لینے کی ٹھانی ہے۔

حسنِ جہنم اجہلِ اعظم کی منقولہ بالا تحریر کا اقتضاء تو یہ ہے کہ اس کی اَب تک کی مطبوعہ خرافات کا تیاپانچا کر کے رکھ دیا جائے اور اسے یاد دلایا جائے کہ امامِ اہلِ سنت محدث اعظم پاکستان حضرت علامہ مولانا محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک کے خلاف تحریری بکواس کس نے کی تھی اور اب بھی اعلیٰ حضرت عظیم البرکت کی اصطلاحات کا تمسخر کون اڑاتا ہے سرتاج

المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی کی نقل کردہ روایات کو تساہل کا شاخسانہ کون بتاتا ہے عاشقِ رسول امام نبہانی کی تحریروں پر نہایت مکروہ انداز میں گرفت کون کرتا ہے مگر ان حقیقتوں کے انکشاف کے لئے ہم اس کتاب کے خواہ مخواہ طوالت کی نذر نہیں کرسکتے البتہ قارئین کرام کو یہ ضرور بتائیں گے کہ جن بزرگوں کا ذکر ہم نے ابھی ابھی کیا ہے ان کے خلاف کی جانے والی تمام تر خرافات اس نے طبع بھی کروا رکھی ہیں جب کہ اس کے برعکس مذکورہ بالا ہمارے دوست الحاج محمد یوسف نگینہ صاحب کی کسی کتاب سے ان بزرگوں کے خلاف کوئی ایک جملہ بھی یہ ثابت نہیں کرسکتا جو بقول اس کے موصوف کے معتوب ہیں۔

بہرکیف! ہم اپنے دعویٰ کی صداقت کے اظہار کے لئے انتہائی اختصار کے ساتھ شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اور امام اہل سنت علامہ نبہانی علیہ الرحمۃ پر اجہلِ اعظم کے رکیک حملوں کا تذکرہ بھی ضرور کریں گے اور قارئین کو یہ بھی ضرور بتائیں گے کہ اہلِ سنت و جماعت بریلوی حضرات الحاج محمد یوسف نگینہ صاحب کے کردار اور عقائد کو نہایت اچھی طرح سے جانتے ہیں اس لئے ان کے متعلق کسی بھی قسم کی یاوہ گوئی ان کے تشخص کو دھندلا نہیں سکتی اب رہا یہ الزام کہ ان کے ایماء پر ہم نے امام بخاری وغیرہ پر جرح کی ہے تو اس مقام پر صرف یہی کہا جاسکتا ہے کہ

لَعْنَتُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ

ہاں البتہ اب ہم انہی کے ایماء پر یہ ضرور بتا رہے ہیں کہ آج تک امام بخاری پر اَحناف نے کبھی گرفت کی ہے یا نہیں اور امام بخاری کے نزدیک قال بعض الناس سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مُراد ہیں یا نہیں اس کے بعد قارئین کرام پر خواندگی اور ناخواندگی کی حقیقت بھی ظاہر ہو جائے گی اور یہ بھی وضاحت ہو جائے گی کہ امام بخاریؒ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات کو ان کے مسلک کو مجموعہ اغلاط قرار دیتے ہیں یا نہیں،

تعجّب تو اس امر پر ہے کہ ہم نے کتاب ایمان ابی طالب کے پہلے ایڈیشن میں بھی صاحب فتح القدیر امام ابن ہمام شیخ محقق شاہ عبدالحق محدّث دہلوی اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں و دیگر علمائے احناف رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی متعدد ایسی تحریریں مع حوالہ جات نقل کر رکھی ہیں جن میں صاف طور پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے احناف کے ساتھ متعصبانہ رویہ کی نشان دہی ہوتی ہے مگر ضدِ نمودِ حق اور اصلِ جہالت کا یہ دعویٰ ہے کہ تمام تر اسلاف احناف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی محض قصیدہ خوانی کرنے تک ہی محدود ہیں اور ۲۵۶ھ سے لے کر آج تک سوائے ہمارے کسی بھی حنفی نے یہ نہیں کہا کہ امام بخاری علیہ الرحمۃ نے امام اعظم بوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو بعض الناس کا نام دے کر ہدفِ تنقید بنایا ہو اور امام بخاری پر یہ بہتان تراشی صرف ہم نے کی ہے کہ انہوں نے سیدنا امامِ اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مُسلمانوں کو دھوکا دینے والا کہا ہے۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ اس قمیضِ روشنی کو مخاطب کرنا بھی توہینِ انسانیت ہے اس لئے ہماری کوشش ہوگی کہ محض اپنے موقف میں حوالہ جات پیش کریں اور بغیر شدید ضرورت کے اس مرقعِ جہالت کا ذکر نہ آنے پائے

قارئین باور کریں کہ ہمیں جناب نگینہ صاحب کے اس مرید نامراد کا تذکرہ اس کتاب میں ہرگز گوارا نہیں اور نہ ہی اس کے تذکرہ سے کتاب کے تقدس کو مجروح کرنا چاہتے ہیں اور ہمارے اس داعیہ کے کسی بھی گوشہ میں نہ تو اپنی تعلی کا کوئی عنصر موجود ہے اور نہ ہی کسی کی تحقیر مقصود ہے اس لئے کہ تعلی بیان کرنے کے لئے بھی کسی کا وجود پیش نظر ہونا ضروری ہے اور حقیر کی صورت میں بھی کسی ایسی ذلیل چیز کا سامنے ہونا ضروری ہے جس کو بنظر حقارت دیکھا جائے تو وہ اس کا احساس کرسکے مگر جب سامنے محض غلاظت کا ڈھیر ہو تو اس کی تحقیر بیان نہیں کی جا سکتی چہ جائیکہ محض ناک پر رومال رکھ کر رُخ پھیر لینے پر ہی اکتفا کیا جا سکتا ہے۔

کسی کے ظرف سے بڑھ کر نہ کر مہر و وفا ہرگز
کہ یہ بے جا شرافت بھی بڑا نقصان دیتی ہے

زیرِ عنوان مسئلہ میں ہمارے سامنے قطعی طور پر یہ نا قابلِ تذکرہ غلیظ تنکا ہرگز نہیں بلکہ محض اور محض احناف کا وہ جلیل القدر طبقہ ہے جو حنفی ہونے کے ساتھ ساتھ بخاری شریف کی ہر روایت کو نص برحق بھی سمجھتا ہے اور امام بخاری کو ہر قسم کی خطا اور غلطی سے مبرّا بھی سمجھتا ہے کتاب ہذا کے

پہلے ایڈیشن میں بھی ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ عُلمائے اَحناف امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی تکریم ضرور کریں مگر ان کی بیان کردہ ہر روایت کو نصِّ قرآنی کا درجہ دینے کی کوشش نہ کریں مگر نتیجہ یہ نکلا۔

میں کہ تجسیم اُسے کرتا ہوا ہار گیا
وہ کہ اک برف کا تودہ ہے کہ گھلتا جائے

سراج الاُمّت امامِ اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی ذات مُبارک اور آپ کے مسلک پر امام بخاری کی جرح و تشنیع کی تفصیل جواب یہاں بیان کی جا رہی ہے وہ احناف کے لئے یقیناً لمحہ فکریہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

دَرُونِ خانہ تکلف کی کیا ضرورت ہے
حریمِ دل میں چلے آؤ بے حجابانہ

ہمیں اس مضمون کی طوالت کا پورا پورا اندازہ ہے مگر یہ طوالت جن کارآمد اور نفع بخش نتائج کی حامل ہے اس کا بھی ہمیں مکمل طور پر احساس ہے وقت کی رفتار بدلنے کے ساتھ ساتھ حالات کا دھارا بھی بدلتا رہتا ہے بخاری شریف پر دیا گیا حاشیہ بھی ہمیں دعوت غور و فکر دیتا ہے مگر ہمارے مدرسین اپنی عادت کریمہ کے مطابق وہ فوائد ہرگز حاصل نہیں کر رہے جو حاشیہ نگاروں کی محنت کا ثمر تھے۔

وائے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا
قافلے کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

آئمہ احناف نے سراج الاُمت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر امام بخاری کے ناروا حملوں کا مناسب ترین جواب دینے کے لئے زندگیاں صرف کر رکھی ہیں جو اہلِ علم کی نگاہ سے ہرگز پوشیدہ نہیں۔

اِن جُہلا کی بات چھوڑیئے جن کو یہ معلوم ہی نہیں کہ اَب تک امام اعظم پر بُخاری کے طعن رفع کرنے کے لئے آئمہ احناف نے کِس قدر مشقت میں پڑ کر متنازعہ فیہ مسائل کو نکھارنے کی کوشش کی۔

ہم نے کتاب ہذا کے پہلے ایڈیشن میں اس اَمر کی وضاحت کی تھی کہ دیگر زیادتیوں کے علاوہ امام بُخاری نے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو خداع بین المسلمین جیسے مکروہ الفاظ سے یاد کیا ہے مگر غلیظ چھکے کی طرح بعض اچھے بھلے لوگ بھی اس غیر مُبہم حقیقت کو تسلیم کرنے پر تیار نہیں۔

چنانچہ ہم اپنے موقف میں اضافی حوالہ جات پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے سرتاج المحققین سیدنا شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے فرزند ارجمند شاہ نُورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک عبارت پیش کریں گے۔

ہم اس سے قبل اس کتاب میں اِس امر کی نشاندہی کر چکے ہیں کہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے صاحب علم و فن لختِ جگر کا تذکرہ اپنی معروف زمانہ کتاب اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں محدث کے لقب سے کیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ نُورالحق مُحدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ پر ان کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ نے مہر محدثیت نہ بھی لگائی ہوتی تو جب بھی ان کے عظیم محدث ہونے کی عظیم ترین دلیل ان کی چھ جلدوں میں ضخیم تالیف تیسیر الباری شرح بخاری ہی کافی ہے حالانکہ اس کے علاوہ آپ کی دیگر بھی کئی بلند پایہ تصنیفات موجود ہیں۔

بہر حال! امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے بخاری شریف میں جس مقام سے سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہدفِ تشنیع بنانا شروع کیا ہے اسی مقام پر شاہ نُورالحق محدث دہلوی ابنِ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے حاشیہ کے ساتھ ہی اپنا ایک مُختصر مگر جامع رسالہ بھی منسلک فرما رکھا ہے جس میں وہ سب کچھ موجود ہے جو ہم نے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق بیان کیا تھا۔

ہماری خواہش تھی کہ وہ پورے کا پورا سالہ مع اردو ترجمہ کے اس کتاب میں نقل کر دیتے مگر اس وجہ سے محض اس کا ابتدائیہ پیش کرنے پر اکتفا کیا گیا ہے کہ دیگر بھی مُعتبر ترین کُتب کے حوالہ جات نقل کرنے کی ضرورت ہے اس وضاحت کے ساتھ ہی اب حضرت علامہ شاہ نُورالحق محدث دہلوی قدس سرّہٗ العزیز کی عبارت پیش خدمت ہے۔

تعارف رسالہ از مصنف

یہ رسالہ منیفہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر لگائے گئے امام بخاری کے ان الزامات کو رفع کرنے کے لئے ہے جو انہوں نے بخاری شریف میں امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر لگائے ہیں۔

قَالَ بَعْضُ النَّاسِ اس کو اوّل سے آخر حاشیہ میں اپنے اپنے مقام پر ٹکڑا ٹکڑا اور صفحہ صفحہ تمام کا تمام نقل کر دیا گیا ہے اور وہ یہ ہے۔

اس کے بعد علامہ شاہ نور الحق محدث دہلوی حمد و صلوۃ سے اس طرح اپنے رسالہ کا آغاز فرماتے ہیں۔

ابتدائیہ

اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان رحم فرمانے والا ہے تمام تعریفیں دونوں جہان کے پروردگار کے لئے ہیں اور آخرت پرہیزگاروں

هذه رسالة منيفة يرتفع بها الزامات البخاري على ابي حنيفة مما قال صحيحه بقوله وقال بعض الناس اوردتها على الحاشية بالتمام من اوله الى آخر المقام قطعة قطعة في مقامها صفحة صفحة وهي هذه

بسم الله الرحمن الرحيم الحمد لله رب العالمين والعاقبة للمتقين والصلوة والسلام على سيد المرسلين وعلى آله واصحابه اجمعين

کے لئے اور صلوٰۃ وسلام ہو مرسلین کے سردار پر اور آپ کی تمام آل پاک پر اور جمیع اصحاب پر اما بعد تو جب بخاری رحمۃ اللہ علیہ صحیح بخاری میں بعض علماء کے قول کو اس کے صیغہ سے چوبیس مقامات پر نقل کرتے ہیں تو کہتے ہیں "بعض لوگوں نے یہ کہا ہے" اور ان تمام مقامات پر بطور خاص اس امر کا التزام قائم رکھتے ہیں کہ جن حضرات کو "بعض الناس" کہا گیا ہے ان کے کلام میں تناقض کا اثبات کیا جائے اور کتاب وسنّت وغیرہ کے خلاف ثابت کیا جائے حتیٰ کہ ایک مقام پر یہ تک بھی کہہ دیا کہ ہبہ اور سقوطِ زکوٰۃ کے مسئلہ میں ان لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مخالفت کی ہے اور آخر ایک مقام پر یہ بھی کہہ دیا کہ یہ لوگ مسلمانوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے والے اور دھوکا باز ہیں۔

اما بعد فلما كان البخارى رحمة الله اورد فى صحيحه قول بعض العلماء فى اربعة وعشرين موضعا بصيغة، وقال بعض الناس والزم فى تلك المواضع باثبات التناقض ومخالفة الكتاب والسنة وغير ذلك حتى قال فى موضع مخالفة الرسول فى الحصبة واسقط الزكوٰة، وقال فى موضع آخر فاجاز هذا لخداع بين المسلمين واشتهران كل موضع قال البخارى فيه بصيغة وقال بعض الناس فيراد بالحنفية او ابو حنيفة وحده،

﴿[illegible] الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۲۳۵ مطبوعہ لکھنؤ از علامہ [illegible] بجنوری﴾

اور تمام مقامات پر اس بات کو بخاری نے اس صیغہ سے مُشتہر کیا ہے وقال بعض النّاس اور اس جملہ سے بخاری کی مُراد یا تو جمیع احناف ہوتے ہیں اور یا پھر اکیلے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہوں گے۔

پڑھتے جائیں گنتے جائیں

اگر چہ اس واضح ترین عبارت کے بعد مزید کسی ایسے حوالہ کی ضرورت نہیں جس سے یہ ثابت کیا جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو فی الواقع ہدفِ تنقید بنایا ہے مگر صرف یہ بتانے کے لئے ۲۵۶ھ کے بعد یہ حقیقت صرف ہم پر ہی منکشف ہوئی ہے یا دیگر جلیل القدر علمائے احناف نے بھی کبھی اسے محسوس کیا تھا ہم قارئین کو یہ ذہن نشین کرانا انتہائی ضروری سمجھتے ہیں کہ امام بخاری جب بھی قال بعض الناس کا صیغہ استعمال کرتے ہیں تو ان کا مقصد امام اعظمؒ اور آپ کے مسلک کو غلط ثابت کرنا ہوتا ہے۔ بہرحال امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے قال بعض الناس کا سلسلہ کانوں کے دفینوں کی حدیث سے شروع کیا ہے اور پھر جہاں بھی موقع ملا آپ کے عقائد احناف کا بُطلان کرنے اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو ہدفِ تنقید بنانے میں ذرہ بھر کوتاہی نہیں کی حتیٰ کہ بُخاری شریف میں چھبیس مقامات پر یہ فریضہ ادا کیا گیا چنانچہ ان چھبیس مقامات کی مکمل نشاندہی کی جارہی ہے۔

﴿۱﴾

پہلی مرتبہ آپ نے فرمایا!

قال بعض الناس المعدن ركاز مثل وغنية جاهلية۔

﴿بخاری شریف جلد اول ص ۲۰۳ کتاب الزکوۃ﴾

شاہ نور الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ

بعض مردم کنایت از امام ہمام ابوحنیفہ است رحمۃ اللہ علیہ

یعنی بعض الناس کا جملہ بخاری نے کنایۃً امام ہمام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے لئے استعمال کیا ہے۔

امام بدر الدین عینی حنفی شارح بخاری امام بخاری کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام ابن التین نے کہا ہے کہ بعض لوگوں سے بخاری کی مراد امام اعظم ابوحنیفہؒ ہیں پس معلوم ہوا کہ امام اعظم ابوحنیفہ

قال ابن التين، المراد ببعض الناس هو ابو حنيفة فاذا علم ذالك بطل التشنيع علي۔

﴿ابی حنیفۃ عمدۃ القاری شرح بخاری جلد نہم ص ۱۰۰﴾ ﴿للعلامۃ بدر الدین عینی﴾

وقال بعض الناس هو الامام ابو حنيفة وهذا اول موضع ذكره فيه المولف بهذه الصيغة۔

﴿ارشاد الساری شرح بخاری جلد سوم ص ۸۱﴾

پر یہ جھوٹی تہمت لگائی گئی ہے۔

امام قسطلانی امام بخاری کے اس قول کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اور جو یہ بعض لوگ کہا ہے تو وہ ابو حنیفہؒ ہیں اور اسی صیغہ سے مؤلف یعنی امام بخاریؒ نے امام اعظم ابو حنیفہ کا ذکر کیا ہے۔

قوله وقال بعض الناس المعدن ركاز.

قال ابن تين المراد ببعض الناس ابو حنيفة.

﴿فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم ص ۲۰ العلامہ ابن حجر عسقلانی﴾

بلکہ یہی نہیں بلکہ سب سے زیادہ بخاری نواز ابن حجر عسقلانی خود اعتراف فرماتے ہیں کہ بخاری نے جو یہ کہا ہے کہ بعض لوگ معدن رکاز کو جاہلیت کے زمانہ میں دفن ہونے والے خزانوں کی مثل کہتے ہیں تو ابن التین نے لکھا ہے کہ بخاری کی بعض الناس سے مراد امام اعظم ابو حنیفہ ہیں۔

﴿۲﴾

بخاری شریف کتاب الہبہ میں کنیز کی خدمت کے متعلق حدیث بیان کرنے کے بعد امام بخاری فرماتے ہیں۔

قال بعض الناس هذه عارية

﴿بخاری شریف جلد اول ص ۳۵۹﴾

قارئین کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ بخاری شریف میں جس مقام پر

امام بخاری نے قال بعض النّاس کا جملہ نقل کیا ہے اسی جملہ کے نیچے یہ الفاظ موجود ہیں المراد بہ ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مگر جب خواندگی کا خناس ذہن میں سمایا ہوا ہو تو پھر کتابیں پڑھنے کی زحمت کیسے گوارا کی جاسکتی ہے۔

بہر حال شاہ نُور الحق محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ اگر چہ بخاری نے اسے درست سمجھتے ہوئے کہا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ ہبہ نہیں بلکہ عاریتاً ہے مگر یہی قول مناسب تر ہے اور یہی احناف کا مذہب ہے۔

امام کرمانی فرماتے ہیں کہ اس قول کو بعض النّاس میں داخل کرنے سے امام بخاری کا مقصد یہ ہے کہ اس کا قائل زبردستی کرتا ہے۔

امام بدر الدّین عینی حنفی شارحِ بخاری اس مقام پر فرماتے ہیں کہ امام کرمانی شارحِ بخاری نے فرمایا ہے کہ بخاری کی بعض النّاس سے مُراد یہاں امام ابو حنیفہ ہیں۔

وگفتہ اند بعضے مردم کہ ایں عاریت است ہبہ نیست وایں قول سزاوار تر است وہمیں مذہب حنیفہ است، کرمانی گوید داخل قول بعض مردم است ومقصود مولف آں است کہ ایں قائل تحکم کردہ است۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۴۳۱﴾

قال الکرمانی قیل اراد بہ الحنفیۃ،

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۳ ص ۱۸۹﴾

علاّمہ عینی کے علاوہ امام قسطلانی شارحِ بخاری بھی کرمانی کا یہ قول نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بخاری کی مُراد یہاں سے امام ابوحنیفہ ہیں۔

﴿ارشادالساری شرح بخاری قسطلانی جلد ص ۳۶۹ کرمانی شرح بخاری﴾

﴿۳﴾

امام بخاری منقولہ بالا کتاب الہبہ کے گھوڑے کے سواری کے باب کی حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

قال بعض الناس له ان یر جع فیها

﴿بخاری شریف کتاب الہبہ جلد اول ص ۳۵۹﴾

اراد بهذا البعض ابا حنيفة وانما قال له

امام بدرالدّین حنفی صاحب عُمدۃ القاری شرح بخاری اس مقام پر فرماتے ہیں کہ بُخاری کی بعض سے مراد ابوحنیفہ ہیں اور یقیناً یہ انہی کے لئے کہا گیا ہے۔

﴿عُمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۳ ص ۱۹۰﴾

اِمام قسطلانی شارحِ بخاری فرماتے ہیں کہ امام بُخاری نے جن کو بعض لوگ کہا ہے وہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور ایسے ہی امام کرمانی شارح بخاری نے فرمایا ہے۔

وقال بعض الناس ابو حنیفه رحمه الله

﴿ارشادالسّاری شرف بخاری ج ۴ ص ۲۷۵﴾

شاہ نُور الحق محدّث دہلوی بخاری کا قول نقل کرنے کے بعد طویل وضاحتی نوٹ کہتے ہیں جس کا محض عنوان ہدیہ قارئین ہے۔

وقال بعض الناس لہ ان ارجع فیہا و گفتہ اند مراد او را نیکہ رجوع کند۔

یعنی بعض لوگ کہتے ہیں یہ اسے پہنچتا ہے جب وہ رجوع کرے۔

نوٹ یہ ہے

یہ اس کتاب کے ص ۵۳ پر درج کئے گئے رسالہ حنیفہ کا تتمہ ہے جو کہ بخاری کی تحقیق اور اس کے قَالَ بَعْضُ النَّاس کہنے کے متعلق لکھا گیا ہے قولہ بعض الناس قیل اراد با لحنفیہ یعنی بخاری کی بعض الناس سے مراد احناف ہیں ابنِ بطال نے کہا ہے کہ بخاری کا یہ کہنا کہ ان لوگوں کے اقوال میں اختلاف پایا جاتا ہے درست نہیں،

وقال بعض الناس لہ ان یرجع فیہا قال ابن بطال لا اختلاف بینھم۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۴۳۳﴾

﴿۴﴾

متعصب کا دل

بخاری شریف کتاب الشہادت میں امام بخاری قاذف چور کی گواہی کے متعلق حدیث نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ

"بعض لوگ کہتے ہیں کہ تہمت لگانے والا اگر چہ توبہ بھی کر لے اس کی گواہی جائز نہیں،

وقال بعض الناس لا یجوز شهادة القاذف وان تاب۔

﴿بخاری شریف کتاب الشہادت جلد اول ص ۳۶۱﴾

امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ امام بخاری کے اس قول کی تشریح میں بیان فرماتے ہیں کہ بخاری کی بعض الناس سے مراد یہاں امام ابو حنیفہ ہیں کیونکہ وہ اسی طرف گئے ہیں مگر امام ابو حنیفہ کی یہ بات متعصب کے دل کو ٹھنڈک نہیں دے سکتی۔

اراد ببعض الناس ابا حنيفة فيما ذهب اليه ولكن هذا الامعنى ولا يبرد به قلب المتعصب۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۱۳ ص ۲۱۰﴾

ہمارا استدلال

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ بخاری نے کہا ہے کہ

وقال بعض الناس یعنی ابا حنیفة رحمة الله

﴿ارشاد الساری شرح بخاری للقسطلانی ج ۴ ص ۳۸۱﴾

بعض لوگ یعنی امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ قاذف و سارق وغیرہ کی گواہی کے مسئلہ میں بخاری کے بعض الناس کا ذکر فرماتے ہوئے شاہ نور الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں۔

وگفتہ اند بعضے مردم روا نیست شہادت قاذف اگر چہ توبہ کردہ باشد مراد مولف از مردم ابہام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ است، پوشیدہ نماند کہ ائمہ حنیفہ استدلال بآیات قرآنی کردہ اند و حدیث علی الخصوص غیر مرفوع باشد، معارض قرآن و ناسخ آں نیست امام ماترک قیاس میکند و اگر قولے از صحابی یافتہ شود اما ترک استدلال بایت و تمسک باں نمی کند۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری جلد دوم ص ۳۲۸﴾

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاذف اگر توبہ بھی کرلے تو اس کی گواہی جائز نہیں اس سے بخاری کی مراد امام ہمام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

اور یہ بات پوشیدہ نہیں کہ آئمہ احناف قرآن مجید کی آیات سے استدلال کرتے ہیں اور ایسی غیر مرفوع حدیث جو خصوصیت کے ساتھ قرآن مجید سے ٹکراتی ہو قرآن کی ناسخ نہیں ہوسکتی ہمارے امام ایسے مقام پر قیاس کو

ترک فرما دیتے ہیں اور اگر آپ کی صحابی کا قول ملے تو اسے آیت قرآنیہ سے استدلال کرتے ہوئے چھوڑ دیتے ہیں اور اسے تمسک نہیں فرماتے۔

﴿۵﴾

سوئے ادب

امام بخاری کتاب الا وصایا میں وصیت کے متعلق احادیث نقل فرمانے کے بعد کہتے ہیں۔

وقال بعض الناس لا یجوز اقراره لسوء الظن به للورثة الخ۔

﴿بخاری شریف کتاب الوصایا جلد اول ص ۳۸۴﴾

قال صاحب التوضیح المراد ببعض الناس ابو حنیفة وقال الکرمانی قول وقال بعض الناس ای کالحنفیة قلت هذا کلنه تشنیع علیٰ ابی علی الحنفیة مطلقا مع ان فیه سوء الادب علی ملا یخفی،

﴿عمدة القاری شرح بخاری ج ۱۴ ص ۴۱﴾

امام بدرالدین عینی حنفی شارحِ بخاری فرماتے ہیں کہ صاحبِ توضیح نے کہا ہے کہ امام بخاری کی بعض الناس سے مراد ابوحنیفہ ہیں اور کرمانی کے بخاری کے اس قول کے متعلق فرمایا ابوحنیفہ مراد ہیں علامہ عینی توضیح اور کرمانی

کی منقولا بالا عبارات نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بخاری کا بہتان ہے یا مع ان کے تمام احناف پر مطلقاً تہمت لگائی گئی ہے اور یہ واضح طور پر سُوئے ادب ہے۔

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں قال بعض الناس یعنی بخاری نے یہ بات احناف کے لئے کہی ہے۔

علامہ شاہ نُور الحق محدث دہلوی قدس سرہٗ امام بخاری کے اس بعض الناس کی تشریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

وقال بعض الناس لا یجوز اقرارہ السوء الظن بہ الورثۃ وگفتہ اند بعضے مردم گویا کنایت کردہ از حنفیہ روا نیست ایں اقرار ہائے نزدیک بمردن از جہت بدگمانی کہ باں مرد ہست مر وارثاں را۔

یعنی بخاری کا یہ کہنا کہ بعض لوگ کہتے ہیں احناف کے لئے کنایۃً کہا گیا ہے کہ ان حنفیوں کے نزدیک مرتے وقت بدگمانی کی صُورت میں اپنے وارثوں کیلیے اقرار کرنا جائز نہیں شاہ نور الحق محدث دہلوی حاشیہ پر مزید وضاحت فرماتے ہیں کہ بخاری کی مراد بعض لوگوں سے حنفیہ ہیں اور اس کے بعد آپ احناف کے حق میں روایات نقل کرتے ہیں۔

﴿۲﴾

زبردستی اہل کوفہ

امام بخاری کتاب الطلاق باب اللعان میں

والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا

انفسھم

آیت کریمہ کے تحت احادیث بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ

"قال بعض الناس لا حد و لا لعان ثم زعم ان طلقوا بکتاب"

امام بدر الدین عینی امام بخاری کی اس گرفت کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرماتے ہیں کہ امام کرمانیؒ نے کہا ہے بخاری کی یہاں بعض الناس سے مراد احناف ہیں یعنی بعض لوگوں کا یہ گمان ہے اور اس سے مراد بھی احناف ہیں اور فرمایا کہ بعض لوگوں کا زعم کہنے سے مراد امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ ہیں اور یہی مراد ہے بخاری کے قول کی اور کہا بعض لوگ تو وہ امام ابوحنیفہ ہیں اور بخاری کا یہ ارشاد احناف ہی کے فتویٰ کی طرف ہے اور بخاری کی ان پر زبردستی اور تحکم ہے۔

امام قسطلانی بخاریؒ کے متذکرہ بالا قول کی شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں سے بخاری کی مراد اہل کوفہ ہیں یاد رہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ کوفہ کے رہنے والے ہیں۔

﴿۷﴾

امام بخاری کتاب الایمان والنذور نبیذ کے متعلق حدیث بیان کر

کے بعد فرماتے ہیں !

فی قول بعض الناس و لیست هذه با نبذة عنده

﴿بخاری شریف جلد دوم ص ۹۸۹ کتاب الایمان والنذور﴾

قول بعض الناس قال ابن البطال مراد بخاری بعض

الناس ابو حنیفة۔

بُخاری کے اس قول کی تشریح کرتے ہوئے علامہ عینی فرماتے ہیں

کہ ابن بطال نے کہا ہے کہ بعض الناس سے بخاری کی مراد ابوحنیفہ ہیں۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ۲۳/۲۰۰﴾

نوٹ! اس روایت کی مزید وضاحت آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

﴿۸﴾

اثبات تناقص بہتان ہے

امام بخاری بخاری شریف میں کتاب الاکراہ کے باب اذا اکرہ

حتیٰ وهب عبده او باعه عم یجز میه کو شروع فرماتے ہیں اور اپنا فریضۂ

خاص یوں ادا فرماتے ہیں۔

قال بعض الناس فان نذر المشتری فیه نذراً فهو جائز

بزعمه و كذالك ان و يرده۔

﴿بخاری شریف ج دوم ص ۱۰۲۷﴾

بخاری کے اس قول پر امام بدر الدین عینی پوری پوری گرفت فرماتے ہوئے اپنی تالیف مبارکہ عمدۃ القاری شرح بخاری شریف میں رقمطراز ہیں۔

وبه قال بعض الناس قلت ان اراد ببعض الناس الحنفية فمذهب هو ليس كذلك اراد بهذا الكلام التشنيع على هولاء لبعض الناس وبيان التناقض الذى زعمه البخارى فيما قاله الكرمانى قال قال المشائخ انا قال البخارى بعض الناس يريد به الحنفية وغرضه ان يبين ان كلامهم متناقض وايضا فيه تحكم و تخصيص قلت اولا ليس مذهب الحنفية فى هذا كا زعمة البخارى كما ذكرنا۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ۱۴۴/۱۰۳﴾

بُخاری کا یہ کہنا کہ بعض لوگ کہتے ہیں میں کہتا ہوں کہ بُخاری کی بعض الناس سے مراد حنفی المذہب حضرات ہیں حالانکہ حنفی مذہب میں یہ بات ہی نہیں جیسا کہ

اس کلام میں ان لوگوں پر بہتان باندھا گیا ہے۔

اور بخاری کے زعم میں ان کے بیان میں تناقض پایا جاتا ہے۔

امام کرمانی فرماتے ہیں کہ مشائخ محدثین نے فرمایا ہے کہ جب بھی

بخاری بعض النّاس کا جملہ نقل کرتے ہیں تو ان کی مراد صرف احناف ہوتے ہیں اور ان کی غرض محض یہ ہوتی کہ حنفی مذہب حضرات کے کلام میں تناقض ثابت کیا جائے اور یہ بخاری کی زبردستی ہے اور خاص طور پر نشانہ طعن بنانا ہے۔

وہ بات ہی نہیں

حضرت امام کرمانیؒ کی عبارت نقل کرنے کے بعد علاّمہ بدرالدّین عینی فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ پہلی بات تو یہی ہے کہ مذہب حنفیہ میں وہ بات ہی نہیں جو بخاری نے یہاں اپنے زعم میں سمجھ رکھی ہے جیسا کہ میں نے ذکر کیا ہے۔

شارح بخاری امام قسطلانی علیہ الرّحمۃ امام بخاریؒ کے اس قول کے متعلق فرماتے ہیں کہ بخاری کی بعض النّاس سے مراد احناف ہیں اور بخاری کی غرض یہ ہے کہ بیع الاکراہ کے مسئلہ میں حنفیوں میں اختلاف وتناقض پایا جاتا ہے حالانکہ بخاری کی یہ زبردستی ہے اور بغیر مخصص کے خاص کرنا ہے۔

قال بعض الناس تمل الحنفیة، غرض البخاری
تناقضوا فان بیع الاکراہ تحکم وتخصیص بغیر
مخصص۔

﴿ارشاد الساری شرح بخاری للعسقلانی ۱۰ / ۹۹﴾

﴿۹﴾

امام بخاری بخاری شریف کتاب الاکراہ کے ایک دوسرے باب میں اپنا ذوق یوں پورا فرماتے ہیں۔

وقال بعض الناس لو قیل له لتشربن الخمر و لتاکلن الميتة او لتقتلن ابنك او اباك او ذا رحم محرم لم يسعه لان هذا ليس بمضطر ثم ناقض۔

﴿بخاری ص ۱۰۲۹ جلد دوم کتاب الحیل باب فی الزکوۃ﴾

﴿۱۰﴾

کیسے تردید ہو سکتی ہے

امام بخاری کتاب الحیل زکوۃ کے باب میں حدیث بیان کرنے کے بعد پھر ارشاد فرماتے ہیں !

قال بعض الناس ﴿بخاری جلد دوم ص ۱۰۲۹﴾

وقال بعض الناس قيل اراد الناس ابا حنيفة والتشنيع عليه لان مذهبه ۔

قول الشافعی ایضا فکیف یرید بقوله بعض الناس ابا حنيفة على الخصوص وقيل اراد به ابا يوسف فانه ۔

﴿عمدۃ القاری جلد ۲۴ ص ۱۱۰﴾

امام عینی فرماتے ہیں کہ بخاری کی مُراد بعض الناس سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور یہاں ان کے مذہب پر بہتان باندھا گیا ہے۔

وقال بعض الناس وهم الحنفية كما قيل فيما مر

فكيف يلود ردا على ابي حنيفة فتامله ضحه

﴿قسطلانی شرح بخاری ج ۱۰ص ۱۰۴﴾

وقال بعض الناس قيل المراد، السارق الحنفية

﴿ارشاد الساری شرح بخاری للامام القسطلانی ج ۱۰ص ۱۰۵﴾

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ بخاری کے اس قول کے تحت فرماتے ہیں کہ یہاں بعض الناس سے مُراد احناف ہیں جیسا کہ بار بار کہا گیا ہے مگر ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی تردید کیسے ہو سکتی ہے پس اس جگہ تامل کرنا چاہیئے۔

﴿۱۱﴾

بہتان تراشی

امام بخاری نے منقولہ بالا کتاب اور اسی باب میں روایت نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے قال بعض الناس كذا و كذا

﴿بخاری ص ۱۰۲۹ جلد دوم کتاب الحیل باب فی الزکوۃ﴾

وقال بعض الناس قال بعض الشراح اراد البخاری

بعض الناس ابا حنيفة يريد به التشنيع عليه بالكلمات

العدالعنی۔

﴿عمدۃ القاری جلد ۲۴ ص ۱۱۱﴾

علامہ عینی اس مقام پر فرماتے ہیں کہ بخاری کی بعض شروح میں بتایا گیا ہے کہ بعض الناس سے بخاری کی مراد امام ابو حنیفہ ہیں اور امام بخاری امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں تناقض کا اثبات کرنے کے لئے امام اعظم پر بہتان تراشی کرتے ہیں۔

قال بعض الناس یرید الامام ابا حنیفۃ

ایسے ہی امام قسطلانی شارحِ بخاری نے کہا ہے کہ امام بخاری کی بعض النّاس سے مراد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

﴿قسطلانی جلد ۱۰ ص ۱۰۵﴾

﴿۱۲﴾

ناجائز گرفت

اسی کتاب اور اسی باب کے تحت امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مزید طعن و تشنیع کے دروازے کھولے گئے ہیں اور امام بخاری نے محض قیاس آرائیوں سے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے مسلک پر ناجائز طور پر گرفت کرنے کی کوشش کی۔

﴿بخاری ص ۱۰۲۹ جلد دوم کتاب الحیل باب فی الزکوٰۃ﴾

جس کے جواب میں امام بدر الدّین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض الناس سے بخاری کی مراد امام ابو حنیفہ ہیں جیسا کہ ہم نے ذکر کیا ہے اور اس کلام میں بھی ہے حالانکہ احناف ان پر اس طرح نہیں لوٹاتے جس طرح بخاری نے گمان کر رکھا ہے اس لئے کہ فروعی مسائل میں تکرار کا کچھ فائدہ نہیں۔

اور اگر تم کہو کہ کرمانی نے کہا ہے کہ امام بخاریؒ نے احناف پر شدّت تشنیع اور زیادہ مخالفت تین احادیث ہی میں کی ہے تو میں کہتا ہوں کہ مجتہدین پر طعن و تشنیع جائز نہیں اور اس میں مخالفت حدیث کی بات نہیں جس طرف وہ گئے ہیں انہوں نے جو اس باب میں دیکھا بیان کر دیا اور اس کے لئے باطل

وقال بعض الناس اراد بقوله بعض الناس ابا حنيفة كما ذكرنا والكلام فيه وان الحنفية انما فلا يرد عليهم ما زعمه البخاري مجمعه لا فائدة في تكرار هذا الفروع وذكرها مفرقة فان قلت قال الكرماني انما كررها لارادة زيادة التشنيع وليبان مخالفتهم لثلاثة احاديث قلت التشنيع على المجتهدين الكبار لا يجوز وليس فيما ذهبوا اليه مخالفة لاحاديث الباب كما تراوهى ويظهر له الحق من الباطل والصواب من الخطا والله ولى العصمة التوفيق۔

﴿عمدۃ القاری جلد ۲۴ ص ۱۱۲﴾

سے حق اور خطا سے صواب ظاہر ہے اور اللہ ہی کی طرف سے محفوظ رہنے کی توفیق ملتی ہے۔

اِمام قسطلانی فرماتے ہیں کہ بخاری کا یہ قول کہ !

وقال بعض الناس ای الامام ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ

بعض لوگوں نے کہا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے ایسا کہا ہے۔

﴿قسطلانی ج ۱۰ ص ۱۰۶﴾

﴿۱۳﴾

غلیظ تہمت

امام بخاری کتاب الحیل باب الحیلۃ فی النکاح میں حریہ گوہر افشانی فرماتے ہیں کہ،

قال بعض الناس ان احتال حتی تزوج علی الشغار فھو جائز والشرط باطل وقال فی المتعۃ النکاح فاسد و شرط باطل وقال بعضھم المتعۃ والشغار جائز والشرط باطل۔

﴿بخاری شریف ص ۱۰۲۹ جلد دوم کتاب الحیل باب الحیلۃ فی النکاح﴾

اِس مقام پر بھی امام بخاری نے احناف پر اتہام تراشی کی ہے کہ

حنفیوں نے نکاحِ متعہ کا اثبات کیا ہے اور اسے جائز کہا ہے چنانچہ،

وقال بعض الناس ابو حنیفة وحده وهذا غير وارد

عليهم يذكر احد من الحنفية ...... قالوا صورة النكاح

اشغار وقال بعض الناس في نكاح المتعة ......

قوله وقال بعضهم الخ لم ارا احدا من الشراح

بين من هذا البعض وقال صاحب التوضيح المراد به

بعض اصحاب ابي حنيفة قلت لم يذكر احد من

اصحاب ابي حنيفة فيها من هذه وقال بعضهم ......

عن زفر انه اجازه الموقت والغى الشرط لانه شرط

فاسد النكاح الباطل ۔

﴿ عمدۃ القاری جلد ۲۴ ص ۱۱۲ ﴾

امام بدر الدّین عینی حنفی امام بخاری کے اس قول کے ماتحت ارشاد فرماتے ہیں کہ بخاری کی بعض النّاس سے مراد صرف ابو حنیفہ ہیں اور یہ احناف پر وارد نہیں کی جا سکتی کیونکہ حنفیوں میں سے کسی نے بھی یہ بات نہیں کی،

بُخاری کا یہ قول کہ بعض حنفیوں نے ایسا کہا ہے مگر ہم نے کسی بھی شرح میں نہیں دیکھا اور صاحبِ توضیح نے کہا ہے کہ اس سے مُراد ابو حنیفہ کے بعض اصحاب ہیں تو میں کہتا ہوں کہ ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اصحاب میں سے کسی نے بھی ایسی کوئی بات نہیں کی اور کہا ان میں سے بعض نے زفر سے

وقتی طور پر مشروط نکاح کرنے کی اجازت نقل کی ہے مگر یہ شرط فاسد اور نکاح باطل ہے۔

وقال بعض الناس ای الامام ابو حنيفة رحمة الله عليه

وقال ای ابو حنيفة فی المتعة ...... انها ...... منسوخة

وقال بعضهم ای بعض الحنفية قال حافظ ابن حجر

باطل قال وعند ابی حنيفة وصاحبيه النكاح باطل۔

﴿قسطلانی ج ۱۰ ص ۱۰۶﴾

امام قسطلانی امام بخاری کے اس قول کا بطلان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بخاری نے بعض الناس امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو کہا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے متعہ کے متعلق فتویٰ دیا ہے کہ متعہ منسوخ ہو چکا ہے اور امام بخاری کا یہ کہنا ہے کہ قال بعضہم تو اس سے ان کی مراد بعض حنفیہ ہیں مگر امام ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ باطل ہے کیونکہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک نکاح متعہ باطل ہے۔

﴿۱۴﴾

ناجائز تردید

بخاری شریف کتاب الحیل باب الحیلۃ فی النکاح میں امام بخاری کے قال بعض الناس کے جواب میں امام قسطلانی شارح بخاری فرماتے ہیں

وقال بعض الناس ای الامام ابو حنیفۃ رحمۃ اللہ

کہ اس سے مُراد امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

﴿قسطلانی شرح بخاری ج ۲۴ ص ۱۰۲﴾

وقال بعض الناس لا مناسبۃ لذکر ھذا ھنا لان

البطلان المتعۃ قول ظفر۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۲۴ ص ۱۱۳﴾

امام بدرالدّین عینی فرماتے ہیں کہ ان کا ذکر کرنا اس طرح مناسب

نہیں جو خود متعہ کا بطلان کرتے ہیں۔

علامہ نُورالحق محدّث دہلوی فرماتے ہیں کہ

مقصود مؤلف آوردن ایں حدیث رواست برابی حنیفہ

رحمۃ اللہ علیہ۔

مؤلف کا اس حدیث کو یہاں لانے کا مقصد محض امام

ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا رَدّ کرنا ہے۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۲۴۴﴾

﴿۱۵﴾

بُخاری شریف کی اسی کتاب الحیل میں غصب کنیز کے باب میں

صفحہ نمبر ۱۰۳۰ پر امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے پھر امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ پر طعن و تشنیع کے دروازے کھولنے کی کوشش فرمائی ہے اور اپنے مشہور قول

قال بعض الناس کا اعادہ فرمایا ہے۔

مشائخ کو زیب نہیں

امام بدر الدین عینی حنفی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عظیم تالیف عمدۃ القاری شرح بخاری میں بخاری کے اس طعن کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں۔

وقال بعض الناس اراد ببعض الناس ابا حنیفة ولیس لذکر هذا الباب هنا وجه لانه لیس موضعه وانما اراد به التشنیع علی الحنفیة ولیس هذا من اداب المشائخ۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۲۳ ص ۱۱۵﴾

وقال بعض الناس یعنی امام بخاری کی مراد یہاں بعض الناس سے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں حالانکہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں ایسے موقع پر کوئی ایسی بات نہیں کی جو بخاری کی بیان کردہ وجوہات کے زمرہ میں آتی ہو۔ چنانچہ امام بخاری نے بلاوجہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو مورد تشنیع ٹھہرایا ہے اور ایسی باتیں کرنا مشائخ کو زیب نہیں دیتا۔

وقال بعض الناس ای الامام اعظم ابو حنیفة رحمه الله تعالیٰ ثم استدل البخاری لبطلان ذالك بقوله اجاب العینی وقال ابن بطال خالف ابا حنیفة الجمهور فی ذالك۔

﴿قسطلانی شرح بخاری جلد دہم ۱۰۸﴾

امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض الناس سے امام بخاری کی مراد یہاں امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور پھر بخاری نے امام ابوحنیفہ کے قول کے بطلان پر جو دلیل قائم کی ہے اس کا جواب امام بدر الدین عینی نے دے رکھا ہے اور ابنِ بطلال نے بخاری کی ہموائی میں کہا ہے کہ ابوحنیفہ اس قول میں جمہور کے خلاف ہیں۔

﴿۱۶﴾

بلاوجہ لعن طعن

اسی کتاب الحیل کے باب شہادت میں امام بخاری نے صفحہ نمبر ۱۰۳۰ پر بعض الناس کا سہارا لے کر حسب معمول پھر امام اعظم ابوحنیفہ پر باب تشنیع کھولا ہے جس کا جواب دیتے ہوئے علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

وقال بعض الناس اراد ایضاً ابا حنیفة واراد به التشنیع علیه ولا وجه له فی ذکرہ ھا ھنا قوله وابو حنیفة امام مجتھد ادرک صحابه ومن التابعین خلقاً کثیرا وقد تکلم فی ھذہ المسالة باصل بالاجماع۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۲۴ ص ۱۱۴﴾

وقال بعض النّاس سے بخاری کی مراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں

اور اُن کو اِس مقام پر بخاری نے بلاوجہ لعن طعن کیا ہے اور امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ امام مجتہد تھے اور صحابہ و تابعین میں سے خلق کثیر کا ادراک رکھتے تھے اور آپ نے جو کچھ اس مسئلہ میں کلام فرمایا ہے اس کی اصل موجود ہے اور اجماعی ہے۔

﴿۱۷﴾

بہت بڑا طعن

امام بخاری نے کتاب الحیل میں تو بار بار سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کو ہدفِ طعن بنایا ہے۔

﴿بخاری شریف کتاب الحیل باب فی النکاح جلد دوم ص ۱۰۳۱﴾

یُوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس مقام پر امام اعظم کی یاد بخاری پر بہت بری طرح مسلّط ہو چکی ہو چنانچہ اس باب نکاح میں پھر بعض النّاس کا اعادہ کر ڈالا ہے جس کا جواب دیتے ہوئے امام بدر الدّین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وقال بعض الناس اراد به التشنیع ایضاً علی ابی حنیفة قال الکرمانی وھذا تشنیع عظیم۔

﴿عمدة القاری شرح بخاری جلد ۲۴ ص ۱۱۸﴾

وقال بعض النّاس سے بخاری کی مراد امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ

علیہ پرطعن وتشنیع کرنا ہے کرمانی فرماتے ہیں کہ یہ بہت بڑا طعن ہے۔

وقال بعض الناس هو الامام ابو حنيفة، فقول الامام

ابى حنيفة خارج عن هذا كله ذكر فى فتح البارى۔

﴿قسطلانی شرح بخاری جلد ۱۰ ص ۱۱۱﴾

وقال بعض النّاس کا ذکر کرتے ہوئے امام قسطلانی رحمۃ اللہ علیہ

فرماتے ہیں کہ بخاری کی اس سے مراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا قول اس

بحث سے قطعی طور پر الگ ہے اور ان تمام امور کا ذکر امام ابن حجر عسقلانی نے

فتح الباری شرح البخاری میں بھی کر رکھا ہے۔

﴿۱۸﴾

غلطی کی ہے جانتے ہی نہیں

شاہ نور الحق محدث دہلوی اونٹوں کی زکوۃ کے مسئلے میں امام اعظم پر

بخاری کے طعن کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں

وقال بعض الناس فی عشرين ومائة بغير حقتان یعنی

وگفتہ اند بعضے مردم کہ در یک صد و بست شتر دو شتر جوان

است وجہی در تعرض ایں نصاب شتر و تخصیص ذکر آں

ظاہر نیست ومکرر مذکور شدہ کہ مولف ازیں بعض مردم

حنیفہ مرادی وارد۔

وایں قول مخصوص بحنفیہ نیست شافعیہ وغیر ایں ہاہمہ
قایل اند و مخالف حدیثے ہم نیست تا بموجب طعن
بحنفیہ باشد گویا مولف سہو کردہ و مطلع بریں معنی
نیست۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری جلد ۲ ص ۲۴۶﴾

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ زکوۃ ایک سو بیس اونٹوں میں سے دو
جوان اونٹ ہیں۔

اور تخصیص اس ذکر کی ظاہر نہیں اور مکرر ذکر ہوا کہ امام بخاری اس
سے مراد بعض حنفیہ کو لیتے ہیں حالانکہ یہ قول محض احناف کے لئے ہی مخصوص
نہیں بلکہ شوافع اور ان کے علاوہ دوسرے تمام لوگ بھی اسی کے قائل ہیں اور
یہ کسی بھی حدیث کے خلاف نہیں کہ حنفیہ کے لئے موجب طعن ہوتا گویا امام
بخاری نے غلطی کی ہے اور وہ اس مسئلہ کو جانتے ہی نہیں۔

وقال بعض الناس فی رجل له ابل فخاف ان تجب
علیه الصدقة۔

یعنی گفتہ است بعضے مردم در حق مردے کہ مر
اُرا شترے است پس ترسید آنکہ واجب شود بروے
زکاتے پوشیدہ نماند کہ ایں کلام کہ بقصد تناقض در کلام
امام ابو حنیفہ آوردہ تناقضے نہ دارد از انکہ واجب

نمی شود ۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری ج ٦ ص ٢٣٦﴾

صدقہ کے متعلق آنے والی روایت میں امام بخاری کے بعض النّاس کا جواب دیتے ہوئے شاہ نُورالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بخاری نے کہا کہ بعض لوگ اس مرد کے حق میں کہتے ہیں جس کے پاس اونٹ ہے اور اسے اس کی زکوٰۃ کا خدشہ ہے۔

چنانچہ یہ بات ڈھکی چھپی نہیں کہ بخاری نے یہ سب کچھ اس لئے لکھا ہے تاکہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں تناقض ثابت کیا جاسکے حالانکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کلام میں ہرگز تناقض نہیں اس لئے امام بخاری کے لئے یہ بات کرنا جائز نہیں۔

﴿١٩﴾

دُوسرا طعن

اِمام بخاری نے اسی کتاب الحیل باب فی النکاح میں پھر اپنے ذوق کی تسکین کا سامان فراہم کرنا چاہا ہے جس کے جواب میں علّامہ عینی ارشاد فرماتے ہیں۔

وقال بعض الناس، تشنیع آخر علی الحنفیۃ ۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ج ٢٤ ص ١١٨﴾

وقال بعض الناس امام بخاری کا یہ حنفیہ پر دوسرا طعن ہے۔

اِمام قسطلانی فرماتے ہیں !

وقال بعض الناس هو ابو حنيفه الإمام۔

﴿ارشاد الساری شرح بخاری قسطلانی جلد ۱۰ ص ۱۱۱﴾

وقال بعض النّاس سے بخاری کی مُراد امام ابوحنیفہ ہیں۔

وقال بعض الناس هذا قول ابی حنيفه۔

﴿فتح الباری شرح بخاری جلد ششم ص ۱۲۷﴾

امام بخاری کے مخصوص ہمنوا علاّمہ ابنِ حجر عسقلانی صاف طور پر فرماتے ہیں کہ یہ قول ابوحنیفہ کا ہے جسے بخاری نے بیان کیا ہے۔

مخالفِ رسول کون ؟

امام بخاری اسی کِتاب الحیل کے باب ہبہ اور شفعہ میں اِمام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر پُوری قوت سے حملہ آور ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مخالف ہیں۔

﴿بخاری شریف کتاب الحیل باب فی النکاح جلد دوم ص ۱۰۳۲﴾

قال ابو عبد الله ﴿ بخاری ﴾ خالف رسول الله صلی الله علیه و آلہٖ وسلم وهو الامام ابو حنيفه ۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری ج ۶ ص ۲۵۷﴾

علامہ شاہ نور الحق نے تیسیر الباری میں واضح طور پر فرمایا کہ امام

بخاری نے یہاں امامِ اعظم کو ہی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا مخالف کہا ہے۔

اور امام اعظم ابو حنیفہ نے اسی مسئلہ کے متعلق جو ارشاد فرمایا ہے وہ ابنِ ماجہ شریف کی کتاب الاحکام میں بھی موجود ہے اندریں صُورت بخاری کو کیسے جائز ہو گیا کہ وہ ایک اُیسے عالم وزاہد امام کے حق میں طعن و تشنیع کرے جن کے اوصاف حمیدہ کا احاطہ کرنے سے ان کے مدّاح قاصر ہیں امام اعظم مخالف رسول ہیں؟

مگر وہ کس طرح مخالفِ رسول ہیں جب کہ انہوں نے اس حدیث کو تین کبار صحابہ سے بیان کیا ہے جب کہ وہ حدیث جس سے مخالفین حُجّت پکڑتے ہیں اس کا بھی امامِ اعظم ابو حنیفہ نے انکار نہیں فرمایا۔

وقال بعض الناس اراديه التشنيع ايضاً على ابى حنيفة من غير وجه لان ابا حنيفة فى اى موضع قال هذا المسالته على هذالصورة قل الذى قاله ابو حنيفة فاخرجه ابن ماجه فى الاحكام فكيف يحك ان يقال فى حق هذالامام الذى علمه وزهد لا يحيط بهما الواصفوان انه خالف الرسول ؟ و كيف خالفه وقد احتج فيما قاله باحاديث هولاء ثلاثة من الصحابة الكبار واما الحديث الذى احتج به مخالفوه فلم ينكره ابو حنيفة بل عمل بالحديثين بهما فعمل بالحديث ولقائل يقول للقائل الذى قال ان ابو حنيفة

بلکہ وہ ان ہر دو احادیث پر عمل کرتے ہیں اور اس کے بھی قائل ہیں جس کے تم قائل ہو لہذا صاف بات یہ ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ مخالف رسول نہیں بلکہ تم خود بخاری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث کے مخالف ہو،

میں کہتا ہوں کہ اسے چار اصحاب سُنَن نے نقل فرمایا ہے اور میں یہ بھی کہتا ہوں کہ امامِ اعظم کے اصحاب میں سے کسی بھی اسے امام اعظم سے نقل نہیں کیا جو تم کہتے ہو اور بلاشبہ تمہارے اس طعن و تشنیع کے تیروں کا ہدف وہی چاروں اصحابِ سُنَن بنیں گے۔ا

اِمام ابن حجر عسقلانی جو امام بخاری کی ہموائی میں پوری قوت صَرف فرما دیتے ہیں وہ بھی تسلیم فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے یہاں مخالف رسول امام اعظم ابو حنیفہ کو ہی کہا ہے

چنانچہ وہ فرماتے ہیں۔

مخالف الرسول انت مخالف الرسول فی الحدیث۔

قلت ا روی اصحاب السنن الاربعۃ۔ وقلت لم یکن احد من اصحاب ابی حنیفۃ ا واحد من اصحابہ قال ذالک وانما ھذا اطلاق لعشیۃ التشنیع علیھم۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۲۳ ص ۱۲۱﴾

اشفعه وقال بعض الناس ابو حنیفة

قال بعض النّاس اور وہ امام ابو حنیفہ ہیں۔

﴿فتح الباری ج ۶ ص ۱۲۸﴾

علامہ قسطلانی فرماتے ہیں کہ یہاں امام بخاری نے امام اعظم ہی کو

مخالف رسول کہا ہے۔

وقال بعض الناس وخالف رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم الا مام ابو حنیفۃ۔

﴿ارشاد السّاری شرح بخاری قسطلانی ج ۱۰ ص ۱۱۳﴾

﴿۲۰﴾

ایک بات کیجئے

نبیذ کے متعلق بخاری کے امام اعظمؒ پر کیے ہوئے طعن کا جواب

دیتے ہوئے شاہ نور الحق محدث دہلوی اپنے رسالہ منہیہ میں فرماتے ہیں کہ!

بخاری نے بعض النّاس کے حوالے سے جن لوگوں پر طعن کیا ہے

ان کے نزدیک یہ نبیذ نہیں ہے۔

اور اس امر میں شارحین کا اختلاف ہے کہ اس امام اعظمؒ کا رد کیا ہے

یا ان کو راہ راست پر سمجھا ہے۔

چنانچہ بعض نے کہا ہے کہ بخاری نے یہاں امام اعظم ابو حنیفہؒ کا

رد و بطلان کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہاں امام ابوحنیفہ کے قول کو راہِ صواب پر سمجھا گیا ہے اس کے بعد پھر وہی منقولہ بالا قول دُہرانے کے بعد کہ احناف کے نزدیک یہ چیز نبیذ نہیں علامہ شاہ نور الحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام قسطلانی نے کہا کہ علامہ عینی نے اس پر اعتراض کیا ہے اور انہوں نے اس واضح قول سے استدلال کیا ہے جو حضرت امام اعظم ابوحنیفہؒ سے اس کے متعلق نقل کیا گیا اور امام عینی نے فرمایا ہے کہ، حدیث سہل سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے بیان کی تردید نہیں کی جا سکتی کیونکہ ان کے نزدیک اس چیز پر اسم نبیذ کا اطلاق ثابت نہیں۔

فی قول بعض الناس ولیست هذه بانبذة عنده انتهیٰ

اختلف الشارحون فی مراد البخاری هنا فقال بعضهم مراده الرد علی الامام ابی حنیفة رحمة الله علیه وقال بعضهم مراده هی تصویب قول ابی حنیفة ومن قال لم یحنث بدلیل انه لو اراد خلافه لترجم علی انه یحنث قوله ولیست هذه بانبذة عنده۔

قال القسطلانی واعترضه العینی بانه یحتاج الی دلیل ظاهر انه نقل هکذا عن ابی حنیفة۔ الخ

قال الامام عینی ولیس فی حدیث سهل الذی ذیل الترجمة رد علی ابی حنیفة رحمه الله لانه لم یثبت الاطلاق الم النبیذ۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری ج ٦ ص ۱۴۱﴾

﴿۲۱﴾

چوٹ پر چوٹ

اسی کتاب الحیل کی اگلی حدیث میں امام بخاری علیہ الرحمۃ پھر سیدنا امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر واضح طور پر چوٹ کرتے ہیں۔

﴿بخاری کتاب الحیل جلد دوم ص ۱۰۳۲﴾

جس کا جواب دیتے ہوئے علامہ عینی فرماتے ہیں کہ

یہ بخاری کی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر مزید تشنیع ہے حالانکہ یہ قطعی طور پر نادرست ہے البتہ اس مسئلہ میں امام ابویوسف اور امام محمد کے مابین ضرور اختلاف ہے اور وہ یہ کہ امام محمد اس کی کراہت کے قائل ہیں اور امام شافعیؒ نے فرمایا کہ اس سے دونوں میں تناقض کا اثبات ہوتا ہے مگر میں کہتا ہوں کہ اس میں قطعاً تناقض نہیں۔

قال بعض الناس هذا تشنيع آخر على ابى حنيفة وهو غير صحيح لان هذه المسالة فيها خلاف بين ابى يوسف و محمد يوسف هو الذى يرىٰ ذالك وقال محمد لكره ذالك وبه قال الشافعى به اثبات تناقض۔ قلت! لاتناقض هنا اصلا لانه۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۲۴ ص ۱۲۲﴾

وقال بعض الناس هوابو حنيفة رحمه الله تعالیٰ ثم عمد ای عمد ابو حنيفة فتناقض كلامه وليس فی شئی من خلاف السنته لكن المشهور عند الحنفية المذكور لابی يوسف وامام محمد بن الحسن فقال لكره ذالك۔

﴿قسطلانی شرح بخاری ج ۱۰ ص ۱۱۴﴾

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ قال بعض النّاس سے مُراد امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور بخاری نے کہا ہے کہ امام ابوحنیفہ نے یہ دانستہ کیا ہے لہٰذا ان کے کلام میں تناقض پایا جاتا ہے مگر امام اعظمؒ کے اس فرمان میں خلافِ سُنّت کوئی چیز بھی موجود نہیں ہاں البتہ اُحناف کے نزدیک یہ حیلہ مشہور ہے امام ابُو یوسفؒ اسے مکروہ نہیں سمجھتے جب کہ امام محمدؒ کے نزدیک اس میں کراہت ہے۔

وقال بعض الناس هذ تشنيع على الحنفية بلاوجه على تذكرة وقال صاحب توضيح انما اراد البخاری ان يلزم ابا حنيفة التناقض۔

﴿کرمانی شرح بخاری ج ۲۴ ص ۲۱۲﴾

﴿۲۲﴾

بعض النّاس کے بہانے

جیسا کہ ہم پہلے بھی عرض کر چکے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس باب میں خاص طور پر امام اعظم کو سب وشتم کا نشانہ بنایا ہے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے احناف کی کُتب میں سے خاص طور پر اسی باب کا مطالعہ کیا ہے اور پھر اپنی محنت سے پورا پورا فائدہ اٹھانے کی کوشش فرمائی ہے۔

چنانچہ آپ پھر "قَالَ بَعْضُ النَّاس" کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ کی خُوب خُوب تردید فرماتے ہیں جس کا جواب دیتے ہوئے امام بدرالدّین عینی حنفی شارح بخاری رقمطراز ہیں۔

وقال بعض الناس هذا تشنيع على الحنفية بلاوجه على قائل كره وقال صاحب التوضيح انما اراد البخاري ان يلزم ابا حنيفة التناقض قلت هذا الذي قاله كلام ايضاً فكيف يحل لهذا القائل ان يفترى على مثل الامام الذى سبق امامه وغير ونسب اليه ابطال السنة۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۲۴ ص ۱۲۴﴾

"وقال بعض الناس" کے بہانے امام بخاریؒ نے بلا وجہ حنفیوں پر تشنیع کیا ہے۔

الزامِ تناقض

اور صاحب توضیح فرماتے ہیں کہ امام بخاریؒ کی مراد اس سے امام ابو حنیفہ رکھنا ہے کہ ان کے کلام میں تناقض پایا جاتا ہے۔

بلا وجہ افترا

میں کہتا ہوں کہ بخاری نے بلا وجہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اِفترا کیا ہے اور جھوٹ باندھا ہے اور یہ اس کے لئے ہرگز جائز نہیں کہ وہ اپنے امام سے پہلوں پر ابطال سنت کی تہمت لگائیں۔

اِمام کرمانی فرماتے ہیں !

وقال بعض الناس هو النعمان ايضاً رحمة الله عليه۔

"وقال بعض النّاس" بخاری کے نزدیک نعمان ہیں یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ۔

﴿کرمانی شرح بخاری ج ۲۴ ص ۱۵۷﴾

امام قسطلانی کہتے ہیں کہ !

وقال بعض الناس هو النعمان الامام ابو حنيفة

بخاری کی مراد اس سے امام اعظم ابو حنیفہ ہیں۔

﴿قسطلانی ج ۱۰ ص ۱۱۵﴾

وقال بعض الناس هذا ايضاً تشنيع الحنفية۔

﴿عمدۃ القاری ج ۲۴ ص ۱۲۴﴾

وقال بعض الناس الامام ابو حنيفة رحمة الله عليه ۔

﴿قسطلانی ج ۱۰ ص ۱۱۵﴾

امام بخاری اس حدیث کے بعد آنے والی حدیث میں پھر امام اعظم اور احناف کو نشانہ طعن بناتے ہیں جس کا جواب امام عینی اور امام قسطلانی نے دیا ہے اور بتایا ہے کہ بعض النّاس سے مراد احناف اور امام اعظم ہیں۔

﴿۲۳﴾

کمال جرأت ہے

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اسی کتاب الاحکام کے خط مختوم کی گواہی کے باب میں ص ۱۰۶۰ پر ''قال بعض النّاس'' کے پس پردہ جن حضرات پر تشنیع کی ہے امام بدر الدّین عینی نے ان کی جو وضاحت فرمائی ہے وہ یہ ہے،

وقال بعض الناس اراد ببعض الناس الحنفية وليس غرضه من ذكر هذا ونحوه مما معنى الا التشنيع على

الحنفية لامر جرى بينه وبينهم، حاصل غرض البخاری من هذا الكلام اثبات المناقضه بيان وجه المناقضه فی كلام الحنفية كان هذا قبل الثبوت اوبعده غرضه من ايراد هذالرد على الحنفية۔

﴿عمدة القاری جلد ۲۴ ص ۲۳۶، ۲۳۷﴾

"بعض الناس" سے امام بخاری کی مراد احناف ہیں اس تذکرہ اور اس کی مثل دوسرے بیانات سے امام بخاری کی سوائے اس کے قطعی طور پر کوئی غرض وغایت نہیں کہ حنفیوں پر طعن وتشنیع کے تیر برسائے جائیں اور یہ اس کی کمال جرأت ہے اور بخاری کی غرض کا حاصل یہ ہے کہ جیسے بھی ہو حنفیہ کے کلام میں تناقض وتصادم کا اثبات کیا جائے۔ حالانکہ یہاں کلام احناف میں تناقض کی وجہ صرف ثبوت کے پہلے اور ثبوت کے بعد کی بات ہے اور بخاری کی غرض یہ بیان کرنے سے حنفیہ کا رد کرنا ہے۔

وقال بعض الناس ابو حنيفة واصحابه۔

﴿قسطلانی جلد ۱۰ ص ۲۳۱﴾

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ امام بخاریؒ کے اس "بعض الناس" کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد الساری شرح بخاری میں رقمطراز ہیں کہ بعض لوگوں سے امام بخاری کی مراد امام اعظم ابوحنیفہ اور آپ کے اصحاب ہیں۔ رضی اللہ عنہم۔

﴿۴۴﴾
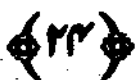
دماغ ہی سُنّ ہو گئے

باطِل تعصّب

امام بخاری، بخاری شریف جلد دوم ص ۱۰۶۸ میں کتاب الحکام کے ضمن میں حدیث بیان کرنے کے بعد "بعض الناس" کا سہارا لیتے ہوئے امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر بالخصوص اور تمام احناف پر بالعموم جو کرم فرمائی کرتے ہیں اس کے جواب میں شارحینِ بخاری کے تبصرے ملاحظہ فرمائیں۔

امام بدر الدّین عینی حنفی فرماتے ہیں ! "بعض الناس" کا صیغہ امام بخاری دوسروں کی تردید کے لئے استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہاں ان کے اپنے قول کی تردید ہے جب کہ "بعض الناس" سے ان کی مراد امام ابو حنیفہ بھی ہیں اور بعض دوسرے احناف امام محمد وغیرہ ہیں اور بعضھم سے مراد

وقال بعض الناس وهو رد لقول من قال البخاری اذ قال بعض الناس اراد به ابا حنيفة، ايضاً بعض الحنفية لان محمد بن الحسن قال با نه لايد من وقال بعضهم المراد ببعض الناس الامام محمد بن حسن موافقه الشافعی فقال فيه رد لقول من قال ان البخاری ۔۔الخ

خاص طور پر امام محمد بن حسن رحمۃ اللہ علیہ ہیں اور کہا کہ اس کی موافقت امام شافعی کے قول سے ہوتی ہے اور بخاری نے ان کے قول سے تردید کرنا چاہی ہے۔

میں کہتا ہوں سبحان اللہ کیا کہنے اس باطل تعصب کے جو اس قدر بڑھ گیا کہ ان کے اپنوں کے دماغ ہی سُن ہو گئے بقول اوفی کے یہ مقام تو خود انہی پر تشنیع کرنے اور ان کی قبح حالی کے اظہار کا ہے چہ جائیکہ ان لوگوں کے کلام کو ہدفِ تشنیع بنایا جائے جن کا شمار آئمہ کبار میں ہوتا ہے اور وہ ان سے اسلام میں سبقت رکھنے والے اور دین میں فوقیت رکھنے کے ساتھ ساتھ علم کثیر کے مالک ہیں پس میں نے احتیاط و جزم سے یہ بات کی ہے کہ بخاری کی "بعض الناس" سے مراد امام ابوحنیفہ اور آپ کے شاگرد امام محمد بن حسن ہیں۔

قلت ! سبحان اللّٰہ ماهذا التعصب الباطل حتی یوقعوا به انفسهم فی المحذور بقول اوفی موضع تشنیع علیه وقبیح الحال وما تشنیع من یتکلم فی الائمة الکبار الذین سبقوهم بالاسلام وفوق الدین و کثیرة العلم ، فانی ماجزم بان المراد البخاری ببعض الناس ابو حنیفة و محمد بن الحسن فی کلامه والصحب من بعضهم الذی جزم بان المراد به محمد بن الحسن علی ان البخاری لا یراء الشافعی قط والدلیل علیه انه ماروی عنه قط

یہ تیر کس نے بنائے؟

چنانچہ بخاری نے ان بزرگوں اور ان کے اصحاب کے کلام کو ہدف تنقید بنایا ہے حالانکہ امام شافعی نے اس قسم کے تیر ہرگز نہیں بنائے اور اس پر دلیل یہ ہے جامع صحیح میں ان کی ایک روایت بھی ایسی موجود نہیں اور اگر وہ معترف تھے تو ان سے بھی حضرت امام مالکؒ کی طرح کوئی روایت ہوتی یا پھر جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ نے مسند بریدہ میں کتاب المغازی کے آخر پر اور کتاب الصدقات اور کتاب النکاح میں روایت نقل کی ہیں۔

امام قسطلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں "بعض الناس" سے بخاری کی مراد محمد بن حسن تلمیذ امام اعظمؒ ہیں جیسا کہ امام شافعیؒ نے امام ابن زفرؒ کے متعلق کہا ہے۔

جامعته الصحیح ولو کان یعترف به لروی عنه کما روی عن المالك، وکذالك روی احمد بن حنبل فی آخر المغازی فی مسند بریدة وقال فی کتاب الصدقات احمد بن حنبل وقال فی کتاب النکاح قال ان احمد بن حنبل۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ۲۴ ص ۲۴۷، ۲۴۸﴾

وقال بعض الناس محمد بن الحسن وکذا الشافعی ابن زفر۔

﴿قسطلانی شرح بخاری ج ۱۰ ص ۱۹۵﴾ ﴿مسند امام احمد ج ۲ ص ۷۴۲﴾

علامہ شاہ نور الحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہاں بعض الناس سے بخاری کی مراد امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ ہیں یعنی ابو حنیفہ کا یہ مذہب ہے کہ اگر اس شرط کے ساتھ حیلہ کریں تو یہ نکاح جائز ہے اور شرط باطل ہے اور کہا کہ نکاح متعہ فاسد اور شرط باطل ہے اور ان میں سے بعض نے کہا ہے متعہ اور شغار جائز ہے اور اس کی شرط باطل ہے اور بخاری کا مقصد یہاں یہ ہے کہ ان لوگوں کا مذہب مذکورہ حدیث کے خلاف ہے اور جیسا کہ کہا کہ انکار راجع اسی شرط پر ہوگا اور نہی تنزیہی ہے یا وہ کہ احتمال منسوخیت ابھی باقی ہے جب کہ نہی نکاح متعہ دوبار ہوئی ہے اور نکاح متعہ منسوخ ہو چکا

وقال بعض الناس ان احتال حتی تزوج علی شغار فهو جائز والشرط الباطل۔

یعنی مذہب ابی حنیفہ ایں است کہ اگر حیلہ کردند بدیں شرط نکاح است بمہر مثل و شرط باطل است،

وقال فی المتعة النكاح فاسد والشرط باطل وقال بعضهم المتعة والشغار جائز والشرط الباطل۔

مقصود ایں مولف ایں است کہ ایں مذہب مخالف مذکور است وی توان گفت تواند کہ نہی راجع باین شرط باشد و نہی تنزیہی بود یاں آں کہ احتمال منسوخیت باقی است چنانچہ نکاح متعہ مکرر شدہ است و منسوخ گشتہ و نزد امام حدیث ناسخ باشد و باایں ہمہ احتمال ہا بایں ظن سوء بر مثل ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جرأت کردن لائق نمی نماید۔

ہے اور امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حدیث ناسخ ہو گی باوجود اِن تمام تر احتمالات کے اِمامِ اعظم ابو حنیفہ جیسے لوگوں پر سُوئے ظن اور بدگمانی کی جرأت کرنا قطعی مناسب نہیں۔

"قال بعض الناس" اور قال بعضہم یہ دونوں قول پیش کرنے سے بخاری کے مؤلف کا مقصد صرف یہ ہے کہ ان دونوں اقوال میں تناقض کا اثبات کیا جائے۔

دھوکے باز

امام بخاری، بخاری شریف میں چند روایات نقل کرنے کے بعد امامِ اعظم کے ایک ارشاد کو سامنے رکھتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ

قال ابو عبد اللّٰہ فاجاز ھذا الخداع بین المسلمین وقال بعض الناس۔

ابو عبداللہ یعنی میں بخاری کہتا ہوں کہ کیا یہ جائز ہے کہ مُسلمانوں کے درمیان دھوکے اور فریب سے کام لیا جائے جیسا کہ "بعض لوگوں" نے کہا ہے۔

﴿بخاری شریف۔ جلد دوم ص۱۰۳۳﴾

یہ گستاخی ہے

امام عینیؒ اس کا جواب دیتے ہوئے اِرشاد فرماتے ہیں کہ

هذا ایضاً تشنیع بعد تشنیع بلاوجه وقال هذا تناقض بین لامته مجمعته و ابو حنیفة۔ الخ

بخاری کی یہ تشنیع کے بعد تشنیع بلاوجہ ہے جو اس نے یہ کہا ہے کہ تمام اُمت اور ابوحنیفہؒ کے مابین تناقض پایا جاتا ہے۔

فا جاز هذه الخداع بین المسلمین۔ فاجاز جیسا کہ ابو حنیفہ تو یہ بخاری کی امام اعظم کی شان میں گستاخی اور سوئے ادب ہے۔

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ بعض الناس سے بخاری کی مراد نعمان بن ثابت ابوحنیفہ ہیں اور بخاری کا یہ کہنا کہ کیا مسلمانوں کے درمیان دھوکا اور فریب دینا جائز ہے؟ تو اس سے مراد ہے کہ ابوحنیفہ مسلمانوں کے مابین دھوکا اور فریب دینے والے ہیں۔

فاجاز هذه الخداع بین المسلمین، فاجاز کالا بوحنیفة فیه سوء الادب فحاشا ابو حنیفة من ذالك فدرینه متین وورعه المحکم الخداع علیٰ حرمته بین المسلمین فی معاقد انهم۔

﴿عمدة القاری ج ۲۴ ص ۱۲۶﴾

وقال بعض الناس الامام ابوحنیفة النعمان قال البخاری "فاجاز" ای ابوحنیفة ورحمه الله هذ الخداع بین المسلمین والخداع۔

﴿قسطلانی شرح بخاری ج ۱۰ ص ۱۱۷﴾

امام بدر الدّین عینی بخاری کے اس قول کی شرح بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ بخاری کی بعض الناس سے مراد حنفی المذہب حضرات ہیں اور بخاری کا یہ کہنا کہ ثُمَّ ناقض یعنی پھر اس کا اُلٹ کرتے ہیں اس کی ضمیر انہی لوگوں کی طرف لوٹتی جنہیں بُخاری نے بعض الناس کہا ہے اور اپنے زُعم میں یہ سمجھ رکھا ہے کہ ان کے کلام میں تناقض پایا جاتا ہے میں کہتا ہوں کہ یہ تناقض ممنوعہ مجتہد کے لئے جائز ہے جب کہ وہ اسکے خلاف اچھے اور مستحسن قول سے قیاس کرے اور استحسان یعنی بہتر قول اَحناف کے نزدیک حُجّت ہے اور یہ ایسے ہی بطریقِ استحسان ہے اور یہ کتاب وسُنّت سے باہر نکلتا نہیں بلکہ جو کچھ مومنین کے نزدیک مستحسن ہے وہی اللہ تبارک وتعالیٰ کے نزدیک اچھا ہے۔

وقال بعض الناس قيل اراد ببعض الناس الحنفية قوله ثم ناقض الضمير فيه يرجع الى بعض الناس بيان المتناقض على زعمه، قلت هذه المتناقضة ممنوعة لان المجتهد يجوزله ان يخالف قياس قوله بالاستحسان والاستحسان حجة عند الحنفية هذه ايضاً بطريق الاستحسان وهو غير خارج عن الكتاب والسنة ﴿ مارأ المومنون حسنا فهو عند الله حسن﴾

وما ذكره البخاري من امثال هذه المباحث غير مناسب لوضع هذا الكتاب انه خارج عن فقه قلت هذه وصله محمد بن الحسن فى كتاب الآثار عن ابى حنيفة۔

﴿عمدة القاري ج ۲۳ ص ۱۰۶﴾

اور بخاری کا یہ کہنا کہ میں نے ان غیر مناسب مثالوں کو اس کتاب میں درج نہیں کیا جو اس مباحث کے ضمن میں آتی ہیں جب کہ وہ فقہ سے ہی خارج ہیں۔

میں کہتا ہوں کہ محمد بن حسن نے کتاب الآثار میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے انہیں نقل فرمایا ہے۔

وقال بعض الناس قيل هم الحنفية فيها واجاب العيني بان المناقضه ممنوعة

﴿قسطلانی شرح بخاری ج ۱۰ ص ۱۰۱﴾

امام قسطلانی فرماتے ہیں کہ قال بعض الناس سے مراد احناف ہیں اور امام عینی نے اس تناقض ممنوعہ کا جواب دیا ہے۔

کیا امام اعظم دھوکے باز ہیں؟

ایک تنکے پر ہزار بار لعنت بھیجتے ہوئے ہم اپنے بزرگانِ احناف بالخصوص رضوی بریلوی حضرات کی خدمت میں اِستدعا کریں گے کہ اگر فی الواقع امام بخاری کا ہر ارشاد اور بخاری شریف میں آنے والی ہر روایت نصِ قطعی کا حکم رکھتی ہے تو پھر سیدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر اس تبرآبازی کا کیا مطلب لیا جائے گا اور ان مجتہدین ومحدثین سلف کے لئے کس مقام کا تعین کیا جائے گا جنہوں نے امام بخاری کی ان افتراء پردازیوں کو بے نقاب

کرنے کے ساتھ پوری قوّت سے ان کی گرفت بھی فرما رکھی ہے۔

کچھ تو سوچیئے

خُدا کے لئے کچھ تو سوچیئے؟ کیا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ دھوکہ باز اور مخالف رسول تھے؟ کیا امام اعظم کا اجتہاد ایسا ہی گیا گزرا ہے کہ اسے تمام اُمّت محمّدیہ علیٰ صاحبہا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے خلاف ثابت کیا جائے اگر جواب نفی میں ہے تو اس امر پر بھی زحمت غور و فکر گوارا فرمالیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عزّت بہر صُورت اِمام اعظمؒ پر مقدّم ہے اس لئے بخاری مسلم میں آنے والی ان احادیث کو ہی جزوِ ایمان نہ بنالیں جن میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے والدین کریمین اور عمِ محترم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو مَعاذ اللہ کافر و مُشرک اور جہنّمی ثابت کیا گیا ہے اور دُوسری کُتب حدیث و سِیَر میں آنے والی اس کے برعکس احادیث کو اس لئے ضعیف اور کمزور نہ قرار دے دیں کہ وہ بُخاری مسلم میں کیوں موجود نہیں؟

التماس

ہم علمائے احناف بریلوی حضرات کی خدمت میں بالعموم اور حدیث پڑھانے والے رضوی اساتذہ کی خدمت میں بالخصوص التماس کریں گے کہ اپنے تلامذہ کرام کو اس حقیقت سے روشناس کرانے کی کوشش کریں ک

تمام تر احادیث صحیحہ کا انحصار محض بخاری مسلم و دیگر مزعومہ کُتب صحاح تک ہی محدود نہیں بلکہ دیگر سینکڑوں کُتب اُحادیث کا دامن بھی حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقدس ارشادات کی دولت سے مالا مال ہے اور یہ معیار قائم کر لینا کہ جو احادیث مُبارکہ ان چھ کتابوں میں نقل کی گئی ہیں وہی قطعیت کے ساتھ صحیح کا درجہ رکھتی ہیں اور ان کے علاوہ کُتب اُحادیث میں آنے والی حدیثیں اس درجہ کی نہیں ہوتیں کم اَز کم احناف کے لئے تو ہرگز قابل قبول نہیں۔

اگر آپ حضرات خلوصِ نیت سے کام لیتے ہوئے یہ نا قابل تردید اور تلخ حقائق عوام الناس کے ذہنوں میں منتقل کرنے میں کامیاب ہو گئے تو سینکڑوں نزاعی مسائل از خود حل ہو جائیں گے جو چودہ صدیوں سے مسلسل پیچیدگیوں کا شکار ہو رہے ہیں۔

گزشتہ اوراق میں ہم بالوضاحت ان مقامات کی نشاندہی کر چکے ہیں جہاں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے امام اعظم ابوحنیفہ و دیگر آئمہ احناف رضوان اللہ علیہم اجمعین پر ناروا پر علمائے احناف نے کس کس انداز سے صدائے احتجاج بلند کی ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ امام بُخاری پر گرفت کرنے والے یہ لوگ اپنے اپنے وقت کے امام مُحدث مجتہد اور انتہائی ثقہ لوگ ہیں اس لئے ان کی کسی بات کی اس لئے تردید نہیں کی جا سکتی ہے کہ وہ امام بخاریؒ کے ہم پلہ نہیں ہیں اور نہ ہی یہ کہا جا سکتا ہے کہ،

خطائے بزرگاں گرفتن خطا است

بلکہ ان بزرگوں کے اِرشادات عالیہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے مسلک کی حفاظت کے ساتھ اپنے ان بزرگوں کے ناموس کا بھی تحفّظ کرنا چاہیے جنہیں امام بخاری علیہ الرحمۃ کے طعن و تشنیع اور تعصب و تشدّد کا شکار ہونا پڑا۔

علاوہ ازیں آپ کو یہ حقیقت سمجھنے کی بھی کوشش کرنی چاہیے کہ جب سیّدنا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ناموس کا تحفظ کرتے ہوئے شمع صداقت روشن کرنے کو خلافِ ادب متصور نہیں کیا تو خُلاصہ کائنات سیّدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ناموس کے لئے چیلنج بن جانے والی بُخاری مُسلم کی ان روایات کا تجزیہ کرنے کی بھی کوشش کرنا چاہیے جو آپ کے والدین کریمین یا آپ عمِ محترم حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے خلاف نقل کی گئی ہیں اور معاذ اللہ انہیں کافر و مُشرک اور جہنمی ثابت کرتی ہیں اس لئے کہ ناموسِ مُصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہر صورت اور بہر طور ناموسِ امام اعظم سے بلند تر اور مقدم ہے۔

بعض الناس فی دفع الوسواس

بہر حال! اگر آپ بخاری شریف کی وہ شروح آسانی سے حاصل نہیں کر سکتے جن کے حوالہ جات ہم نے سابقہ اوراق میں پیش کئے

ہیں تو کم از کم بخاری شریف ''عربی'' کے ساتھ منسلک اس رسالہ کا ضرور مطالعہ کرلیا کریں جو بعض الناس فی دفع الوسواس کے نام سے بخاری شریف کی دوسری جلد میں ص ۱۵ تا ص ۲۸ پورے چودہ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

اِس رسالہ مُبارکہ میں ان تمام اُمور کی وضاحت موجود ہے جن کا تذکرہ ہم نے سابقہ اَوراق میں کیا ہے جمالی طور پر یہاں اس کے چند تمہیدی کلمات ہدیہ قارئین کیے جاتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم الحمد للہ رب العالمین
والعاقبة للمتقین والصلوٰة والسلام علیٰ سید
المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

اما بعد! بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح بخاری میں بعض علماء کے قول کا چوبیس مقامات پر بعض الناس کے صیغہ سے ذکر کیا ہے اور ان کا مقصد ان تمام مقامات پر لازمی طور پر یہ ہوتا ہے کہ ان علماء کے کلام میں اثبات تناقض کیا جائے اور اس کلام کو کتاب وسُنّت وغیرہ کے خلاف ثابت کیا جائے حتّیٰ کہ ہبہ اور سقوطِ زکوٰۃ کے مقام پر صاف طور پر ان کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مخالف بھی قرار دے دیا اور دوسرے مقام پر کہہ دیا کہ کیا مُسلمانوں کے درمیان پھُوٹ ڈالنا اور دھوکہ دینا جائز ہے نیز ان تمام مقامات پر امام بخاری نے اپنے مشہور صیغہ قَالَ بَعْضُ النَّاسُ کو ہی استعمال کیا ہے اور اس سے اس کی مراد یا تو تمام اَحناف ہوتے ہیں یا اکیلے امام اعظم

ابوحنیفہ ہوتے ہیں حالانکہ امام بخاری نے ان پر یہ تمام تر غلط الزامات قائم کئے ہیں جن کا جواب دیا جا چکا ہے چنانچہ میں نے ارادہ کیا ہے کہ بعض النّاس کے صیغہ سے امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر لگائے گئے بخاری کے ان تمام الزامات کو یکجا کردوں اوران کا پورا پورا جواب نقل کردوں۔

اما بعد! فلما کان البخاری رحمة اللّٰه اورد ه فی صحیحه قول بعض العلماء فی اربع و عشرین موضعا بصیغة وقال بعض الناس والزم فی تلك المواضع باثبات التناقض والمخالفة الکتاب والسنة وغیر ذالك حتی قال فی موضع مخالف رسول فی الهبة واسقط الزکوٰة وقال بعض الناس فمراده به الحنفیه او ابو حنیفة وحده و کان لکل الزام جواب اردت اجمع المسائل التی قال فیها بهذه الصیغة مع الجواب

﴿بخاری شریف جلد دوم ص ۱۵﴾

انہی الفاظ پر اس معلوماتی مضمون کو ختم کرتے ہوئے بُخاری شریف کا مزید تعارف پیش خدمت ہے۔

ارشادِ بخاری

حضرت ابراہیم علیہ السّلام نے سوائے تین جُھوٹ بولنے کے کبھی جُھوٹ نہیں بولا۔

لم یکذب ابراھیم النبی علیہ السلام قط الا ثلث

کذبات

﴿بخاری ج ا ص ۴۷۴﴾

ارشاد باری جل جلالہ

وَاذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِبْرَاهِيمَ إِنَّهُ كَانَ صِدِّيقًا نَبِيًّا

اور ذکر کرو ﴿یا محمد﴾ کتاب میں ابراہیم کا کہ بیشک وہ سچے

نبی تھے۔

﴿سورۃ ابراہیم آیت ۴۱﴾

قرآن یا بخاری

بخاری شریف کی اس روایت اور قرآن مجید کی اس آیتِ کریمہ میں جو براہ راست تصادم ہے کسی وضاحت کا محتاج نہیں۔

اور قارئین کرام پر ہرگز مخفی نہیں رہا ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ قرآن مجید میں فرماتے ہیں کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام سچے نبی ہیں اور امام بخاری فرماتے ہیں کہ انہوں نے تین جھوٹ بولے ہیں حالانکہ اگر براہِ راست آیتِ کریمہ میں حضرات ابراہیم علیہ السلام کا نام لے کر سچا ہونے کی گواہی رب العالمین نے نہ بھی دی ہوتی تو جب بھی ایک مسلمہ اصول کے مطابق انبیاء کرام پر کذب و دروغ گوئی کا گمان نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ یہ فیصلہ

شدہ بات ہے کہ جھوٹ گناہ کبیرہ ہے اور انبیاء کرام سے کبائر و صغائر کا صدور ایک ناممکن بات اور امرِ محال ہے کیونکہ انبیاء علیہم السّلام معصوم عن الخطأ ہوتے ہیں اور جھوٹوں پر تو اللہ تعالیٰ لعنت فرماتا ہے

لَعنَتُ اللّٰهِ عَلَیٰ الکَاذِبِینَ

جبکہ ابراہیم علیہ السّلام پر رحمت بھیجنے کا حکم ہے کَمَا صَلیتَ عَلیٰ اِبراھیم وعَلیٰ آلِ ابرَاہِیم۔

اور پھر جھوٹ تو ایسی خطرناک چیز ہے کہ اگر انبیاء کرام علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی ذات اس کا تصور بھی کر لیا جائے تو یہ کبائر و صغائر کی حدود سے بڑھ کر تعلیم انبیاء اور فرامینِ الٰہیہ تک کو مشکوک بنا کر رکھ دے گا۔

اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ جو نبی ایک دو تین جھوٹ مُسلسل بول سکتا ہو اس کی باقی باتوں پر اعتماد و یقین کا جواز باقی کیا رہ جائے گا۔

اس مقام پر یہ دیکھنا کہ اس روایت کے راوی کون ہیں اور اس کی اسناد درست ہیں یا نہیں بالکل بے معنی اور بے بنیاد چیز ہے۔

اس لئے کہ اگر اس مقام پر تمام تر اسناد درست بھی ہوں تو بھی اس روایت کو بے بنیاد اور مخدوش کہے بغیر چارہ کار نہیں کیونکہ یہ براہ راست قرآن مجید سے متعارض و متصادم ہے اور یہی فیصلہ امام رازی علیہ الرحمۃ نے اس حدیث کے بارے میں دیا ہے۔

کیونکہ یہ عارضہ کوئی معمولی عارضہ نہیں بلکہ اس میں ایک مسلمہ

اصول کی بیخ و بن ہل جانے کا قوی احتمال موجود ہے۔

قارئین فیصلہ فرمائیں کہ خدا تعالیٰ جلیل القدر پیغمبر سیدنا ابراہیم علیہ السّلام جن کے سچا ہونے کی گواہی قُرآن مجید دے رہا ہے کو اس لئے جھوٹا سمجھا جائے گا کہ ان کو جھوٹا ثابت کرنے والے امام بخاری جھوٹ نہیں بولتے۔

کیا ایسی کتاب کو مخصوص کر کے قُرآن مجید کے بعد کا درجہ دینے کا حق کسی کو پہنچ سکتا ہے جس میں قُرآن مجید کی نصوص سے متصادم اور متخالف روایات موجود ہوں۔

ہم ایسی روایات کو نقل فرمانے والے لائق صد احترام ذی مرتبت اور حقدر بزرگانِ دین پر کسی قسم کی حرف گیری کرنے کی پوزیشن میں تو ہر گز نہیں۔

تاہم ہمارے لئے یہ بھی انتہائی مشکل ہے کہ بساطِ تحقیق کو اس لئے لپیٹ کر رکھ دیں کہ کہیں شہ مات نہ ہو جائے۔

تحقیق بہر حال تحقیق ہے اور اس میں اپنے پرائے سے رواداری اور جانبداری سے کام لینا اپنے دین وایمان کے ضیاع کا باعث بن سکتا ہے۔

چہرے بدل بدل کے مجھے مل رہے ہیں لوگ
اِتنا برا سلوک میری آگہی کے ساتھ

صحاح ستہ

ہمیں تو آج تک یہ بھی سمجھ نہیں آسکی کہ حدیث کی چند مخصوص کُتب کو صِحاح کا نام دے کر باقی ذخیرۂ حدیث سے کیوں بے اعتنائی کی جاتی ہے حالانکہ اگر ہم انہی چھ کُتبِ احادیث کو صحاح کا نام دیں گے تو باقی ہزاروں کی تعداد تک پہنچنے والی کُتبِ معتبرہ کو سوائے غیر صحاح کے اور کیا سمجھا جائے گا۔

اوران کتبِ جلیلہ جن سے ان چھ کُتب کو اخذ کیا گیا ہے ان کا کیا نام رکھا جائے گا؟

کیا موطا امام مالک، مُسند امام اعظم، مُسند امام احمد بن حنبل، آثار امام محمد و ابو یوسف مصنّف عبد الرزاق مصنّف ابن ابی شیبہ اور اس قسم کی سینکڑوں کتبِ احادیث اس قابل نہیں کہ اُنہیں صحاح کا نام دیا جاسکے۔

محوِ حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائے گی

بہر حال! اگر فی الواقع یہی چھ کُتب مُبارکہ صحیح اور درست ہیں تو ان کی صحت پر ہمیں کہاں تک یقین ہے جبکہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن مجید کے بعد کا درجہ رکھنے والی بُخاری شریف میں ایک روایت بھی ایسی موجود نہیں جس میں نماز میں رفع یدین کرنے کی نفی کی گئی ہو بلکہ اس کے برعکس تمام

تر روایات میں یہی ایک بات ہے کہ رفع یدین کرنا ضروری ہے حالانکہ اسی صحاح ستہ میں شامل ہونے والی نسائی شریف میں نسائی نے ابواب مقرر فرما رکھے ہیں کہ ان احادیث کا ناسخ موجود ہے اور یہ کہ ترکِ رفع یدین ضروری ہے۔

ان حالات میں کیسے یقین کیا جا سکتا ہے کہ رفع یدین کرنے کے حق میں آنے والی بخاری شریف کی روایت کو قابلِ عمل اور درست تسلیم کیا جاتا ہے اور وہ لوگ جو رفع یدین نہیں کرتے انہیں صحیح متصوّر کرتے ہیں۔

اور یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ ان چھ کُتب کو ہی صحاح تسلیم کرنے والے نسائی شریف کی ترک رفع یدین والی روایت کو درست اور مبنی بر صحت تسلیم کرتے ہیں اور اگر وہ دِلی طور پر ٹھیک سمجھے ہوتے تو یقیناً رفع یدین نماز میں ترک کر دیتے۔

حقیقت یہ ہے

ہمارا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ اس قسم کی مباحث میں اُلجھ کر درونِ خانہ جھانکا جائے اس لئے محض یہی چند باتیں کنایۃً قارئین کی نذر کرنے پر اکتفا کرتے ہیں اور اس قسم کی گفتنی ناگفتنی بیشمار باتوں سے دانستہ طور پر صرفِ نظر کرتے ہیں۔

ہمارا مقصد صرف یہ تھا کہ جو روایات بھی قُرآن مجید سے متعارض

ہوں گی وہ یقیناً منسوخ و مخدوش اور غیر ثقہ ہوں گی خواہ وہ کسی بھی کتاب میں ہوں اور اس قسم کی روایات سے بخاری شریف اور مُسلم شریف بھی مبرا نہیں۔

اسی طرح سرورِ کائنات اِمام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ مکرمہ سیّدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کو معاذ اللہ کافرہ مُشرکہ اور نا قابلِ مغفرت ثابت کرنے والی روایات قطعی بے بنیاد اور غلط محض ہیں۔

اور میزان الاعتدلال وغیرہ میں اس کے راویوں کو بھی نا قابلِ اعتبار بتایا گیا ہے لہٰذا ان روایات کا مُسلم شریف وغیرہ میں ہونا ہرگز حُجت متصوّر نہیں ہوگا کیونکہ ان سے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شرفِ نسب پر حرف آنے کے ساتھ ساتھ براہِ راست تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین و تنقیص کا پہلو بھی نکلتا ہے جو کسی بھی صورت میں مبنی بر حقیقت نہیں ہوسکتا۔

اس لئے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین مُعظمّین قطعی طور پر جنّتی ہیں اور اس کے بے شمار شواہد موجود ہیں۔

جن میں نُورِ مُصطفٰے جلوہ فگن ہوتا رہا
پاک تھے ہر اِک نجاست سے وہ پاکیزہ نفوس

غور تو فرمائیے!

جن کے ہے ادنیٰ اشارے پر دوعالم کی نجات
کِس طرح دوزخ میں دیکھیں گے وہ اپنے والدین

چنانچہ اِس مقام پر دیگر محدثین کے علاوہ
امام المحدثین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ان خدشات وخطرات کا
اظہار اس طرح فرماتے ہیں۔

اشعۃ اللمعات، شرح مشکوٰۃ

﴿الشاہ عبدالحقؒ﴾

وحاشا اللہ کہ ایں نُور پاک رادر جائے ظُلمانی پلید بہ نہند ودَر
عرصاتِ آخرت بہ تعذیب وتحقیر آباءِ اُو را مخزی مخزول
گرداند۔

فی الحقیقت یہ ناممکنات سے ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے
پیارے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاک نُور کو تاریک
اور ناپاک مقام میں جگہ دے اور مَیدانِ محشر میں آپ کے
آباؤ اجداد کو عذاب دے کر اور ان کی تحقیر وتذلیل کر کے
آپ کو ذلیل ورسوا کرے۔

﴿اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص ۷۹۱۔ ج ۴ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ﴾

بہر صورت یہ واضح ترین بات ہے کہ آیت کریمہ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ
وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا کے شانِ نزول کا ہرگز یہ سبب نہیں کہ یہ سیّدہ آمنہ سلام اللہ
علیہا کی مغفرت طلب کرنے سے منع کرنے کے لئے آئی ہے اس لئے کہ

آپ مُشرکہ نہیں تھیں اور اس میں مُشرکین کے استغفار سے منع کیا گیا ہے۔

اور نہ ہی یہ آیتِ مقدسہ ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی ہرگز ہرگز مُشرک نہیں تھے جیسا کہ آپ اس کے بیشمار شواہد سابقہ اوراق میں ملاحظہ فرما چکے ہیں اور آیتِ کریمہ میں صاف صاف یہ الفاظ موجود ہیں کہ مشرکین کے لئے استغفار نہیں کرنا چاہئے۔

آمدم برسرِ مطلب

پیش ازیں ہم بتا چکے ہیں کہ زیرِ بحث آیتِ کریمہ مَا کَانَ لِلنَّبِی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال فرمانے کے دس بارہ سال بعد مدینہ منّورہ میں نازل ہوئی ہے جبکہ بُخاری مُسلم کی مشہور روایت کو بغور پڑھنے سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے فوراً بعد نازل ہو گئی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بُخاری شریف کی پوری روایت کو ایک بار پھر بغور ملاحظہ فرمالیں تاکہ حقائق واضح طور پر منکشف ہو سکیں۔

بخاری شریف، مسلم شریف

یہ آیت اسی وقت نازل ہو گئی

عن سعید بن مسیب عن ابیہ قال لما ابو طالب الوفاۃ دخل علیہ النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم و عند ابو جہل وعبد اللہ بن امیۃ فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یا عم قل لا الٰہ الا اللہ کلمۃ اشھد لک بھا عند اللہ فقال ابو جہل و عبد اللہ بن امیۃ یا ابا طالبا اترغب عن ملّت عبد المطّلب فلم یزل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم یعرضھا علیہ یعید انہ بعلک المقالۃ حتیٰ قال ابو طالب آخر ما کلمھم علی ملۃ عبد المطلب قال ا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم واللہ لا ستغفر ن لک ما لم انہ عنک فا نزل اللہ تبارک و تعالیٰ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ الایۃ إِنَّكَ لَا تَهْدِي مَنْ أَحْبَبْتَ وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ

﴿بخاری شریف جلد دوم ص ۶۷۵﴾

﴿مسلم شریف جلد ۱ ص ۱۰۸﴾

سعید بن مُسیّبؒ سے روایت ہے کہ جب ابو طالبؑ کی وفات کا وقت قریب آیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ کے پاس تشریف لائے جبکہ ابو جہل اور عبد اللہ بن اُمیہ بھی وہاں موجود تھے۔ پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا اے چچا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دیجئے میں اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی گواہی دُوں گا پس ابو جہل اور عبد اللہ بن اُمیّہ نے ملّتِ عبد المُطّلب پر قائم رہنے کی ترغیب دی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے کلمہ توحید پیش فرمایا اور دونوں طرف سے تکرار جاری رہی حتیٰ کہ ابو طالب کا آخری کلمہ یہ تھا کہ میں ملّتِ عبد المطلب پر ہوں ﴿یہ سُن کر﴾ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

خُدا کی قسم ﴿اے چچا﴾ میں تیرے لئے اُس وقت تک اِستغفار کرتا رہوں گا جب تک مجھے روکا نہ جائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمادی۔

"کہ نبی اور مومنوں کی شان کے لائق نہیں کہ وہ مُشرکین کے لئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے کتنے ہی قریبی ہوں جبکہ اُنہیں معلوم ہو چکا ہے کہ وہ دوزخی ہیں" اور یہ آیت "کہ محبوب آپ جسے چاہے ہدایت

نہیں دے سکتے یہ تو اللہ تعالیٰ کا کام ہے جسے چاہتا ہے
ہدایت دیتا ہے۔

اس روایت کی ہیئت سے صاف طور پر واضح ہوتا ہے کہ اِدھر رسول اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے استغفار کا ارادہ فرمایا یا اعلان کیا اُدھر یہ آیت نازل ہوگئی۔

نبی اور مومنوں کی شان کے خلاف نہیں کہ مشرکین کے
لئے اِستغفار کریں اور ساتھ ہی یہ آیت نازل ہوگئی کہ
"اِنَّكَ لَا تَهْدِی" اِلی آخر الآیۃ

بلکہ امام جوزی کہتے ہیں کہ یہ استغفار حضرت ابو طالب کے فوت ہونے سے پہلے ہوسکتا ہے۔ چنانچہ وہ اس آئت کی تفسیر یوں بیان کرتے ہیں۔

زادالمسیر فی علم التفسیر

﴿ابن جوزی﴾

لما مات، ابو طالب جعل للنبی صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم یستغفر لہ فقال المسلمون ما یمنعنا
ان نستغفر لابائنا، ولذوی قرابتنا وقد استغفر
ابراھیم لابیہ وھذا محمد یستغفر لعمہ
فا ستغفروا للمشرکین فنزلت ھذہ الایۃ قال

ابو الحسین بن منادیٰ هٰذا لا یُصح انما قال النبی

صلی اللّٰه علیه و آله وسلم لعمه لا ستغفرن لك مالم

انه عنك قبل ان یموت۔

﴿زاد المسیر جلد سوم ص ۵۰۸ مطبوعہ مصر﴾

جب حضرت ابو طالبؑ کا انتقال ہوا تو نبی صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اُس کے لئے استغفار کرنا مقرر فرمایا تو مُسلمانوں نے کہا کہ ہمارے آباؤ اجداد اور اَقربا کے لئے اِستغفار کرنا منع ہے اور بے شک استغفار کیا ابراہیم نے اپنے چچا کے لئے اور محمد صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم اپنے چچّا کے لئے اِستغفار کرتے ہیں۔ پس مشرکین کے اِستغفار سے منع کرنے کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔ ابوالحسین منادی کہتے ہیں کہ یہ صحیح نہیں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اپنے چچا کو کہا تھا کہ میں آپ کے لئے اِستغفار کروں گا جب تک مجھے روکا نہ جائے گا۔ اور یہ اُن کی موت سے پہلے کی بات ہے۔

علاّمہ ابن جوزی کے خیال میں آپ کا استغفار فرمانا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کی موت سے بھی پہلے کا ہے۔ بہر صُورت بخاری، مُسلم

کی روایت میں بھی یہ کھلی ہوئی بات ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے فوراً بعد نازل ہوگئی۔

یہ آیت چند یوم بعد نازل ہوئی

اجمالی طور پر ہم سابقہ اوراق میں درج روایت کا کچھ حصہ نقل کر چکے ہیں۔اب آپ پوری روایت ملاحظہ فرمائیں۔جس میں ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے چند یوم بعد نازل ہوئی۔

طبقات ابنِ سعد، دُرِّ منثور، فتح البیان

عن علی قال اخبرت النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم بموت ابی طالب فبکی فقال اذھب فغسلہٖ وکفنہٖ وواراہ غفر اللّٰہ لہ ورحمہ ففعلت وجعل رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم یستغفرلہ ایا ما ولا یخرج من بیتہ حتیٰ نزل جبریل علیہ السلام بھذا الآیۃ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ۔

﴿طبقات ابن سعد جلد ا ص ۱۲۱﴾

﴿دُرِّ منثور جلد سوم ۲۸۳﴾

﴿فتح البیان جلد دوم ۳۱۲﴾

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے روایت ہے کہ

جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابو طالب کی وفات کی خبر دی تو آپ رونے لگے اور مجھے فرمایا کہ اُن کی تجہیز و تکفین کا انتظام کرو۔ اللہ تعالیٰ اُن کی مغفرت فرمائے اور اُن پر رحم کرے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کے لئے چند یوم گھر ہی میں استغفار کرتے رہے حتیٰ کہ جبریل علیہ السلام یہ آیت لے کر نازل ہوئے "کہ مشرکین کے لئے استغفار کرنا نبی اور مومنوں کی شان کے لائق نہیں"

مندرجہ بالا روایت دیگر کتب میں بھی موجود ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالبؑ کے لئے چند یوم استغفار فرمایا اور آیت نازل ہوگئی۔ حالانکہ بالاتفاق یہ حقیقت تسلیم شدہ ہے کہ آیت کریمہ "مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ" حضرت ابوطالبؑ کے انتقال کے دس بارہ سال بعد نازل ہوئی ہے۔

ہم جلد ہی ایسی روایات پیش کر رہے ہیں جن میں اس حقیقت کا انکشاف کیا گیا ہے کہ جس سُورۃ مُبارکہ کی یہ آیت ہے وہ قرآن مجید کی آخری سورۃ ہے اور مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے اور اس کے متعلق ہم کتب تفاسیر میں سے تین حوالہ جات سابقہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں۔ مزید حوالوں سے پہلے یہ ملاحظہ فرمائیں کہ یہ آیت محض مدنی ہے مکی نہیں۔

یہ آیت دوبار نازل نہیں ہوئی

جیسا کہ ہم متعدد دفعہ وضاحت کر چکے ہیں کہ سورۃ توبہ مدنی ہے مکی نہیں اور مدنی بھی اس صورت میں کہ اس پر مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ قرآن کی آخری سُورۃ ہے۔

البتہ امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ ایک قول نقل فرما کر تردید کر دیتے ہیں کہ اس کی آخری دو آیات مکی ہیں۔ اور وہ یہ قول بھی نقل کرتے ہیں کہ بعض لوگ " مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ " کو بھی مستثنیٰ قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ آیت دوبار نازل ہوئی۔

الاتقان ﴿سیوطی﴾

التوبۃ قال ابن الفرس مدنیۃ الا آیتین لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِنْ أَنْفُسِكُمْ الی آخرھا قلت غریب کیف وقد ورد انھا آخر ما نزل واستثنیٰ بعضھم مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ الآیۃ لما ورد انھا نزلت فی قولہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لابی طالب لاستغفرن لک مالم انہ عنک انتھیٰ

﴿الاتقان مطبوعہ مصر ص ۱۵﴾

ابن الفرس کہتے ہیں کہ سُورۃ توبہ سوائے دو آیتوں کے

مدنی ہے اور وہ دو آیتیں ہیں " لقد جاء کم رسول من انفسکم " آخر تک سیوطی کہتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ یہ روایت غریب ہے اور بیشک یہ آیتیں آخر پر نازل ہوئی ہیں اور بعضوں نے ما کان للنبی کو بھی مستثنیٰ کیا ہے کہ یہ اُس وقت نازل ہوئی تھی جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو طالب کے لئے فرمایا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کرتا رہوں گا۔

الاتقان کی اس عبارت کو حافظ ابنِ کثیر اور امام زرقانی نے بھی اپنی تالیفات تفسیر ابنِ کثیر اور زرقانی علی المواہب میں اتقان کے حوالے سے نقل فرمایا ہے۔

" ابنِ کثیر کہتے ہیں کہ شاید یہ آیت دوبار نازل ہوئی ہو۔ پہلے مکہ معظمہ میں اور پھر مدینہ منوّرہ میں" جبکہ زرقانی نے صرف آخری حصہ نقل کیا ہے۔

بہر حال دیگر اقوال کی طرح ایک قول یہ بھی ان کتب میں موجود ہے لیکن یہ قول محض غلط ہے اور اس کے غلط ہونے کی چند وجوہات ہیں۔

اوّل :۔ یہ کہ امام جلال الدّین سیوطی علیہ الرحمۃ نے یہ نہیں فرمایا کہ وہ بعض لوگ کون ہیں جن کا قول یہ ہے۔

اور دوسری خاص وجہ یہ ہے کہ کتب تفاسیر میں اس بات کا کہیں کھوج کھرا نہیں ملتا کہ ایک صد انتیس آیاتِ مبارکہ پر مشتمل سورۃ توبہ کی ایک سو اٹھائیس آیاتِ مبارکہ مدنی ہیں اور صرف یہ ایک آیت مکّی ہے۔

تیسری وجہ جو اخص الخاص ہے وہ یہ ہے کہ اس آیت کا سیاق وسباق اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ اسے باقی آیات سے علیٰحدہ کیا جا سکے۔

رہا بعض لوگوں کا گمان کہ ممکن ہے یہ آیت مکّی ہو تو یہ محض ایک تخیّل کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ یہ صرف ذاتی رائے ہے اور یہ ذہنی تصور بھی اُس وقت پیدا ہوا جس وقت بعض حضرات کو بُخاری شریف کی روایت مین اس آیت کی موجودگی سے عارضے کا احساس لاحق ہوا۔

لہٰذا یہ گمان کر لیا گیا کہ ممکن ہے کہ یہ آیت مکّی ہو یا یہ کہ مکّی بھی ہو اور مدنی بھی۔

بس اس کے سوا کچھ نہیں سوچا جا سکتا۔ کیونکہ اس کے برعکس کُتب تفاسیر میں متفقہ علیہ یہ بات موجود ہے۔

کہ سورۃ توبہ جس میں یہ آیت ہے کہ پُوری پُوری مدنی ہے۔ اور ارشاد السَاری شرح بخاری میں ہے کہ

" والاصل عدم تکرار النزول "۔ اور اصل یہ ہے کہ دو بار نازل نہیں ہوئی۔

اگرچہ اِس آیت کریمہ کے عدم تکرار نزول پر مزید بھی بے شمار شواہد

پیش کیے جا سکتے ہیں تاہم جو حوالہ جات ہم اب پیش کرنے والے ہیں۔ ان کی روشنی میں بھی ہمارے مؤقف کی واضح ترین تائید موجود ہے۔

ان حوالہ جات میں سے تین کتابوں کی عبارات ہم پہلے بھی پیش کر چکے ہیں۔ اب دوبارہ مزید سات کتب کے ساتھ پیش خدمت ہیں۔

یہ آیت دس بارہ سال بعد نازل ہوئی

﴿۱﴾ تفسیر کشاف

وھذا اصح لان موت ابی طالب کان قبل الھجرۃ وھذا آخر ما نزل بالمدینۃ۔

﴿تفسیر کشاف جلد دوم ص ۳۱۵ مطبوعہ بیروت﴾

اور صحیح یہی ہے کہ حضرت ابو طالب کی وفات ہجرت سے پہلے ہوئی ہے۔ اور یہ آیت مدینہ منوّرہ میں آخر پر نازل ہوئی ہے۔

﴿۲﴾ تفسیر قرطبی

ھذا ناسخۃ لا ستغفار النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم فانہ استغفر لہ بعد موتہ علی ماروی فی غیر الصحیح وقال الحسین ابن فضل وھذا بعید لان السورۃ من آخر ما نزل القرآن و مات ابی طالب فی

عنوان الاسلام بمکۃ

﴿تفسیر قرطبی جلد ہشتم صفحہ ۲۷۳ مطبوعہ مصر﴾

یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے استغفار کی ناسخ ہے کیونکہ آپ نے ان کی موت کے بعد اُن کے لئے استغفار کیا تھا جیسا کہ غیر صحیح میں روایت ہے۔

حسین بن فضل نے کہا ہے کہ یہ بعید ہے کیونکہ یہ سُورۃ قُرآن کے آخر پر نازل ہوئی ہے اور ابو طالب کی وفات مکّہ میں شروع اسلام کے وقت ہوئی ہے۔

﴿۳﴾ تفسیر مراح لبید

فظهرة بهذا الاخبار ان الآية نزلت فی استغفار المسلمین لا قال بهم المشرکین لا نزلت فی حق ابی طالب لا نها السورة کلها مدنیة نزلت بعد تبوك و بینها و بین موت ابی طالب نحوا ثنا عشرة سنة

﴿تفسیر مراح لبید جلد اول ص ۳۵۷ مطبوعہ مصر﴾

پس اس آیۂ کریمہ کے متعلق یہ ظاہر اخبار ہیں کہ یہ اُن مُسلمانوں کے لئے نازل ہوئی ہے جو اپنے مُشرک اقرباء کے لئے استغفار کرتے تھے نہیں نازل ہوئی یہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالٰی عنہ کے حق میں کیونکہ

یہ پوری کی پوری سورۃ مدنی ہے اور جنگِ تبوک کے
بعد نازل ہوئی ہے اور اس کے نزول اور حضرت ابو
طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے درمیان بارہ
سال کا وقفہ ہے۔

﴿۴﴾ تفسیر رُوح البیان

قال بعضهم لا مانع من تكرارِ سبب النزول فيجوز
ان تنزل الآيتان لما استغفر ولما استغفر لعمه۔

يقول الفقير سامحه القدير فيه بعد لانه ان
سبق النزول والاستغفار لامه فكيف يطلب النبي صلى
الله عليه وآله وسلم على استغفار عمه وقد ثبت ان
هذه السورة الكريمة من آخر القرآن نزولاً وكذ
العكس ومن ادعى الفرق بين الاستغفارين فعليه
البيان۔

﴿تفسیر روح البیان جلد دوم صفحہ ۵۵۲﴾

بعض کہتے ہیں کہ تکرارِ نزول کے سبب کی کوئی چیز مانع
نہیں ہے پس جائز ہے کہ آیتیں نازل ہوں جبکہ
﴿عام﴾ استغفار کریں اور جب چچا کے لئے استغفار
کریں۔

فقیر کہتا ہے خدا اس سے چشم پوشی فرمائے ﴿یعنی صاحب تفسیر روح البیان﴾ کہ اگر نزول اور والدہ کیلئے استغفار سابق ہو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کے لئے استغفار کو کیسے برقرار رکھا حالانکہ یہ ثابت ہے کہ نزول کے اعتبار سے یہ سورۃ قرآن کی آخری سورۃ ہے اور ایسی برعکس نہیں ہے کہ جس نے دونوں استغفاروں کے درمیان رعایت بیان کی ہو۔

﴿۵﴾ تفسیر کبیر

قال الواحدی قد استبعد الحسین ابن فضل لان هذه السورة من آخر القرآن نزولاً و وفاة ابی طالب کانت بمکة۔

﴿تفسیر کبیر ج۱۶ ص۲۰۸ مطبوعہ تہران﴾

واحد کہتے ہیں کہ حسین بن فضل نے اس کو بعید جانا ہے اس لئے کہ یہ سورۃ کریمہ نزول کے لحاظ سے قرآن کی آخری سورۃ ہے اور وفات ابی طالب مکہ میں ہو چکی تھی۔

اس کے آگے امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ اپنی رائے بیان فرماتے ہیں کہ ایسا بعید نہیں ہے تاہم آخر پر آپ نے اسی بات کو ہی صحیح قرار

دیا ہے کہ یہ اُن مُسلمانوں کے حق میں ہے جو اپنے مُشرک والدین کے استغفار کو جائز سمجھتے تھے آپ فرماتے ہیں۔

انما ظهر فی هذه السورة فلعل المو منین کان یجوز لهم ان یستغفر و الا بو یهم من الکا فرین۔

﴿کبیر ج۱۶ ص۲۰۸﴾

﴿۶﴾ کمالین علی الجلالین

قال الوا حدی قد استبعد الحسین ابن الفضل لان هذ السورة من آخر قرآن نزولاً و فا ة ابی طا لب کانت بمکة فی اول الا سلام۔

﴿کمالین علی الجلالین ج۱ ص۳۱۰﴾

واحدی فرماتے ہیں کہ بے شک حسین بن فضل نے اس کو بعید جانا ہے کیونکہ یہ سُورة قُرآن کے آخر پر نازل ہوئی ہے اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مکّہ میں شروع اسلام کے وقت ہوا۔

﴿۷﴾ رُوح المعانی

لان هذا السورة من آخر قرآن نزولاً ووفاة ابی طالب کا نت بمکة فی اول السلام۔

﴿تفسیر روح المعانی جز دہم ص۹۲ مطبوعہ تہران﴾

تحقیق یہ سورۃ مبارکہ قرآن کے آخر پر نازل ہوئی ہے اور وفات حضرت ابی طالب شروع اسلام کے وقت مکہ معظمہ میں ہوئی ہے۔

﴿۸﴾ الروض الانف

﴿السہیلی﴾

وذکر قول اللہ تعالیٰ ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین وقد استغفر علیہ السلام یوم احد فقال اللھم اغفر لقومی فانھم لا یعلمون و ذالك حین جرح المشرکون وجھہ وقتلوا عمہ و کثیراً من اصحابہ۔

ولا یصح ان تکون الآیۃ نزلت فی عمہ ناسخۃ الاستغفار یوم احد لان وفاۃ عمہ کانت قبل ذالك بمکۃ ولا ینسخ للمتقدم المتاخر وقد اجیب عن ھذا السؤال باجوبۃ قیل استغفار لقومہ مشروط بتوبتھم من الشرك کانہ اراد الدعاء لھم بالتوبۃ حتی یغفر لھم ویقوی ھذا القول و ذکرھا ابن اسحٰق وھو ان تکون الآیۃ تأخر نزولھا فنزلت بالمدینہ

﴿الروض الانف مطبوعہ مصر ج ا ص ۲۵۸ مؤلف امام سہیلی علیہ الرحمۃ﴾

اور ذکر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کلما کَانَ لِلنَّبِی الآیۃ۔ بے شک اُحد کے دن نبی اکرم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے دعائے استغفار فرمائی کہ یا اللہ میری قوم کو معاف فرما دے کہ یہ نہیں جانتے اور یہ اس وقت فرمایا جبکہ مُشرکین نے آپ کے چہرۂ انور کو زخمی کیا آپ کے چچا حضرت حمزہ اور کثیر صحابہ کو شہید کیا اور یہ صحیح نہیں کہ آپ کے چچا ﴿ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ﴾ کے حق میں نازل ہوئی ہے جو اُحد کے دن کے استغفار کی ناسخ ہے کیونکہ آپ کے چچا ﴿ابو طالبؓ﴾ کی وفات اس سے پہلے مکہ میں ہو چکی ہے اور مقدّم مؤخر کا ناسخ نہیں ہوتا اس سوال کے کئی جواب ہیں بعض نے کہا کہ آپ کی قوم کے لئے دُعائے استغفار ان کی شرک سے توبہ کے ساتھ مشروط ہے گویا کہ ان کی توبہ کے لئے دُعا کا ارادہ کیا تا کہ اللہ تعالیٰ اُنہیں بخش دے اس کو یہ قول قوی کرتا ہے کہ ابنِ اسحٰق نے فرمایا کہ اس آیتِ کریمہ کا نزول متاخر ہے اور یہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے۔

﴿۹﴾ اسنی المطالب

﴿قاضی دحلان مکی﴾

اِنها نزلت فی استغفار اناس لآبائهم المشر کین لافی ابی طالب۔

﴿اسنی المطالب ص ۱۷ مطبوعہ مصر﴾

بیشک یہ آیت مبارک ان لوگوں کے لئے نازل ہوئی ہے جو اپنے مشرکین آباء کے لئے استغفار کرتے تھے اور یہ ابو طالب کے حق میں نہیں ہے۔

﴿۱۰﴾ ارشاد الساری شرح بخاری

﴿امام قسطلانی﴾

واستشکل هذا بان وفاة ابی طالب وقعت قبل الهجرة بمکة بغیر خلاف ﴿الخ﴾

وفی ذالك دلالت علی تاخر نزول الآیة عن وفاة ابی طالب والاصل عدم تکرارا للنزول۔

﴿ارشاد الساری جلد ہفتم ص ۱۳۲۶ امام قسطلانی﴾

﴿منار الایمان ج ۸ ص ۲۸۸﴾

اور یہ مشکل ہے کیونکہ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

وفات کا واقع ہجرت سے پہلے کا ہے اور بغیر اختلاف
کے مکہ معظمہ کا ہے۔
اس میں وفات ابی طالب آیت کے نزول کے تاخر
پر دلالت کرتی ہے اور اصل یہ ہے کہ عدمِ تکرارِ نزول
ہے یعنی دوبار نازل نہیں ہوئی۔

تلك عشرة كاملة

حقیقت حقیقت فسانہ فسانہ

قارئین کرام معتبر کتب کے دس حوالہ جات ملاحظہ فرما چکے حقیقت کھل چکی ہے اور بفضل اللہ تعالیٰ و رسولہ ثابت کیا جا چکا ہے کہ آیتِ کریمہ مَا کَانَ لِلنَّبِیِّ نہ تو حضرت ابو طالب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور نہ ہی اس کا نزول دوبار ہوا ہے اور اس آیت سمیت پوری کی پوری سورۃ تو بہ مدنی ہے۔

بلکہ اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مفسّرین کا زیادہ زور حضرت علی علیہ السلام کی اس روایت پر ہے جس میں ہے کہ کوئی شخص اس زعم میں اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کر رہا تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی اپنے مشرک چچا کے لئے استغفار کیا تھا۔

چنانچہ دیگر مفسّرین کی طرح صاحب تفسیر جامع البیان سید معین

الدین رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

الا قول اصح عن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سمعت رجلا یستغفر للمشرکین۔

﴿تفسیر جامع البیان ج ۱ ص ۱۷۶﴾

مگر یہی قول صحیح تر ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک شخص سے سنا کہ وہ مشرکین کے لئے استغفار کر رہا تھا۔

علاوہ ازیں اس آیتِ کریمہ کا سیاق وسباق بھی اِس امر کی ہرگز اجازت نہیں دیتا کہ اس آیت کو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حق میں مان لیا جائے کیونکہ اس آیت کے ملحقہ الفاظ یہ ہیں کہ حضرت ابراہیم خلیل علیہ السلام کو بھی چچا آزر کے استغفار سے بایں وجہ منع کر دیا گیا تھا کہ وہ مشرک تھا۔

آزر اور ابوطالبؑ

ہاں! تو ہم بتا رہے تھے کہ اگر اس آیت کو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں تسلیم کر لیا جائے تو پھر اس واقعہ کو محض اس طرح سے تطبیق دی جا سکتی ہے کہ سیدنا حضرت ابراہیم خلیل علیہ السّلام کے چچا آزر اور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے چچا ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے

لئے دنیاو آخرت میں ایک ہی مقام متعین کیا جائے جیسا کہ آیت کے آخری جملہ سے ظاہر ہوتا ہے۔

لیکن ایسا تصوّر کر لینا محض خوش فہمی کے سوا کچھ بھی نہیں کیونکہ ان ہر دو کے کردار میں بُعد المشرقین ہے۔

آزر بُت پرست بھی تھا اور بُت فروش و بت گر بھی اس کے برخلاف سیدنا ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کسی بھی نصِ قرآن سے براہِ راست شرک ثابت نہیں آزر نے سیّدنا خلیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی دین کے معاملہ میں نہ تو کوئی امداد کی اور نہ ہی ان کے لئے کوئی تکلیف برداشت کی۔

اس کے برعکس سیدنا ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جس انداز سے دین کے معاملہ میں حفاظت و صیانت اور استعانت وحمایت کی ہے یہ کسی بڑے سے بڑے صحابی کو بھی نصیب نہیں ہوئی۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ محبوب خُداعَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ والسّلام کی ذات مقدس کے لئے ایسا مضبوط حصار تھا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف آنے والے دشمنوں کے ہر وار کو اپنے بوڑھے جسم پر روکا۔

اس مقام پر بہت کچھ کہا جا سکتا ہے لیکن ہمیں بہرصورت اختصار سے کام لینا ہے اور صرف یہ بتانا تھا۔

کہ کانٹے اور پھول کو ایک مقام نہیں دیا جا سکتا۔

نار اور نور کو ایک نہیں کہا جا سکتا۔

حق اور باطل کو ایک نام نہیں دیا جا سکتا۔

اور جس طرح ظلمت اور روشنی کو جمع نہیں کیا جا سکتا۔

جس طرح مشرک اور موحد کو ایک نہیں کہا جا سکتا۔

اسی طرح آزر و ابو طالب کے لئے ایک مقام متعین نہیں کیا جا سکتا جب کہ اس آیت میں یہ صراحت موجود ہے کہ جن لوگوں کے لئے یہ آیت نازل ہوئی ہے ان کا اور ان کا آخرت میں ایک ہی مقام ہے اور وہ جہنم کا طبقہ جحیم ہے۔

چنانچہ امام فخر الدین رازی علیہ الرحمۃ اس آیت کی دیگر متعدد شان ہائے نزول بیان فرمانے کے بعد یہ قول بھی نقل فرماتے ہیں کہ آزر اور ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہنم میں ایک ہی مقام پر ہیں درج ذیل روایت ہم آئندہ اوراق میں پھر ایک مقام پر نقل کریں گے۔

تفسیر کبیر

یروی ان رجلا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و قال کان ابی فی الجاھلیۃ یصل الرحم ویقری الضیف ویمنع من مالہ و این ابی قال امات مشرکا قال نعم قال فی ضحضاح من النار فولی

الرجل يبكي فدعاه عليه الصلوٰة والسلام فقال ان

ابی وابك ابراهیم فی النار۔

﴿تفسیر کبیر ج۶ ص۲۰۹﴾

روایت ہے کہ ایک شخص حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

کے پاس آیا اور کہا کہ میرے والد جاہلیت میں صلہ

رحمی کرتے تھے۔

مہمان نواز تھے اور مال خرچ کرتے تھے تو اس وقت

میرا والد کہاں ہے حضور نے فرمایا کیا وہ مشرکانہ حالت

میں مرا ہے تو اس نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا وہ نار

میں ہے تو وہ آدمی روتا ہوا واپس ہوا تو حضور صلّی اللہ

علیہ وآلہٖ وسلم نے اس کو بلا کر کہا تیرا باپ میرا باپ اور

ابراہیم کا باپ آگ میں ہیں۔

مندرجہ بالا روایت کو اگر درست مان لیا جائے تو ظاہر طور پر جو بات

سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ،

ابی سے مراد حضور علیہ السّلام کے چچا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ

ہیں کیونکہ اس روایت کے مطابق سائل کے باپ کے لئے بھی اور آزر اور ابو

طالب کے لئے بھی اجتمائی کم عذاب کی جگہ مقام ضحضاح کا تعین ہوتا ہے

حالانکہ قرآن مجید میں آزر کے لئے اللہ تبارک وتعالیٰ نے سخت تر عذاب کی

جگہ مقام جحیم کو متعین کر رکھا ہے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وہ کردار آپ کے پیشِ نظر ہے جو انہوں نے حضور خاتم النبیین، تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و پرورش اور حمایت و نصرت کے سلسلہ میں ادا کیا۔

آزر کا کردار

امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ مسالک الحنفا میں رقم طراز ہیں

قال اللہ تعالیٰ یا نارُ کُونِی بَرْداً وَّ سَلَاماً عَلیٰ اِبْرٰھِیْمَ۔

یعنی اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آگ ابراہیم پر سلامتی کے ساتھ ٹھنڈی ہو جا۔

﴿سورۃ الانبیاء آیت ۶۹﴾

مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے چچا آزر نے کہا کہ انہیں آگ میں پھینک دو جس کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آگ کا ایک شرارہ بھیجا جو آزر کے پاؤں میں گرا اور اس نے آزر کو جلا کر راکھ کر دیا متن ہے۔

فقال عم ابراھیم من اجلی دفع لمعہ، فارسل اللہ شرارۃ من النار فوقعت علی قدمہ فاحرقت۔

﴿مسالک الحنفاء للسیوطی ص ۲۹﴾

فیصلہ ہی کرلو

وایضاً ان عم ابراهیم آزر کان یتخذ اصناماً آلهة
ولم ینقل عن ابی طالب انه اتخذ اصناماً آلهة او
عبد حجراً او نهی النبی صلی اللّٰه علیه و آله وسلم عن
عبادة ربه۔

﴿مراح لبید اول صفحہ ۳۵۷﴾

اور بے شک حضرت ابراہیم علیہ السّلام کا چچا آزر بتوں کو
معبود مانتا تھا اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
متعلق ہرگز یہ ثابت نہیں کہ انہوں نے بتوں کو الٰہ مانا ہو یا
پتھروں کی عبادت کی ہو یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو
اللہ تعالیٰ کی عبادت سے منع کیا ہو۔

حقیقت یہ ہے کہ آزر اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نہ حیثیت ایک ہے نہ مقام، آزر اصنام پرستی بھی کرتا تھا اور اصنام تراشی بھی جب کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد گرامی کی ملت پر ہونے کی وجہ سے توحید پرست بھی تھے اور بتوں سے متنفر بھی۔

آزر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کی ذات سے بھی عداوت رکھتا تھا اور ان کے مشن کا بھی دشمن تھا۔

علاوہ ازیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جلّ مجدہٗ

الکریم نے قرآن مجید میں واضح طور پر آزر کی بدبختیوں کا تذکرہ فرماتے ہوئے اس کے لئے نارِ جحیم کا وعدہ فرما رکھا ہے جب کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی بلکہ اس کے برعکس حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوشِ رافت کو اپنی آغوشِ رحمت قرار دیا ہے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے آستانہ کو اپنا بیت الشرف قرار دیا ہے ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پناہ کو اپنی پناہ سے موسوم فرمایا ہے۔

ہم نے جلد اول میں بھی چند ایک حوالے اس ضمن میں پیش کئے تھے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو کفالت و پرورش فرمائی ہے اسے اللہ تبارک وتعالیٰ اپنا فعل قرار دیتا ہے جب کہ قرآن مجید میں ہے کہ اگر تم اچھی بات کرو تو اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے منسوب کرو اور اگر تم سے برائی ظہور میں آئے تو اس کی نسبت اپنی ذات سے کرو جب کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوشِ رافت کو خُدا تعالیٰ اپنی پناہ گاہ قرار دیتے ہیں ملاحظہ ہو۔

ایفائے وعدہ

گزشتہ اوراق میں قارئین کرام حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت کے متعلق متعدد کتب معتبرہ کے علاوہ خارجی عباسی کی کذب بیانی کے ابطال کے سلسلہ میں پانچ تفاسیر کے حوالہ سے آیت کریمہ

الم یجدک یتیماً فاوی کی صحیح تفسیر ملاحظہ فرما چکے ہیں اب انہیں مزید حوالوں کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں۔

تفسیر ابنِ عباسؓ

"یتیماً" بغیر ماں باپ کے فآوی آپ کو پناہ دی آپ کے چچا ابو طالب کے گھر میں متن ہے۔

یتیماً بلا اب و بلا ام فآوی فآوٰک الی عمک ابی طالب۔

﴿تنویر المقباس تفسیر ابن عباس مطبوعہ مصر ص ۳۶۷﴾

تفسیر کبیر الرّازی

اور حضرت عبد المطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے لئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وصیّت فرمائی تھی کیونکہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسلام کے والد گرامی حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کی ایک ہی والدہ تھیں چنانچہ وہ اپنے والد حضرت عبد المُطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کفیل ہوئے۔

وکان عبد المطلب یوصی ابا طالب بہ لان عبد اللہ وابا طالب کانا من ام واحدۃ فکان ابو طالب

هو الذی یکفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم

بعد جدہ۔

﴿تفسیر کبیر الامام فخر الدین رازی مطبوعہ بیروت جلد ۱۳ص ۱۴۴﴾

تفسیر غرائب القرآن

آیت کریمہ الم یجدک یتیماً فآوی کے تحت نظام الدین حسن بن محمد نیشاپوری رقم طراز ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت فرماتے رہے پھر جب آپ رسالت کے ساتھ مبعوث ہوئے تو جناب ابو طالب مُدّتِ مدید تک آپ کی حمایت و نصرت پر قائم رہے اور اللہ تبارک وتعالی نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالی عنہ کے ذریعہ سے آپ کی بہترین تربیت فرمائی۔

فکفل ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم الی ان ابعثہ اللہ للرسالۃ فقام بنصرتہ مدۃ مدیدۃ وعطفہ اللہ علیہ فاحسن تربیتہ۔

﴿تفسیر غرائب القرآن المعروف نیشاپوری جلد ۱۰ص ۳۲۷﴾

تفسیر جمل علی الجلالین

زیر آیت "الم یجدک یتیما فاوی" تفسیر جمل میں لکھا ہے۔

اور حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ابو طالب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے وصیت فرمائی کیونکہ حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والدِ مُصطفیٰ اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں ایک ہی والدہ کے بطنِ اطہر سے تھے پس حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِّ امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد آپ کے کفیل ہوئے حتیٰ کہ آپ رسالت معظمہ کے ساتھ مبعوث ہوئے۔

وکان عبد المطلب اوصی ابا طالب بہ لان عبد اللہ وابا طالب کان من ام واحدۃ فکان ابو طالب ھو الذی کفل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعد جدہ الی ان بعثہ اللہ نبیا۔

﴿تفسیر جمل علی الجلالین مطبوعہ مصر جلد چہارم ۵۴۹﴾

تفسیر صاوی

علامہ احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ زیرِ آیت ''الم یجدک یتیما فآوی'' تفسیر صاوی میں رقم طراز ہیں کہ جس وقت حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدامجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کا انتقال ہوا اس وقت آپ کی عُمر مبارک آٹھ سال کی تھی۔

چنانچہ حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے بعد حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے کفیل ہوئے کیونکہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سگے بھائی تھے۔

ومات جده عبد المطلب و هو ابن ثمان سنين فكفله

عمه ابو طالب لانه كان شقيق ابيه۔

﴿تفسیر صاوی الامام احمد صاوی مالکی مطبوعہ مصر ج چہارم ص ۲۷۸﴾

تفسیر جلالین

تفسیر جلالین میں زیر آیت الم يجدك يتيما فآوى لکھا ہے کہ اس سے مراد حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے عم محترم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوش میں آنا ہے۔

بان ضمك الى عمك ابى طالب

﴿تفسیر جلالین مع صاوی ج ۴ ص ۲۷۸﴾

تفسیر کشاف

علامہ زمخشری زیر آیت رقم طراز ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اور آپ کی عمر مبارک اس وقت آٹھ سال تھی پس حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت کے دوران میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی بہترین تربیت فرمائی۔

وماتت جده و هو ابن ثمان سنين فكفله عمه ابو

طالب و عطفه الله عليه فاحسن تربيته۔

﴿تفسیر کشاف مطبوعہ بیروت ج چہارم ص ۵۵۰﴾

تفسیر خازن

اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہ الکریم نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اپنے انعام واحسان کا تذکرہ کرتے ہوئے آپ کو ارشاد فرمایا کہ محبوب کیا ہم نے آپ کو یتیم اور صغیر سن پا کر اپنی پناہ میں نہیں لیا؟

اور الم یجدک یتیماً کے یہ معنی ہیں آپ ابھی والدہ ماجدہ کی آغوش میں بھی نہیں آئے تھے کہ آپ کے والد محترم وصال فرما گئے اور پیچھے آپ کے لئے نہ تو کوئی مال چھوڑا اور نہ ہی کوئی پناہ کی جگہ تو ہم نے آپ کو پناہ دی اور ہماری وہ پناہ گاہ آپ کے چچا ابو طالب کی آغوشِ رافت تھی حتیٰ کہ آپ کی بہترین کفالت وتربیت فرمائی گئی۔

اور یہ ایسے ہے کہ ابھی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بطن آمنہ سلام اللہ علیہا میں ہی تھے کہ آپ کے والد معظم حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مبارک ہو گیا تو آپ کے جدِ امجد حضرت عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کو اپنی کفالت میں لے لیا پھر جب حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی انتقال فرما گئے تو آپ کو آپ کے عمِ محترم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی آغوشِ رافت میں لے کر شدید محافظت اور مضبوط حصار کی صورت میں آپ کی کفالت فرمائی اور آپ کا نکاح مبارک حضرت خدیجۃ الکبریٰ سے کیا۔

مفسرین یتیم کے معنی دُرِ یتیم بھی فرماتے ہیں یعنی آپ کو قریش میں واحد و یکتا اور عدیم النظیر و بے مثال پایا تو آپ کو اپنے قُرب میں جگہ عطا فرمائی اور شرفِ نبوّت سے نواز کر متمکن بر سالت فرمایا۔

وذکر نعمه علیه واحسانه الیه فقال عز وجل الم یجدك یتیماً ای صغیراً۔ فاویٰ المعنی الم یجدك یتیماً صغیراً حین مات ابوك و لم یخلف لك مالا و لا ماویٰ فجعل لك ماویٰ تاویٰ الیه وضمك الی عمك ابی طالب حتیٰ احسن تربیتك و کفاك المؤنة وذالك ان عبد الله مات و رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم حمل فکفله جده عبد المطلب فلما مات عبد المطلب کفله عمه ابو طالب الی ان اقوی و اشتد و تزوج خدیجة و قیل هو من قولهم درة یتیمة والمعنی الم یجدك واحداً فی قریش عدیم النظیر فاواك الیه وایدك و شرفك بنبوة و اصطفاك برسالة۔

﴿تفسیر خازن مطبوعہ چہارم ص ۲۱۶﴾

تفسیر معالم التنزیل

"الم یجدك یتیماً فاویٰ" راویان حدیث ابو سعید احمد بن ابراہیم، ابو اسحاق احمد بن محمد ابراہیم ثعلبی، عبد اللہ بن حامد اصفہانی، محمد بن عبد

اللہ نیشاپوری، محمد بن عیسیٰ، ابوعمرو حوضی، ابوربیع زہرانی، حماد بن یزید، عطاء بن سائب، سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پرور دگار جلّ وعلا کے حضور میں سوال کیا کہ الٰہی! تُو نے حضرت سلیمان بن داوٗد علیہ السّلام کو ملکِ عظیم عطا فرمایا اور فلاں پیغمبر کو فلاں نعمت سے نوازا اور فلاں کو فلاں چیز عطا فرمائی۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا محبوب! کیا ہم نے آپ کو یتیم پا کر اپنی پناہ میں نہیں لیا؟

میں نے عرض کیا! اے پروردگار کیوں نہیں۔

پھر ارشاد ہوا کہ محبوب کیا آپ کو وارفتہء محبت پا کر اپنی طرف نہیں بلا لیا؟

میں نے عرض کیا! اے میرے ربّ کیوں نہیں پھر فرمایا کہ محبوب کیا آپ کو دنیاوی مال وزر سے الگ تھلگ پا کر آپ کو غنی نہیں فرمایا؟

میں نے عرض کی! اے میرے ربّ کیوں نہیں۔

اور اس کے علاوہ حماد نے اس روایت میں مزید یہ جملہ بھی بیان کیا ہے محبوب کیا ہم نے آپ کا سینہ کھول کر آپ پر سے آپ کا بوجھ نہیں اُتار لیا؟

تو میں نے کہا! ہاں میرے پروردگار کیوں نہیں نیز اس آیت کے

یہ معنی ہیں کہ محبوب آپ کے پاس مال بھی نہیں تھا اور آپ کی عمر بھی چھوٹی تھی جب آپ کے والد گرامی کا وصال ہوا تو انہوں نے آپ کے لئے نہ تو کوئی مال پیچھے چھوڑا اور نہ ہی کوئی پناہ گاہ پس ہم نے آپ کو پناہ دی اور جائے پناہ کے لئے آپ کے چچا ابو طالب کی آغوش رافت کا انتخاب کیا حتیٰ کہ انہوں نے آپ کی بہترین تربیت کی اور کفائت و کفالت فرمائی۔

﴿الم یجدك یتیماً فاویٰ﴾ اخبرنا ابو سعید احمد بن ابراھیم حدثنا ابو اسحاق احمد بن ابراھیم الثعلبی فقال انباونی عبد اللہ بن حامد اصفہانی حدثنا محمد بن عبد اللہ النیشاپوری حدثنا محمد بن عیسٰی حدثنا ابو عمرو الحوضی وابو الربیع الزھرانی عن حماد بن زید عن عطا بن السائب عن سعید بن جبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنھما قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سألت ربی مسألۃ انی لم اکن سألتہ قلت یا رب انك آتیت سلیمان بن داؤد ملکا عظیما و آتیت فلانا کذا و آتیت فلانا کذا؟ قال! یا محمد، الم اجدك یتیما فآویتك؟ قلت بلیٰ ای رب قال الم اجدك ضالا فھدیتك؟ قلت بلی ای رب قال الم اجدك عائلا فاغنیتك؟ قلت بلی ای رب و زاد و غیرہ من حماد

قال الم نشرك لك صدرك و وضعت عنك وزرك

قلت بلى اى رب و معنى الآیت الم یجدك یتیما

صغیرا فقیرا حین مات ابواك و لم یخلفالك ما لا

ولا ماوىٰ فجعل لك ماوىٰ تاوىٰ الیه و ضمك الى

عمك ابى طالب حتى احسن تربیتك و کفاك المؤنة

﴿تفسیر معالم التنزیل المعروف بغوی ج چہارم ص ۲۰۶﴾

تفسیر حقانی

"الم یجدك یتیماً فاوىٰ" کہ کیا اس نے یعنی خدا نے تمہیں یتیم نہیں پایا پھر تم کو جگہ دی تفصیل اس کی یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حمل میں تھے کہ حضرت کے والد ماجد عبداللہ کا عین جوانی میں انتقال ہو گیا اور کوئی جائیداد یا مال نہ چھوڑا کہ جس سے پسماندوں کی پرورش ہوتی پھر حق سبحانہٗ نے یہ انعام کیا کہ آپ کے جدّ امجد عبدالمطّلب کو آپ پر مہربان کر دیا ایسا کہ آپ کے آگے تمام اولاد کو بھول گئے۔

حالانکہ عبدالمُطّلب کثیر الاولاد تھے اور حال یہ تھا کہ جب حضرت دو برس کے تھے تو والدہ ماجدہ بھی دنیا سے رخصت ہو گئی تھیں اب نہ ماں ہے نہ باپ صرف اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے کہ عبدالمطلب کو فریفتہ کر رکھا ہے جب چھ برس کے ہوئے تو عبدالمطلب بھی چل بسے اب خوف تھا کہ کیا کیا مصیبتیں آئیں مگر ان کی جگہ حضرت کے چچا ابو طالب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

کے والد ماجد سرپرستی کرنے لگے اور ایسی کی کہ کوئی اپنی حقیقی اولاد کی بھی ایسی نہ کرے گا۔

﴿تفسیر حقانی جلد ہشتم ص ۱۶۶﴾

رُوح المعانی

زیر آیت "الم یجدک یتیما فاوی" علامہ سید محمود احمد آلوسی بغدادی رحمۃ اللہ علیہ تفسیر رُوح المعانی میں فرماتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے جدّ امجد اور والدہ محترمہ کی آغوش میں پروان چڑھتے رہے جب آپ کی عُمر مبارک چھ برس کی ہوئی تو آپ کی والدہ محترمہ سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کا وصال مبارک ہو گیا

پھر جب آپ کی عُمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو آپ اپنے جدّ امجد سیّدنا عبدالمطّلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وصیّت مبارکہ کے مطابق اپنے شفیق اور سگے چچا سیّدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی آغوشِ کفالت میں تشریف لے آئے چنانچہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کی بہترین تربیت فرمائی۔

اور کشاف میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آٹھ برس کی عمر میں اپنے عم محترم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کفالت میں تشریف لائے تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کے تمام امور

میں انتہائی توجہ دینے لگے اور آپ کا شدید خیال رکھتے۔

حتیٰ کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو رسالت کے ساتھ مبعوث فرمایا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن مبارک کے زمانہ میں آپ کے ظہور میں آنے والی ایسی باتوں کا مشاہدہ فرماتے جو آپ نے چھوٹی عمر کے بچوں میں کبھی نہیں دیکھی تھیں۔

فلما وضعته كان في حجر جده مع امه فماتت وهو عليه الصلوٰة والسلام ابن ست سنين ولما بلغ عليه الصلوٰة والسلام ثماني سنين مات جده فكفله عمه الشفيق الشقيق ابو طالب بوصية من ابيه عبد المطلب واحسن تربية صلى الله تعالىٰ عليه وآله وسلم۔

﴿روح المعانی ج۱۵ص۱۸۶﴾

وفي الكشاف هو ابن ثماني سنين فكفله عمه وكان شديد الاعتناء بامره الى ان بعثه الله تعالىٰ وكان يرىٰ منه صلى الله عليه وآله وسلم في صغره مالم ير من صغير۔

روى انه قال يوم لاخيه العباس الااخبرك عن محمد صلى الله تعالىٰ وسلم بما رائت منه فقال بلىٰ قال اني ضممته الى فكنت لاافارقه ساعته من ليل ولا نهار ولم أئتمن عليه احدا حتى اني كنت انومه في فراشي

فامرته ليلة ان يخلع ثيابه وينام معي ، فرايت

الكراهية في وجهه و كره ان يخالفني فقال يا عماه

اصرف وجهك عني حتى اخلع ثيابي اني لا احب ان

تنظر الى جسدي فتعجب من قوله وصرفت بصري

حتى دخل الفراش فلما دخلت معه الفراش اذا بيني

وبينه ثوب والله ما ادخلته في فراشي فاذا هو في غاية

اللين وطيب الرائحة كانه غمس في المسك ، فجهدت

لانظر الى جسده فما كنت ارى شيأ و كثيرا ما كنت

افتقده من فراشي۔

﴿روح المعانی ج ۱۵ ص ۱۸۶﴾

مشاہدات ابوطالبؑ

علامہ محمود آلوسی کشاف کے حوالے سے زیر آیت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ان مشاہدات کا تذکرہ مزید فرماتے ہیں جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بچپن مبارک کے زمانہ میں ظہور میں آئے تھے۔

روایت آئی ہے کہ ایک دن حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بھائی حضرت عباس کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کیا آپ کو معلوم ہے کہ میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کن اُمور کا مشاہدہ کیا ہے حضرت عباس نے فرمایا ہاں فرمایئے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ آپ

ہمیشہ میری آغوش میں رہتے ہیں دن ہو یا رات میں آپ کو کسی بھی وقت ہرگز علیحدہ نہیں کرتا حتیٰ کہ ایک رات آپ میرے ساتھ سونے لگے میں نے آپ کو قمیص اتار دینے کے لئے کہا تو آپ کے چہرے پر کراہت و ناپسندیدگی کے آثار ظاہر ہو گئے

پھر آپ نے میری مخالف سمت میں ہو کر ارشاد فرمایا!

چچا جان چہرہ دوسری طرف کر لیں بعد میں کپڑا اتار دوں گا کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے برہنہ جسم کو دیکھے آپ کا یہ ارشاد سُن کر میں سخت حیران ہوا اور اپنی نگاہوں کو دوسری طرف پھیر لیا لیکن مزید تعجب خیز بات یہ ہے کہ جب آپ کپڑا اتار کر میرے ساتھ لیٹے تو میں نے دیکھا کہ میرے اور آپ کے درمیان اسی طرح کپڑا حائل ہے۔

خدا کی قسم! آپ جب میرے ساتھ بستر میں استراحت فرماتے تو بستر معطر ہو کر یوں مہکنے لگتا جیسے کستوری میں ڈوبا ہوا ہو مگر جب میں آپ کے جسد اطہر کو دیکھتا تو آپ نے کسی بھی قسم کی خوشبو استعمال نہیں کی ہوتی تھی۔

تفسیر نور العرفان

"الم یجدك یتیما فاوی" کے تحت حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عُمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو دادا عبدالمُطّلب بھی وفات پا گئے اور اپنے فرزند ابو طالب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کو جو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی چچا تھے آپ کی پرورش کی وصیت فرما گئے۔

ابو طالب نے بے مثال خدمت و پرورش کی آیت کا مطلب ہے کہ ہم نے آپ کی محبت عبدالمطلب اور ابو طالب کے دل میں ڈال دی جس سے انہوں نے کمال شفقت سے آپ کو پالا یہ پرورش دَر حقیقت ہماری طرف سے تھی۔

﴿تفسیر نور العرفان ص ۹۵۳﴾

مذکورہ بالا عبارت میں مفتی احمد یار خاں صاحب کا یہ جُملہ قارئین کے لئے خاص طور پر دعوت غور وفکر کا حامل ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے فرمایا ہے ابو طالب کا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش کرنا دَر حقیقت ہمارا پرورش کرنا ہے۔

تفسیر مظہری

"الم یجدک یتیماً فاویٰ" کیا اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کو حالتِ یتیمی میں نہیں پایا پھر اس نے آپ کو ٹھکانہ دیا یعنی آپ کے چچا ابو طالب کے پاس آپ کا ٹھکانہ بنایا اور ان کو آپ کا کفیل مقرر کیا۔

﴿تفسیر مظہری جلد ۱۰ ص ۴۴۱﴾

باب دوازدہم

اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ تحقیق کے آئینہ میں

شانِ نزول کے اختلاف

آیت کریمہ انک لاتہدی تحقیق کے آئینہ میں

یہ آیت بھی حضرت ابوطالبؑ کے حق میں نہیں

اس آیت کے مختلف شانِ نزول

مُفسّرین کے متعدد اقوال مُسلمانوں کا اجماع کب ہوا ؟

قول زُجاج حضرت ابوہریرہ کہاں تھے

ایک سال اور پانچ سال سے راوی

بخاری کی روایت شارحین کی نظر میں

وہ راوی جس نے ساری زندگی میں یہی ایک روایت بیان کی

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بخاری کی بیان کردہ روایت کا کثیر حصّہ مخدوش اور محلِّ نظر ثابت کیا جا چکا ہے اندریں حالات زیرِ نظر روایت کے بالکل آخری جملہ یعنی آیتِ کریمہ انک لاتھدی سے صرفِ نظر بھی کرلیا جائے تو روایت کا اکثر حصہ غلط ثابت ہونیکی وجہ سے غیر مناسب نہیں ہوگا۔

باوجود اس کے ہم اس آخری حصّہ کو بھی نظر انداز نہیں کرنا چاہتے بلکہ مضبوط ترین براہین و دلائل سے ثابت کریں گے کہ یہ آیت بھی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نہیں اور اس کے لئے بھی ہم سابقہ ترتیب و ترکیب کو پیش نظر رکھتے ہوئے دس ایسی ٹھوس وجوہات بیان کریں گے جن سے ثابت ہو جائے گا کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شان میں نازل نہیں ہوئی۔

یہ آیت بھی حضرت ابو طالب کے حق میں نہیں

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ

ترجمہ! بیشک اے محبوب آپ جسے چاہیں یا جس سے محبت کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے یہ تو اللہ کا کام ہے جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے۔

﴿سورۃ القصص آیت ۵۶﴾

کفر پہ ظاہر دلیل کوئی نہیں

پہلی وجہ

آیت مبارکہ انك لا تهدی میں ظاہر طور پر ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے ثابت کیا جا سکے کہ یہ فی الواقع حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ہی حق میں نازل ہوئی ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں کوئی واضح اشارہ نہیں فرمایا جیسا کہ قرآن مجید میں بیشتر مقامات پر مختلف لوگوں کے حق میں آنے والی آیات مبارکہ میں واضح ترین اشارے موجود ہوتے ہیں اور ایسی آیات کے سیاق وسباق اس امر کی کھلی شہادت ہیں۔

اور یہ ہمارا اپنا ہی خیال نہیں بلکہ مفسرین کرام نے لکھا ہے کہ اس آیت میں کفر ابو طالب پر کوئی دلیل ظاہر نہیں چنانچہ رئیس المفسرین امام فخر الدین رازی اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے سب سے پہلے یہی خیال ظاہر فرماتے ہیں ملاحظہ فرمایئے۔

تفسیر کبیر

اعلم ان فی قولہ تعالیٰ انك لا تهدی من احببت
ولکن اللہ یهدی من یشاء بسائل المسئلة الاولیٰ ؟
هذہ الآیة الا و لالة فی ظاهر ها علیٰ کفر ابی طالب۔

﴿تفسیر کبیر جلد ششم ص ۴۴۹﴾

جان لیجئے کہ بیشک انك لا تهدی الی آخر الآیۃ میں
کئی مسئلے ہیں۔

پہلا مسئلہ!

نہیں دلالت کرتی یہ آیت اپنے ظاہر میں کفر ابوطالب پر
اسی طرح دیگر کئی ایک مفسرین کے علاوہ صاحب تفسیر مراحِ لبید اس
مقام پر یوں رقمطراز ہیں۔

مراحِ لبید

انك لا تهدی وهذه الآیة لا دلالة فی ظاهرها علی
کفر ابی طالب لان اللّٰه هو الذی هداه بعد ان الهس
منه النبی صلی اللّٰه علیه وآله وسلم اما الحدیث
الدلالة علیٰ عذابه ودخوله فهو الترك النطق بالشهادة
و ان اعتذ به فالعذاب یکون فی مقابلة ترك فرض
آخر و مما یدل علیٰ انه آمن برسول اللّٰه صلی اللّٰه
علیه وآله وسلم انه قد وصی عند موته باتباع رسول
اللّٰه صلی اللّٰه علیه وآله وسلم۔

﴿مراحِ لبید جلد دوم ص ۱۴۶ مطبوعہ مصر﴾

یہ آیت ظاہری طور پر ابی طالب کے کفر پر دلالت نہیں
کرتی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابوطالب کو ہدایت دے

دی تھی جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آپ سے مایوس ہو گئے تھے اور وہ حدیث جو آپ کے عذاب اور جہنم میں داخل ہونے پر دلالت کرتی ہے وہ اس لئے بھی ہو سکتی ہے کہ انہوں نے شہادت کو بیان نہ کیا اگر اس کو شمار کر بھی لیا جائے تو یہ عذاب دوسرے فرض کے ترک کرنے پر ہوگا اور آپ کے ایمان لانے پر اہم ترین دلیل یہ ہے کہ آپ نے اپنی وفات کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لانے کی وصیت کی تھی۔

تفسیر نعیمی

س:۔ نیز ابو طالب کا کفر پر انتقال بہت سی احادیث سے ثابت ہے اِنہی کے حق میں یہ آیت آئی اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ پھر اُن سے رعایت کیسی ؟

ج:۔ اِس کا کوئی ثبوت نہیں فتویٰ کُفر کے لئے یقین چاہئے ابو طالب کی کفر پر موت بھی احادیث سے ثابت ہے جس پر یقین نہیں کیا جا سکتا پھر بڑے بڑے علماء کا اِس میں اختلاف ہے۔

﴿تفسیر نعیمی جلد دوم ص ۱۰۶﴾

فرمانِ رسول ﷺ

دُوسری وجہ

اِس آیت مبارکہ کا حضرت ابو طالبؓ کے حق میں نہ ہونا اِس وجہ سے بھی ظاہر ہے کہ سرکارِ دوعالم، صاحبِ قرآن صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کا پورے ذخیرۂ حدیث میں ایک بھی ایسا فرمانِ عالیہ موجود نہیں جس سے ثابت کیا جاسکے کہ یہ آیتِ کریمہ حضرت ابو طالب کے حق میں ہے۔

یہ کسی عام آدمی کی بات نہیں شیخِ بطحا حضرت ابو طالب کا معاملہ تھا جس کا رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس سے براہِ راست تعلق تھا۔ اِس لئے آپ اسے نظر انداز نہیں فرما سکتے تھے۔ اگر یہ آیت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ کے حق میں ہوتی تو آپ سے زیادہ کون اس کی شانِ نزول کو جان سکتا ہے۔ لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک بھی مرفوع حدیث ایسی موجود نہیں جس میں یہ بتایا گیا ہو کہ اِس آیت سے مُراد ابو طالبؓ کا کفر و شرک پر فوت ہونا ہے۔

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اور یہ آیت

تیسری وجہ

آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ کی شانِ نزول میں

مفسّرینِ کرام نے نقل فرمایا ہے کہ قرآن مجید کے نزول کو رسول الملائکہ حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسّلام کی زبان سے صحابہ کرام میں سے سوائے صدیق اکبر امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کسی نے نہیں سنا۔

اور انہوں نے بھی صرف آیت مبارکہ! اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ کو نازل ہوتے ہوئے اپنے کانوں سے سماعت فرمایا ہے۔

یہ خاص واقعہ

قارئین کرام اندازہ فرمائیں کہ یہ کس قدر خاص اور غیر معمولی واقعہ ہے اسے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زندگی کا اہم ترین واقعہ قرار دیا جا سکتا ہے جو آپ کو اس معاملہ میں تمام تر صحابہ کرام سے ممتاز کرتا ہے اور یہ ان کے علاوہ دیگر تمام صحابہ کرام کے لئے بھی اچنبے کی بات تھی۔

اور یہ ناممکن بات ہے کہ اس عظیم نعمتِ الٰہیہ جو صرف انبیاء و مرسلین کے لئے مخصوص ہے کا تحدیثِ نعمت کے طور پر سیدنا صدیق اکبر نے ذکر نہ فرمایا ہو اور اگر یہ حقیقت ہے تو کس طرح باور کیا جا سکتا ہے کہ تمام اکابر صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے صرف اور صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے صرف ایک ہی آیت کو پوری حیاتِ طیبہ میں جبریل کی

زبان سے نا ہو اور اس آیت کے متعلق تمام امور سے آگاہ بھی نہ ہوں۔

آپ یقیناً جانتے تھے کہ اس آیت کریمہ کی شانِ نزول کیا ہے اور اور اگر یہ آیت مبارکہ کسی مخصوص ہستی کے حق میں آئی ہوتی تو آپ اس کا ضرور اظہار فرماتے۔

لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ خلیفۃ الرّسول امیر المومنین سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام تر مرویات میں اس کا نشان تک نہیں ملتا کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی۔

چونکہ یہ آیت مبارکہ عام لوگوں کے لئے تھی اور کفّار و مُشرکین کے متعلق اس قسم کی بیشمار آیات اور بھی موجود تھیں اس لئے اسے کسی خاص حیثیت سے پیش نہیں کیا گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ہمہ وقت یہ خواہش تھی کہ کفّار و مشرکین مشرف بہ اسلام ہو جائیں اور چہار وانگِ عالم میں حق کا بول بالا ہو جائے اور جب کفّار و مشرکین اس عظیم دولت کے حصول سے گریز کرتے تھے تو آپ کی شانِ رحمت للعٰلمینی پر ایک چوٹ سی پڑتی محسوس ہوتی تھی آپ نہیں چاہتے تھے کہ ہمارے ہوتے ہُوئے بھی لوگ جہنم کا ایندھن بنیں جس کے بیشمار شواہد قرآن مجید میں بکھرے پڑے ہیں۔

بہر صورت بتانا یہ تھا کہ اگر یہ آیت خاص طور پر حضرت ابو طالب کے لئے ہوتی تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اس کا تذکرہ ضرور فرماتے لیکن

ایسا کوئی ذکر کسی بھی کتاب میں ہرگز ہرگز موجود نہیں اس کا فیصلہ قارئین پر چھوڑتے ہوئے ہم وہ حوالہ جات پیش کرتے ہیں جن میں ہے کہ اس آیت مبارکہ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے کانوں سے سماعت فرمایا ملاحظہ ہو۔

کشف الاسرار

وعن الزهری عن محمد بن جبیر عن ابیه قال لم یسمع احد ن الوحی یلقی علی رسول الله صلی الله علیه و آله وسلم الا ابو بکر صدیق رضی الله تعالٰی عنه فانه اتی النبی علیه السلام فوجده یوحی الیه فسمع انك لا تهدی من احببت۔

﴿کشف الاسرار جلد ہفتم ص ۳۲۶ مطبوعہ تہران﴾

حضرت زہری محمد بن جبیر سے وہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ نہیں سنا ایک شخص نے بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم پر القا ہوتا وحی کا سوائے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پس آپ نبی صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خدمت میں حاضر ہوئے جبکہ وحی نازل ہو رہی تھی تو آپ نے سنا اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ۔

تفسیر قرطبی

وقال جبیر بن مطعم لم یسمع احد ن الو حی یلقی
علی النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم الا ابا بکر
صدیق فانہ سمع جبر یل وھو یقول یا محمد اقراء
انک لا تھدی من احببت ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء۔

﴿تفسیر قرطبی ج۱۳ص۲۲۹﴾

اور کہا جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نہیں سنا کسی
نے القائے وحی ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر
سوائے ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پس انہوں
نے سنا جبریل علیہ السلام سے کہ وہ کہتے تھے یا محمد صلّی
اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پڑھئے ! اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ مَنْ
اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآء ۔

انک لا تھدی اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم

چوتھی وجہ

آیت مبارکہ انک لا تھدی من احببت کا نزول حضرت ابو طالب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ حضرت علی کرم
اللہ وجہہ الکریم نے اس کا کہیں تذکرہ نہیں فرمایا حالانکہ آپ مُفسّر قرآن تھے

اور آپ سے بہتر تفسیرِ قرآن کو کون جان سکتا تھا جبکہ آپ بابِ مدینۃ العلم تھے اور یہ تو آپ کے اپنے گھر کا معاملہ تھا کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ کوئی آیت حضرت ابو طالب کے حق میں نازل ہو اور سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سے ذکر نہ کریں اور اگر تذکرہ فرمائیں تو حضرت علیؑ اس پر اظہارِ تاسف بھی نہ کریں۔

یہ سمجھ میں آنے والی بات نہیں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ قرآنِ کریم میں حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے حق میں ان کے کفر و ضلالت کے متعلق وعید خداوندی آچکی ہے آپ اُن کے مرثیے میں اُن کے ایمان و ہدایت کا اعلان فرمائیں۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کی وفات حضرت علیؑ کے سامنے ہوئی تھی وہ ان کے تمام تر حالات سے آگاہ تھے اُنہیں اپنے باپ سے بے پناہ محبت تھی یہ اُن کا اپنا ذاتی معاملہ تھا وہ اسے کس طرح نظر انداز کر سکتے تھے اگر حضرت علیؑ کو معلوم ہو جاتا کہ یہ آیت میرے باپ کے حق میں ہے تو وہ اس پر ضرور پریشان ہوتے اور کچھ نہیں تو کم از کم ان کی شان میں اس قسم کے قصائد ہرگز نہ تحریر کرتے جن کی ایک جھلک ہم سابقہ اوراق میں قارئین کے سامنے پیش کر چکے ہیں بہر حال حضرت علیؑ کے کسی بھی قول سے ایسی بات ثابت نہیں کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آئی ہے۔

حالانکہ یہ مسلّمہ حقیقت ہے کہ علومِ قرآن تمام کے تمام حضرت علی

کرم اللہ وجہہ الکریم پر منکشف تھے چنانچہ حلیۃ الاولیا میں امام ابونعیم روایت نقل فرماتے ہیں۔

عن عبد اللّٰہ بن مسعود قال ان القرآن انزل علی سبعة احرف فا منها حرف الا له ظهر و بطن وان علیا ابن ابی طالب عنده علم الظاهر و الباطن۔

﴿حلیۃ الاولیا جلد اول ص ۶۵ مطبوعہ مصر﴾

قرآن حکیم سات قرأت پر نازل ہوا ہے اس کے ہر حرف کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علی ابن ابی طالب ظاہر و باطن دونوں کا علم رکھتے تھے۔

مندرجہ بالا روایت کا صاحب حلیہ ان الفاظ سے باب مرتب کرتے ہیں۔

خصائصه علی لسان رسول اللّٰه و عنا یته بجمع القرآن حفظا و علمه با سباب نزوله ۔

﴿حلیۃ الاولیاء ج ۱ ص ۳۸۷﴾

آپ کی خصوصیات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان سے ارشاد ہوئیں اور آپ نے قرآن کے حفظ کی طرف خاص توجہ کی اور اسبابِ نزول کا علم

حاصل کیا۔

روایت مذکورہ بالا میں حضرت عبداللہ ابنِ مسعود کا قرآن کے معاملہ میں حضرت علی کے علومِ ظاہر و باطن میں اعتراف اس بات کی واضح دلیل ہے کہ حضرت علی قرآن کی دیگر صحابہ کرام سے زیادہ جانتے تھے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود خود مفسّرِ قرآن اور مُجتہد فی الدّین تھے اب یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ قرآن ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو گمراہ کہے اور مفسّرِ قُرآن علی انہیں تاریکی کا نُور اور پاک فطرت کے لقب سے یاد فرمائیں۔

عجیب و غریب شانِ نزول

پانچویں وجہ

اِس آیتِ مقدّسہ کا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نہ ہونا درج ذیل روایت کے پیشِ نظر روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے۔

مفسّرین کرام نے اس آیت کے شانِ نزول میں نقل فرمایا ہے کہ آیت کا نصف حصّہ یعنی انك لا تھدی من احببت سے مراد حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں جن کو معاذ اللہ ہدایت نصیب نہیں ہوئی اور آیت کا باقی ماندہ نصف ٹکڑا یعنی ولکن اللّٰہ یھدی من یشاء سے مراد حضرت عباس ابن عبدالمطلب ہیں جن کو ہدایت نصیب ہو گئی۔

اب اندازہ فرمائیں کہ اس بُعدالمشرقین کو کس طرح جمع کیا جا سکتا

ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال تو مکہ معظمہ میں ہوا ہوا اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام مدینہ منورہ میں قبول فرمائیں۔

بہر حال آپ پہلے وہ حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں جن میں مذکورہ بالا واقعۂ نزول ثابت ہوتا ہے۔

تفسیر دُرِ منثور

واخرج عبد بن حمید عن قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ
انك لا تهدی من احببت یعنی ابا طالب ولکن اللہ
یهدی من یشاء قال العباس۔

﴿تفسیر درِ منثور جلد پنجم ص ۱۳۴ مطبوعہ تہران﴾

عبد بن حمید قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے
ہیں کہ آیت مبارکہ انك لا تهدی من احببت سے
مراد ابوطالب ہیں نیز ولکن اللہ یهدی من
یشاء فرمایا عباس رضی اللہ عالیٰ عنہ۔

کشف الاسرار وعدۃ الابرار

فانزل اللہ انك لا تهدی یعنی ابو طالب ولکن اللہ
یهدی من یشاء یعنی العباس۔

﴿کشف الاسرار جلد ہفتم ص ۳۲۵ مؤلفہ خواجہ عبداللہ انصاری پیر ہرات﴾

پس نازل فرمایا اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِنَّكَ لَا تَهْدِی

یعنی ابوطالب اور وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِی مَنْ یَشَاءُ یعنی

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

تفسیر قرطبی

وقال ابو روق قوله ولكن الله يهدى من يشاء اشارة ؟

اعباس۔

﴿تفسیر قرطبی جز ۱۳ ص ۲۲۹ مطبوعہ مصر﴾

اور کہا ابو روق نے کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد ولکن اللہ

یہدی من یشاء کا اشارہ حضرت عباس رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی طرف ہے۔

آیت مبارکہ انك لا تھدی کی یہ تفسیر کہ پہلا نصف حصہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہے اور باقی نصف حصہ حضرت عباس کے لئے ہے حقائق و وقائع کے ساتھ زبردست ناانصافی کے مترادف ہے اس لئے کہ نہ تو اس آیت کریمہ کا اطلاق حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہو سکتا ہے اور نہ ہی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کیونکہ حضرت عباس ہجرت کے دوسرے سال اسلام قبول فرماتے ہیں اور حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کا واقعہ ہجرت سے تقریباً تین سال پہلے کا ہے یہ کس

طرح ممکن ہے کہ ایک آیت کا نصف حصہ شانِ نزول آج کیلئے ہو اور باقی نصف حصہ پانچ سال بعد کے لئے ہو ولکن اللہ من یشاء کا حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہونا معنوی لحاظ سے درست ہی سہی لیکن اس صورت میں ان کے لئے مخصوص کس طرح کیا جا سکتا ہے جبکہ وہ اس آیت کے نزول سے کئی سال بعد اسلام قبول کرتے ہیں۔

حضرت عباس کا اسلام حضرت ابوطالب کے حق میں

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اِسلام قبول فرمانا اور اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھنا متعدد وضاحتوں کے ساتھ کتاب ہذا کی جلد اوّل میں بیان کیا جاچکا ہے یہاں محض ضرورت کے مطابق ایک حوالہ پیش خدمت ہے۔

روایت میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ آلہٖ وسلم کی خواہش ورضا کے مطابق اپنے اسلام کو اخفا میں رکھا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ کو کفار کے حالات سے آگاہ کیا کرتے تھے اور اگر سیّدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو پہلے ہی ظاہر فرمادیتے تو کفار ومشرکین کے مشوروں کی اطلاعات فراہم کی حمایت و صیانت کا کام بھی مشکل تر ہو جاتا ہے کیونکہ کفار ومشرکین ان کو بھی اپنا دشمن سمجھ کر ان کے ساتھ بھی سختی سے پیش آتے اور ہرگز ان کی کسی رائے سے اتفاق نہ کرتے بعینہٖ یہ بات حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاملہ

میں بھی ہوسکتی ہے کیونکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کردار اس معاملہ میں حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی بڑھ چڑھ کر ہے کفار و مشرکین مکہ انہیں بھی مسلمان نہ سمجھتے ہوئے ان سے آمادہ جنگ و جدل ہونے کے بجائے شکوہ وشکایت پیش کرتے پر اکتفا کرتے تھے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محافظت رسول کو رشتہ قرابت پر محمول کرلیا کرتے تھے۔

بصورت دیگر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اگر کھلم کھلا اعلان اسلام کردیتے تو وہ ہرگز اسلام کی یہ خدمت سرانجام نہیں دے سکتے تھے جو انہوں نے دی۔

چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ولکن اللہ یھدی من یشاء کو تسلیم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ مسلمان پہلے ہوچکے تھے لیکن انہوں نے اظہار اسلام بعد میں کیا بلکہ بدرجہ اولیٰ ہوسکتی ہے کیونکہ ان کے اخفائے اسلام کی وجہ سے اسلام کو جو فوائد حاصل ہوئے ہین وہ اظہر من الشمس ہیں بہر حال آپ روایت ملاحظہ فرمائیں جو حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے خفائے اسلام کے متعلق معتبر کتابوں میں موجود ہے۔

اسلام چھپا رکھا تھا

قال ابو عمر اسلم العباس قبل فتح خیبر و کان یکتم

اسلامہ و ذالك بين فی حديث الحجاج بن علاط

كان مسلما يسرہ ما يفتح اللہ عزو جل المسلمين ثم

اظهر اسلامہ يوم فتح مكة وشهد حنينا و الطائف و

تبوك و قيل ان اسلامہ قبل بدر و كان رضى اللہ

تعالىٰ عنہ يكتب باخبار المشرين الىٰ رسول اللہ

صلى اللہ عليہ و آلہٖ ولسم۔﴿الخ﴾

وكان العباس رضى اللہ تعالىٰ عنہ انصرا الناس

لرسول اللہ صلى اللہ عليہ و آلہٖ ولسم بعد ابی طالب۔

﴿الاستيعاب معہ الاصابہ جلد سوم ص ۹۶﴾

ابو عُمر کہتے ہیں کہ حضرت عباس فتح خیبر سے پہلے

اسلام لائے۔

اور حجّاج بن علاط کی حدیث میں ہے کہ وہ پہلے ہی

مُسلمان تھے اور اُنہوں نے اِسلام کو چُھپا رکھّا

تھا۔جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح

نصیب کی تو انہوں نے اسلام کو فتح مکہ کے دن ظاہر

فرمایا اور آپ غزوہ حنین وطائف اور تبوک میں شامل

تھے اور کہتے ہیں کہ انہوں نے غزوہ بدر سے پہلے

اسلام قبول کیا اور آپ مشرکین مکہ کی خبریں رسول اللہ

صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں لکھ کر بھیجا کرتے

تھے۔

اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت ابو طالب

رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد تمام لوگوں سے زیادہ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مددگار تھے۔

ہم اس روایت کی مزید تشریح نہیں کریں گے اہلِ فکر و

دانش کے لئے یہ روایت اپنے اندر وہ سب کچھ سمیٹے

ہوئے ہے جس سے اوّل اوّل حضرت ابو طالب رضی

اللہ تعالیٰ عنہ کے اخفائے اسلام کا سُراغ ملتا ہے

مقصد کی بات یہاں صرف یہی ہے کہ اگر آیت کا

آخری نصف حصّہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کے لئے مان بھی لیا جائے تو پہلا حصّہ حضرت ابو

طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے ہرگز نہیں ہوسکتا

کیونکہ اس کی کوئی صریح اور واضح دلیل کہیں بھی موجود

نہیں۔

یہ آیت عام لوگوں کیلئے ہے

چھٹی وجہ

تفسیر قطب ظلال وغیرہ میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ آیت کا پہلا نِصف حصّہ عام کفّار و مشرکین کے لئے ہے اور آیت کا آخری نِصف حصّہ عام اہلِ اسلام کے لئے ہے اس میں کسی ایک شخص کی تخصیص نہیں کی جا سکتی اور یہ حقیقت بھی ہے کہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عام طور پر یہ خواہش تھی کہ تمام لوگ اسلام کی دولت سے سرفراز ہو جائیں اور آپ کی شانِ رحمۃ للعٰلمینی تقاضا کیا کرتی تھی کہ ہمارے ہوتے ہوئے کوئی بھی شخص رحمت سے دُور نہ رہے اور جہنّم کا ایندھن نہ بنے اس پر قُرآن مجید کی متعدّد آیات شاہدِ عدل ہیں اور ہر ذی فہم پر یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہے اور پورے قُرآن مجید سے ایک آیت بھی ایسی پیش نہیں کی جا سکتی جس میں یہ الفاظ موجود ہوں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے اَیسا نہ چاہا ہو یا ایسی خواہش کا اظہار کیا ہو کہ فلاں شخص مُسلمان ہو جائے اور فلاں شخص کافر ہی رہے بلکہ اِس کے برعکس سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے اس شوق کا کئی بار اظہار کیا گیا ہے کہ تمام لوگ راہِ ہدایت پر آ جائیں۔

رہا آپ کا شدّت سے کسی شخص کے لئے خواہش کرنا تو یہ الگ بات ہے اس صورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو کبھی

مایوس نہیں فرمایا آپ نے حضرت عمر کو خدا تعالیٰ سے مانگا وہ غلام بے دام بن کر حاضر ہو گئے آپ نے حضرت خالد بن ولید کیلئے خصوصی خواہش فرمائی تھی وہ ریگستانوں اور سنگستانوں کو چیرتے ہوئے آپ کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

اگر آپ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو راہ ہدایت پر نہ سمجھتے ہوتے تو یقیناً آپ کو ان کے ایمان کی شدید خواہش ہوتی اور یہ ناممکن اُمر ہے کہ محبوب کسی چیز کو اصرار کے ساتھ طلب کرے اور مُحب اس کا انکار کر دے۔

ہم دیکھتے ہیں کہ حضور غوثِ اعظم سیدنا عبدالقادر جیلانی تقدیر مُبرم کو بھی ٹال دیا کرتے تھے اور حضرت مجدد الف ثانی ایک نظر سے شقی القسمت کو سعید کر دیا کرتے تھے یہ کیسے ممکن ہے کہ امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ و آلہ وسلم کسی کی تقدیر بدلنا چاہیں اور نہ بدل سکیں تھا کہ آیت کریمہ انک لا تھدی من احببت ولکن اللہ یھدی من یشاء عام ہے۔

اور اس کا اطلاق ہر اس شخص پر ہوتا ہے جو ایمان لے آیا اور جو ایمان نہ لا سکا۔

قیصرِ روم کا قاصد

ساتویں وجہ

کتب تفاسیر میں آیت مبارکہ اِنَّكَ لَا تَهْدِی کے شانِ نزول میں ایک اور وجہ بھی لکھی ہوئی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ آیتِ مبارکہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نہیں۔

اور وہ وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ روم کے بادشاہ کا ایک قاصد سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دربارِ گوہر بار میں حاضر ہوا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اسلام پیش کیا لیکن اس نے عذر پیش کر دیا جس پر آپ نے فرمایا اِنَّكَ لَا تَـهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰـهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاء

روایت ملاحظہ ہو۔

عن سعید بن ابی راشد قال کان رسول قیصر جاء الی کتب معی قیصر الی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کتابا فاتیتہ فدفعت الکتاب۔ فوضعہ فی حجرہ ثم قال عن الرجل؟ قلت من تنوخ قال۔ هل لك فی دین ابیك ابراهیم الحنیفة؟ قلت انی رسول قوم و علیٰ دینهم حتی ارجع الیهم فضحك رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم و نظر الی

صحابہ و قال اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ۔

﴿درِ منثور ج ۳ ص ۲۸۲ ابنِ کثیر ج ۳ ص ۳۹۵﴾

حضرت سعید بن ابی راشد سے روایت ہے کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں قیصرِ روم کا قاصد خط لیکر حاضر ہوا تو آپ نے وہ خط اس سے لیکر پتھروں کے درمیان رکھ دیا اور سوال کیا کہ یہ شخص کس قوم سے تعلق رکھتا ہے کہا گیا کہ قبیلہ تنوخ سے تو آپ نے اُس شخص سے فرمایا کہ کیا تو چاہتا ہے کہ تجھے تیرے باپ ابراہیم کا دین حنیف نہ پیش کیا جائے تو اس نے کہا کہ میں اپنی قوم کا قاصد ہوں جب تک واپس نہ جاؤں دین کو تبدیلی نہیں کرسکتا تو آپ نے تبسم فرما کر ارشاد فرمایا کہ اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ۔

مندرجہ بالا روایت میں زیرِ بحث آیت کریمہ کی تشریح خود صاحبِ قرآن صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمائی ہے جبکہ اس کا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہونا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات عالیہ کی روشنی میں ثابت نہیں۔

اِس صورت میں اعتماد وثوق سے یہ کہہ دینا کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہی نازل ہوئی سراسر زیادتی اور ناانصافی کے مترادف ہے یہاں اس بات کی بھی وضاحت ہو جاتی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ خواہش ضرور ہوتی تھی کہ سبھی لوگ دولت اسلام سے مالا مال ہو جائیں ورنہ قیصرِ روم کے قاصد سے آپ کو کیا دلچسپی ہو سکتی تھی کیا اس آیت مبارکہ کی جو تفسیر خود صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی ہے اس سے بڑھ کر بھی کسی کی تفسیر ہو سکتی ہے۔

روایت مخدوش ہے

آٹھویں وجہ

قارئین کرام کی خدمت میں اس روایت کے مخدوش اور ناقابل اعتبار ہونے کے متعلق متعدد ثبوت پیش کر چکے ہیں اس سے پہلے کہ روایت کے راویوں پر بحث کی جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے اس روایت کی تاریخی حقیقت اور محدثین کی نگاہ میں اس کی کیفیت معلوم کر لی جائے چنانچہ چند شواہد پیش خدمت ہیں۔

ترمذی شریف

ترمذی شریف میں یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سے نقل کی گئی ہے حالانکہ حضرت ابو ہریرہ اس واقعے کے کئی سال بعد اسلام لائے اور کمال یہ ہے کہ وہ مکہ معظمہ کے رہنے والے ہی نہیں اور ان کے سامنے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فوت ہونا محض غلط ہے اور ناممکنات میں سے ہے اس سے پہلے کہ حضرت ابو ہریرہ کے اسلام قبول کرنے کا واقعہ بیان کیا جائے پہلے آپ ترمذی شریف کی روایت ملاحظہ فرمائیں جو انہوں نے زیر آیت اِنَّكَ لَا تَهْدِي کتاب التفسیر میں نقل فرمائی ہے۔

حدثنا بندار حدثنا یحیٰی بن سعید عن یزید بن کیسان قال حدثنا ابو حازم الاشجعی عن ابی هریرة قال قال رسول الله صلی الله علیه وآله وسلم لعمه قل لا اله الا الله اشهد لك بها یوم القیامة قال لوان تعیر فی قریش انما تحمله علیه الجزع لاقررت بها عینك فانزل الله انك لا تهدی من احببت ولکن الله یهدی من یشاء هذا حدیث حسن غریب الا من حدیث یزید بن کیسان۔

﴿ترمذی شریف ابواب تفسیر ج ۲ ص ۱۹۲ و در منثور ج ۵ ص ۱۳۳﴾

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کو فرمایا کہ لَا اِلٰہَ

الا اللہ کہہ دیجئے ہم اس کی قیامت کے دن تمہارے

ہی میں گواہی دیں گے تو انہوں نے کہا کہ مجھے قریش

طعنہ دیں گے کہ آخری وقت پر ڈر کر کلمہ قبول کر لیا ہے

پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہ آیت کریمہ نازل فرمادی

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ

يَّشَاءُ یہ حدیث حسن غریب ہے میں اسے نہیں جانتا

سوائے حدیث یزید بن کیسان کے۔

مذکورہ بالا حدیث کا بخاری کی حدیث سے متضاد ہونا تو آپ سابقہ اوراق میں تضادِ روایات کے سلسلہ میں ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں اس کے راویوں پر بھی آئندہ چل کر بحث ہوگی امام ترمذی کی رائے اس روایت کے بارے میں پڑھ ہی چکے ہیں لہٰذا کسی تبصرہ کی ضرورت نہیں دیکھنا تو صرف یہ ہے کہ اگر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ روایت اس طرح منسوب کی ہوتی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہم نے اپنے چچا ابو طالب کی موت کے وقت ان کو ایسے ایسے کلمہ پڑھ لینے کی ترغیب دی تھی تو کوئی بات بن سکتی تھی اب جبکہ روایت کو اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ حضرت ابو ہریرہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا کو کلمہ پڑھ لینے کا ارشاد فرمایا تو انہوں نے ایسا ایسا جواب دیا تو اس صورت میں صاف طور پر یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس

مجلس میں موجود تھے لیکن حقیقت میں ہرگز ایسا نہیں ہے کیونکہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قطعی طور پر اس محفل میں موجود نہیں تھے بلکہ آپ تو اس شہر کے ہی رہنے والے نہیں ملاحظہ ہو۔

یہ بھی دیکھیں

بخاری مسلم میں آنے والی مشہور روایت کتب تفاسیر وغیرہ میں اگرچہ حضرت مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف منسوب کی گئی ہے لیکن بعض مشہور کتب میں اس روایت کو حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین سے بھی منسوب کیا ہے چنانچہ تفاسیر میں آتا ہے۔

ورواه الامام احمد عن يحيى بن سعيد القطان عن يزيد بن كيسان حدثنا ابو حازم عن ابي هريرة فذكره بنحوه وهكذا قال ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنه و ابن عمر و مجاهد والشعبي وقتادة انها نزلت في ابي طالب حين عرض عليه رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم ان يقول لا اله الا الله فابىٰ عليه ذلك وقال اي ابن اخي ملة الاشياخ وكان آخر ما قاله هو على ملة عبد المطلب۔

(تفسیر درِ منثور ج ۳ ص ۱۸۲)

جیسا کہ ذکر کیا گیا ہے کہ امام احمد یحییٰ بن سعید قطان سے وہ یزید بن کیسان سے وہ ابی حازم سے اور وہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں اسی طرح حضرت ابن عباس ابن عمر مجاہد شعبی اور قتادہ کہتے ہیں کہ یہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں اس وقت نازل ہوئی جب ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کلمہ توحید پیش کیا تو انہوں نے اس کے پڑھنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اے میرے بھائی بیٹے میں ملت اشیاخ پر ہوں اور آخر پر کہا کہ وہ عبدالمطلب کے دین پر تھے۔

تین سال کا راوی

روایت کے نفس مضمون پر تو طویل بحث کی جا چکی ہے راویان حدیث پر بعد میں غور کیا جائے گا حضرت مجاہد شعبی اور قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم تابعی ہیں اور یہ بلا واسطہ روایت نقل نہیں فرماتے بلکہ بالواسطہ روایت بیان فرماتے ہیں یہ کسی بھی صحابی سے روایت بیان کر سکتے ہیں۔ اس لئے ان کا تذکرہ بھی ابھی رہنے دیں۔

حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم کی

بات کرتے ہیں یہ جلیل القدر اور رفیع الشان صحابی رسول ہیں حضرت عبداللہ ابن عباس مفسرِ قرآن ہیں اور بہت بڑی شان کے مالک ہیں حضرت عبداللہ ابن عمر مجتہد فی الدین ہیں آپ کی شان و عظمت کا بھی احاطہ نہیں کیا جا سکتا اگر امام بخاری نے ان کے حق میں یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ وہ بایں ہمہ شان و عظمت یزید جیسے فاسق و فاجر اور ملعون کی بیعت نہ صرف کر چکے تھے بلکہ یزید کو حق پر سمجھتے ہوئے اس کی بیعت پر آخر تک ڈٹے رہے اور یہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے یزید کی بیعت خدا اور رسول کے لیے کی ہے اس لئے ہرگز اسے فسخ نہیں کریں گے۔

بہرکیف! یہ بات تو برسبیلِ تذکرہ نوکِ خامہ پر آ گئی بتانا تو یہ تھا کہ حضرت عبداللہ ابن عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین یہ روایت بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طالب نے وقتِ رحلت کلمۂ توحید پڑھنے سے انکار کر دیا تھا۔

اور یہ روایت انہوں نے بلاواسطہ بیان فرمائی ہے نہ تو انہوں نے یہ بیان فرمایا ہے کہ ہم نے فلاں صحابی سے یہ واقعہ سماعت فرمایا اور نہ ہی فرمایا ہے کہ یہ قصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ اس واقعہ کے عینی شاہد ہیں۔

جیسا کہ آپ حضرت ابو ہریرہ کے متعلق جان چکے ہیں کہ وہ نہ تو مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں اور نہ ہی انہوں نے کہیں باہر سے آ کر ابھی تک

اسلام قبول کیا تھا۔

اسی طرح ان دونوں ذی مرتبت شخصیتوں کے نام اس واقعہ کا انتساب بالکل غلط اور بے بنیاد ثابت ہوتا ہے کیونکہ جس وقت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال مبارک ہوتا ہے اس وقت ان دونوں حضرات کی عمر مبارک بالترتیب تین سال اور سات سال تھی اندریں حالات اس روایت پر کس حد تک اعتبار کیا جا سکتا ہے اس کا فیصلہ قارئین کرام خود کریں گے۔

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ

الاصابہ

فابن عباس کان میلادہ فی شعب ابی طالب حین حصر الرسول بنو ھاشم فیہ فی العام الثالث قبل الھجرۃ۔

﴿الاصابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۲ ص ۳۲۲﴾

پس حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ولادت شعب ابی طالب میں ہوئی جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مع بنو ہاشم کے محصور کیا گیا تھا ہجرت کے سال کے تین سال پہلے۔

دیگر چند کتب میں روایت مذکورہ سے اختلاف بھی کیا گیا ہے لیکن اِس حساب سے بھی حضرت ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عُمر مبارک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر مبارک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت پانچ چھ سال نہیں ہے جبکہ اس حساب سے اس وقت آپ کی عمر تین سال ثابت ہوتی ہے مگر صورت اس چیز کا امکان ہرگز نہیں کہ تین چار سال یا اس سے کم عمر کا بچہ اس قسم کی بات کو ذہن میں رکھ سکے یا اس کی شہادت دے سکے۔

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی عمر انتقال ابو طالب کے وقت کیا تھی اس کی تفصیل آئندہ اوراق میں ملاحظہ فرمائیں۔

کیسے پتہ چلا

نوویں وجہ

روایت مذکورہ جس میں اس آیت کریمہ کا شانِ نزول حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بتایا گیا ہے کہ بیان کرنے والے حضرت مسیب مخزومی ہیں جن لطف کی بات ہے کہ یہ اس وقت جبکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ہوا حالتِ کفر میں تھے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال پُرملال کے کئی سال بعد بیعتِ رضوان کے موقعہ پر مشرف بہ اسلام ہوئے اس کی تفصیل آگے آئے گی آپ ملاحظہ

یہ سمجھ لیں کہ معتبر کتب کے مطابق یہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت سرے سے اس مجلس میں موجود ہی نہیں تھے جس کے ساتھ اس روایت کا شاخسانہ منسوب کیا جاتا ہے اور اگر بفرضِ محال یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ آپ اس مجلس میں موجود تھے تو پھر یہ کیسے تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ ان کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں آنے والی آیت کا بھی پتہ چل گیا ہو گا جبکہ کفّار و مُشرکین مکہ قرآن کے نزول کے اسباب تو کیا سرے سے قُرآن سننا ہی گوارا نہیں کرتے تھے بلکہ جب ان کے سامنے قُرآن پڑھا جاتا تو شور و غوغا برپا کر دیا کرتے تھے جس کے بیشمار شواہد بلکہ قُرآن و حدیث کی متعدد نصوص موجود ہیں اگر آپ اس وقت حالتِ اسلام میں ہوتے تو اس بات کا کچھ نہ کچھ وزن ہو سکتا تھا کہ یہ آیت بھی انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سماعت کی ہو اور اس کی شانِ نزول سے بھی آگاہ ہوں لیکن حالتِ کفر میں تفسیر قرآن کرنا کتنے تعجب کی بات ہے۔

اور نہ صرف آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ بلکہ دوسری آیت مَا كَانَ لِلنَّبِی کے شانِ نزول سے بھی آگاہ ہوں کہ یہ بھی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہی نازل ہوئی ہے۔

کیا اس سے صاف ظاہر نہیں ہوتا کہ یہ روایت ان سے واضح طور پر منسوب کی گئی ہے کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کسی اور شخص نے بھی حالتِ کفر میں قرآنی آیات کے اسبابِ نزول بیان کیے ہوں یہ بالکل منفرد واقعہ ہے اور

قطعی طور پر حقیقت سے بعید ہے اگر یہ واقعہ درست ہوتا تو اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خود بیان فرماتے یا پھر دیگر متعدد صحابہ جو اس وقت بھی حالتِ اسلام میں تھے بیان کرتے جیسا کہ یہ آیت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نزولِ وحی کے وقت اپنے کانوں سے سماعت فرمائی ہے۔

بہر حال قطعی طور پر کھلی ہوئی اور واضح ترین یہ بات ہے کہ حضرت مسیب سے خواہ مخواہ اس واقعہ کو منسوب کیا گیا ہے اور انہوں نے ہرگز یہ روایت بیان نہیں فرمائی حضرت مسیب اور اس آیت کی با حوالہ بحث آئندہ اوراق میں پیش کی جائے جس سے قطعی طور پر ثابت ہو جائے گا کہ ہمارا متذکرہ بالا مؤقف قطعی طور پر درست ہے اور یہ آیت ہرگز ہرگز حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نہیں۔

کئی تفسیریں کئی سوال

دسویں وجہ

مفسرین کرام اس آیت کے بارے میں متعدد قسم کی موشگافیاں فرماتے ہیں مثلاً وہ اسے تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں اور پہلے حصے کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں کہ چونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بے پناہ محبت تھی اس لئے آپ کی زبردست خواہش تھی کہ وہ آپ پر ایمان لے آئیں مگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے

ارشاد فرمایا کہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی محبوب جس سے آپ محبت فرماتے ہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے۔

حالانکہ یہی مفسرین کرام اس کے ساتھ ہی یہ روایت بھی نقل کرتے ہیں کہ یہ آیت ابو جہل اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ دونوں کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

نزلت ھذہ الآیت فی حق ابو جھل و ابو طالب

کشف الاسرار و منثور وغیرھما

انہی میں سے بعض مفسرین نے یہ بھی لکھا ہے کہ یہ آیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان تمام عزیز و اقارب کے حق میں نازل ہوئی ہے جو ایمان کی دولت سے محروم رہے "ضلال القرآن ماجدی وغیرہ ہما"

اس صورت حالات کے پیش نظر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مَنْ اَحْبَبْتَ سے مراد حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وہ مخصوص محبت مراد لی جائے جو آپ کو جناب ابو طالبؑ سے تھی تو اس والہانہ طبعی محبت میں ابو جہل لعین کی محبت کا تصور کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔

اور یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب ابو طالبؑ اور ابو جہل ملعون سے ایک جیسی محبت تھی۔

ہم اس سوال کو خود حل کرنے کی بجائے قارئین پر چھوڑ دیتے ہیں تاکہ آپ اس کا حل بھی تلاش کریں اور یہ بھی تجزیہ فرمائیں کہ ان روایات پر

کس حد تک اعتماد و یقین کیا جا سکتا ہے بلکہ اس کے ساتھ چند مزید سوالات

بھی ہدیہ قارئین ہیں۔

پہلا سوال

کیا کوئی محض لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کر لینے سے مُسلمان ہو سکتا ہے

اگر جواب اثبات میں ہے تو ایسے بے شمار مذاہب جو توحید باری تعالیٰ کے تو

قائل ہیں مگر رسالتِ محمّدیہ علیٰ صاحبہا علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا اقرار نہ کرنے کی

وجہ سے کیوں غیر مُسلم ہیں ؟

دُوسرا سوال

کیا کوئی کسی کے اصرار پر نزع کے وقت لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ کا اقرار کر

لینے سے مسلمان ہو سکتا ہے؟ اگر جواب اثبات میں ہے تو فرعون کیوں

مسلمان نہیں جس نے ڈوبتے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایماء پر نہیں

بلکہ خود پوری رضا و رغبت کے ساتھ کہا تھا۔

اٰمَنْتُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِیْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِیْلَ وَاَنَا

مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ○

﴿سورہ یونس آیت ۹۰﴾

یعنی میں اس ذات پر ایمان لاتا ہوں جس پر

بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور اس کے سوا کوئی

عبادت کے لائق نہیں اور میں مُسلمانوں میں سے

ہوں۔

ان دو بزرگوں کے اقوال ہمارے پیش نظر ہیں جن کا یہ گمان ہے کہ فرعون کے یہ آخری کلمات اس کے مومن ہونے پر حجت ہیں اور اس کی یقیناً نجات ہو گی مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا وہ جمہور اہلِ اسلام کی نظر میں مسلمان ہے؟ اگر ہے تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی تاویل کیا ہو گی۔

آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَ کُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ ○

یعنی جواب دیا گیا کہ اب ایمان لاتا ہے جب کہ پہلے سرکشی کرتا رہا اور فسادیوں میں رہا۔

﴿سورہ یونس آیت ۹۱﴾

تیسرا سوال

اہلِ لغت اور مفسّرین "احبیبت" کے دو معنی مراد لیتے ہیں "شدید محبت" اور "شدید خواہش" آپ ان ہر دو معنوں میں سے کسی ایک کا بھی انتخاب فرما سکتے ہیں اور دونوں کو بھی سامنے رکھ سکتے ہیں مگر جواب درج ذیل حقائق کے پیشِ نظر تلاش کرنا ہو گا۔

﴿۱﴾ اگر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جناب ابو

طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت ہے تو آپ کی اس محبت کے اثرات کیا مرتب ہوں گے ؟

جب کہ آپ کا اپنا ہی ارشاد گرامی ہے کہ ہم اُحد پہاڑ کے ساتھ محبت کرتے ہیں اور یہ ہماری اس محبت کی وجہ سے جنت میں جائے گا۔

﴿۲﴾ نصِ قطعی سے ثابت ہے کہ پتھر جہنم کا ایندھن ہیں اب جب کہ حضور علیہ السلام کا پتھروں سے محبت فرمانا انہیں جہنم کی بجائے جنت میں لے جاسکتا ہے تو پھر آپ کے جاں نثار عمِ محترم جناب ابو طالب سے آپ کی شدید محبت کے اثرات کے برعکس کس طرح ہوں گے؟

﴿۳﴾ اگر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی شدید خواہش یہ ہے کہ جناب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جنت میں جانا چاہیئے تو پھر خداوندِ قدوس کے اس ارشاد کی تاویل کیا ہوگی۔

اطلب رضاك يا محمد

﴿۴﴾ نیز یہ کہ اگر فی الواقع مَنْ اَحْبَبْتَ سے مراد مالک ومختار کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خواہش مُراد ہے تو پھر محض آیت کریمہ انك لا تھدی پر ہی کیوں زور دیا جاتا ہے جب کہ قرآن مجید کے اصول جاننے والوں کے نزدیک متفقہ طور پر یہ آیت متشابہات میں شمار ہوتی ہے اور اس کے برعکس قرآن مجید کی اس آیت کو محکمات میں بیان کیا گیا ہے

اِنَّكَ لَتَهْدِىْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ○

یعنی محبوب آپ ضرور سیدھے راستے کے لئے ہدایت

دیتے ہیں۔

﴿سورۃ شوریٰ آیت ۵۲﴾

﴿۵﴾ مفسرین کرام نے انک لا تھدی کے تحت یقیناً اس امر کی وضاحت کی ہے کہ اس سے مراد حقیقی ہدایت ہے جو صرف اللہ تبارک وتعالیٰ ہی دے سکتے ہیں تو پھر اس کا واضح طور پر یہ مطلب کیوں نہیں لیا جاتا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ محبوب ابو طالب کو آپ ہدایت نہیں دی بلکہ ہم نے دی ہے۔

﴿۶﴾ اگر یہ آیت فی الواقع حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی ہو اور لا تھدی سے مراد حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مجازاً ہدایت عطا فرمانا متصور ہو تو پھر وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ کا یہی مطلب بن سکتا ہے کہ پہلے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حقیقی ہدایت کی نفی فرمائی اور پھر اپنی حقیقی ہدایت کا اثبات فرمایا چنانچہ قرآن مجید میں اس کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔

چوتھا سوال

ان حقائق کے منکشف کرنے کے بعد اب ضروری ہے کہ قارئین اس آیت کریمہ کے سیاق وسباق پر بھی ایک نظر ڈال لیں آیت کریمہ اِنَّكَ

لَا تَهْدِیْ اِلٰی آخر الآیۃ سے پہلے کی چار آیات یہ ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ یُؤْمِنُوْنَ ○
وَاِذَا یُتْلٰی عَلَیْهِمْ قَالُوْۤا اٰمَنَّا بِهٖۤ اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّنَاۤ اِنَّا
كُنَّا مِنْ قَبْلِهٖ مُسْلِمِیْنَ ○
اُولٰٓىٕكَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَ یَدْرَءُوْنَ
بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ یُنْفِقُوْنَ ○
وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَ قَالُوْا لَنَاۤ اَعْمَالُنَا وَ
لَكُمْ اَعْمَالُكُمْ٘ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ٘ لَا نَبْتَغِی الْجٰهِلِیْنَ ○

ترجمہ!

یعنی جن کو ہم نے اس سے پہلے کتاب دی وہ اس پر
بھی ایمان لاتے ہیں اور جب ان پر آیتیں پڑھی
جاتی ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے بے
شک یہی حق ہے ہمارے رَبّ کے پاس سے ہم اس
سے پہلے ہی گردن رکھ چکے ہیں ان کو ان کا اجر دو بالا
دیا جائے گا ان کے صبر کے بدلہ میں وہ بھلائی سے
برائی کو ٹالتے ہیں اور ہمارے دیئے سے کچھ ہماری راہ
میں خرچ کرتے ہیں اور جب بے ہودہ بات سنتے ہیں
اس سے تغافل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ہمارے لئے

ہمارے عمل اور تمہارے لئے تمہارے عمل بس تم پر

سلام ہمیں جاہلوں سے غرض نہیں۔

﴿ترجمہ کنزالایمان﴾

یہ چاروں آیات بینات واضح طور پر ان اہل کتاب کے حق میں ہیں

جو لوگ دین اسلام کو اپنی کتابوں کے مطابق سمجھتے ہوئے حضور رسالت مآب

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت پر ایمان لے آئے اور عرض کیا کہ ہم تو پہلے

بھی انہیں احکام کے پابند ہیں جن کا ارشاد آپ نے ہمیں فرمایا ہے چنانچہ

اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں اس سعادت کا دوہرا اجر دینے کا وعدہ فرمایا۔

ان آیات کے بعد آیت کریمہ "اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ"

سمیت تین آیات اس طرح مذکور ہیں۔

اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ

وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ ۝

وَقَالُوْٓا اِنْ نَّتَّبِعِ الْهُدٰى مَعَكَ نُتَخَطَّفْ مِنْ اَرْضِنَا ؕ

اَوَلَمْ نُمَكِّنْ لَّهُمْ حَرَمًا اٰمِنًا يُّجْبٰٓى اِلَيْهِ ثَمَرٰتُ كُلِّ

شَيْءٍ رِّزْقًا مِّنْ لَّدُنَّا وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝

﴿القصص آیت ۵۵ تا ۵۷﴾

ترجمہ کنزالایمان

بیشک یہ نہیں کہ تم جسے چاہو اپنی طرف سے ہدایت کر

دوہاں اللہ ہدایت فرماتا ہے جسے چاہے اور وہ ہدایت
والوں کو خوب جانتا ہے اور کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے
ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو لوگ ہمارے ملک
سے ہمیں اُچک لے جائیں گے کیا ہم نے انہیں جگہ
نہ دی امان والی حرم میں جس کی طرف ہر چیز کے پھل
لائے جاتے ہیں ہمارے پاس کی روزی لیکن ان میں
اکثر کو علم نہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ ہر سہ آیات اہل کتاب اسلام قبول کرنے والوں کے حق میں تو ہرگز نہیں ہوسکتیں اور ظاہر ہے کہ یہ ان مُشرکین مکہ کے حق میں ہیں جنہیں اسلام قبول کرنے والے اہل کتاب نے فرمایا کہ تمہارے عمل تمہارے ساتھ اور ہمارے ساتھ ہیں لہذا تم سے کوئی غرض نہیں۔

دوسری صورت میں یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ پہلا مضمون ختم کرنے کے بعد اللہ تبارک وتعالیٰ نے اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ سے نئے مضمون کا اجرا فرمایا ہے اس صورت میں قارئین کو زیر بحث آیت کریمہ کے ساتھ منقولا بالا بعد کی دو آیات ملا کر مقصد حاصل کرنا ہوگا چنانچہ ہم پوچھتے ہیں کہ اپنے سیاق کے لحاظ سے آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ الخ کو کس طرح حضرت ابو طالبؑ کے حق میں ثابت کیا جا سکتا ہے جبکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے کہ محبوب آپ اپنی طرف سے کسی کو ہدایت نہیں دے سکتے ہاں اللہ

ہی جسے چاہے ہدایت فرماتا ہے اور وہ ہدایت والوں کو خوب جانتا ہے اور یہ کہتے ہیں کہ اگر ہم تمہارے ساتھ ہدایت کی پیروی کریں تو لوگ ہمیں ہمارے ملک سے اُٹھا لے جائیں گے اس ارشادِ خداوندی کو پیش نظر رکھتے ہوئے اب ان حالات کا تجزیہ فرمائیں تو ہوسکتا ہے صحیح حالات آپکے سامنے آ جائیں۔

اول یہ امر تو قطعی طور پر ثابت کیا جاچکا ہے کہ جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام پر پروانہ وار جان چھڑکتے تھے اور تلوار لے کر کفّار و مشرکین کے سروں پر مسلّط ہو جاتے تھے اور آپ کے واضح طور پر حضور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خدمتِ اقدس میں عرض کر رکھا تھا کہ آپ اعلانیہ طور پر تبلیغِ اسلام کا فریضہ سرانجام دیں جب تک میں مٹی میں دفن نہ کر دیا جاؤں آپ تک کسی ظالم کا ہاتھ نہیں پہنچ سکتا اس صورت میں یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ میں اس لئے اسلام قبول نہیں کرسکتا کہ لوگ مجھے عرب سے اُٹھا کر لے جائیں گے۔

دوم وہ روایات جن میں بتایا جاتا ہے کہ یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقتِ اِحتضار تھا اس آیت کریمہ کے پیشِ نظر کس طرح درست قرار پاسکتی ہیں اور اس تعارض کو کیسے دور کیا جاسکتا ہے کیونکہ اللہ تبارک وتعالیٰ تو یہ ارشاد فرمائیں کہ یہ لوگ

ہدایت یافتہ لوگوں میں شامل ہونے سے گریز کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگر ہم نے ہدایت کا راستہ قبول کر لیا تو لوگ ہمیں اٹھا کر دوسرے ملک میں لے جائیں گے اور روایت میں یہ بیان کیا جائے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت زندگی کی سرحدوں سے گزر کر موت کی وادی میں داخل ہونے والے تھے قارئین اندازہ فرمائیں کہ بستر مرگ پر پڑا ہوا کوئی شخص یہ اعلان کر سکتا ہے کہ اگر میں نے ہدایت کی پیروی کی تو لوگ مجھے دوسرے ملک کو اٹھا کر لے جائیں گے جبکہ اس کے ساتھ ہی اللہ تبارک وتعالیٰ کا یہ ارشاد بھی موجود ہو کہ ہم نے ان کے رہنے کے لئے امن کی جگہ دی ہے اور ان کے پاس ہر قسم کے پھل کھنچے آ رہے ہیں۔

پانچواں سوال

اگر آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۔ کا مطلب یہی ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہادی ہونے کی نفی فرما کر ہدایت دینے کو اپنی ذاتِ اقدس سے مخصوص ومختص فرما لیا ہے تو مندرجہ ذیل چند آیاتِ مقدسہ کے مطالب ومعانی تلاش کرنے کی کوشش فرمائیں بہت ممکن ہے کہ غور وتدبر کر لینے کی صورت میں آپ پر حقیقتِ حال واضح ہو جائے کیونکہ ان آیات میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے لئے وہی صیغہ استعمال فرمایا ہے جو آیت

کریمہ "اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ" میں مذکور ہوا ہے اور نفی کے بعد اثبات کرتا ہے یعنی ولکن اللہ اس ضمن میں ایک ایسی آیت ملاحظہ فرمائیں جس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے نہ صرف یہ کہ کسی دوسرے کے فعل کی نفی کر کے اپنے فعل کا اثبات کیا ہے بلکہ نفی اور اثبات کے ہردو صیغے اپنی ہی ذاتِ اقدس وارفع کے لئے استعمال فرمائے ہیں آیت کریمہ ہے۔

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ۔

ترجمہ: اللہ کی شان کے لائق نہیں کہ تمہیں غیب پر مطلع فرمائے مگر وہ چن لیتا ہے اپنے رسولوں سے جسے چاہے۔

﴿آل عمران آیت ۱۷۹﴾

مذکورہ بالا آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ جل مجدہٗ الکریم نے واضح طور پر ایک کام کو پہلے تو اپنی شان کے منافی بیان فرمایا ہے اور پھر اسے مخصوص صورت میں ولٰکِنَّ اللّٰہ کے صیغہ سے ہی اپنی ذات سے صادر ہونے کا اثبات فرمادیا ہے۔

اب آپ ایک ایسی آیت کریمہ ملاحظہ فرمائیں جس کے بعد مزید کسی بھی دلیل کی ضرورت باقی نہ رہے گی قارئین کرام اچھی طرح جانتے ہیں کہ کفر واسلام کا باقاعدہ طور پر ٹکراؤ پہلی بار مقام بدر پر ہوا اور یہی وہ جنگ

ہے جس میں مجاہدین اسلام سے وہ عظیم کارنامہ ظہور پذیر ہوا جس نے تاریخ اسلام کی پیشانی کو آفتابِ نصف النہار سے بھی زیادہ تابندہ و درخشاں کر دیا۔

اندریں حالات کیا آپ گمان کر سکتے ہیں کہ مسلمانوں نے اس جنگ میں ایک بھی کافر کو قتل نہیں کیا یقیناً آپ ایسا گمان نہیں کر سکتے اس لئے کہ یہ جنگ ہماری آبرومندانہ تاریخ کا انتہائی روشن باب ہے اس امر کو ذہن میں رکھتے ہوئے ارشادِ خداوندی ملاحظہ فرمائیں اللہ تبارک وتعالیٰ ان مجاہدین اسلام کو جنہوں نے جنگ بدر میں اپنی خداداد قوت سے کفر کی شہ رگ کاٹ کر رکھ دی تھی ارشاد فرماتا ہے کہ کفّار و مشرکین کو تم نے قتل نہیں کیا بلکہ ان کو اللہ نے قتل کیا ہے اور یہاں پر خداوند قدوس نے ولکن اللہ کا ہی صیغہ استعمال فرمایا ہے ملاحظہ ہو۔

فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ

ترجمہ! تو تم نے انہیں تو قتل نہ کیا بلکہ اللہ نے انہیں قتل کیا۔

﴿سورۃ الانفال آیت ۱۷﴾

حرفِ آخر

اس آیت کریمہ پر اچھی طرح غور فرماتے ہوئے حرفِ آخر کے طور پر اسی صیغہ کے تحت منقولا بالا آیت کا دوسرا ٹکڑا ملاحظہ فرمائیں۔

حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب کفار ومشرکین کی طرف مٹی کی مٹھی پھینکی تو اللہ تبارک وتعالٰی نے پہلے تو ان کے اس فعل کی ان کی ذات سے نفی فرمائی پھر اثبات فرمایا اور پھر مکمل طور پر نفی فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ یہ کام آپ نے نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا ہے اور یہاں بھی وہی صیغہ استعمال فرمایا جو اثبات کے طور پر آیت کریمہ اِنَّکَ لَا تَھْدِیْ میں بیان فرمایا ہے یعنی وَلٰکِنَّ اللّٰہَ ملاحظہ ہو۔

وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی

اور اے محبوب وہ مٹی جو تم نے پھینکی تم نے نہ پھینکی تھی بلکہ اللہ نے پھینکی۔

﴿سورۃ الانفال آیت ۱۶﴾

کیا فرماتے ہیں صاحبانِ عقل ودانش اور اصحاب تاویل کہ کیا وہ مٹی حضور نے نہیں پھینکی تھی جب کہ اللہ تعالٰی خود ارشاد فرماتے ہیں کہ

"اے محبوب وہ مٹی جو آپ نے پھینکی" اور اگر یہ درست ہے کہ وہ مٹی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ہی پھینکی تھی تو وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی کو وَلٰکِنَّ اللّٰہَ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ کے قریب لے آئیں۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر آپ خلوص نیت سے سمجھنے کی کوشش کریں گے تو حقیقت از خود بے نقاب ہو جائے گی۔

چھٹا سوال

اگر بالفرض آیت کریمہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہی نازل ہوئی ہے تو اس سے یہ کیسے ثابت ہو گیا کہ انہیں ہدایت حاصل نہیں ہوئی۔

بلکہ اس میں تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عادت کریمہ کے مطابق صاف طور پر وضاحت فرما رکھی ہے کہ محبوب ان کو ہدایت آپ نے نہیں دی بلکہ میں نے دی ہے اور اس اثبات حقیقی پر قرآن مجید کی سینکڑوں آیات شاہد عدل ہیں اب آپ ساتواں اور آخری سوال ملاحظہ فرمائیں اور ان ہفت سوالات کے جوابات کی جستجو میں آپ کو کوئی ادھر نہیں جانا پڑے گا بلکہ اپنے مقام پر ہی رہتے ہوئے انصاف وضمیر کو صدا دینا ہو گی۔

ساتواں سوال

یہ سوال ہم قبل ازیں بھی متعدد مقامات پر دہرا چکے ہیں تاہم مضمون کی مناسبت کے علاوہ قارئین کے دل میں یہ بات اتار دینے کے لئے کہ زور اعادہ کرتے ہیں کہ کیا آپ اس امر پر غور وفکر کیا ہے کہ معیار ایمان صرف اور صرف محبت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے اس مقام پر آپ کی یاد دہانی کے لئے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک ارشاد دوبارہ نقل کیا جاتا ہے ملاحظہ

لا یو من احد کم حتی اکون احب الیہ من والدہ و

ولدہ و الناس اجمعین۔

﴿بخاری ترمذی مشکوۃ متفق علیہ﴾

اب براہ کرام اس معیار ایمان پر چند لمحوں کے لئے اپنی اپنی ذات

کو جانچنے کی کوشش فرمائیں اگر قلب صادق اور ضمیر زندہ ہے تو پھر آپ پر

اپنے ایمان کی حقیقت پوشیدہ نہیں رہے گی اور جب آپ اس معیار پر اپنے

اپنے معیار کی جانچ پڑتال کر چکیں تو پھر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو

بھی اسی معیار پر لے آئیں اور اس صحیح روایت کو بھی سامنے رکھیں۔

وکان ابو طالب لا مال و کان یحبہ حبا شدیدا

لایحبہ ولدہ و کان لاینام الا الی جنبہ ویخرج

فیخرج معہ۔

﴿الاصابہ طبقات ابن سعد روض الانف خصائص

کبریٰ زرقانی علی المواہب متفق علیہ﴾

یعنی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس اگرچہ کوئی دنیاوی

مال و متاع نہیں تھا مگر ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آغوش میں لئے

بغیر نہ سوتے تھے اور جب آپ باہر نکلتے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آپ کے ساتھ ہوتے۔

جناب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کے ساتھ اِس والہانہ محبّت کے ساتھ ساتھ اس خدمت گزاری اور معیّت کا بھی تصوّر کرلیں جو جناب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ساتھ حاصل تھی۔

اگر مذکورہ بالا تمام صورتیں آپ کے سامنے آچکی ہیں تو اَب آپ بغیر کسی اضطراب کے جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے ساتھ اپنے ایمان کا موازنہ کرڈالیں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے الطاف والتفاتِ خسروانہ کے آپ سے کہیں زیادہ حق دار جناب ابو طالب ابن عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں۔

علاوہ ازیں! اگر آپ یہ بھی فرض کرلیں کہ انہوں نے کلمہ نہیں پڑھا تو پھر بھی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مقامِ محبّت و معیّت تک ہم جیسوں کو کب رسائی حاصل ہے۔

ترجمانِ اہلسنّت علّامہ اقبال علیہ الرحمۃ شاید ایسے ہی کسی مقام کے لئے ارشاد فرماتے ہیں!

زُباں سے کہہ بھی دیا لَاۤ اِلٰہ تو کیا حاصل
دِل و نگاہ مُسلمان نہیں تو کچھ بھی نہیں

ہم اہلِ دل اور اہلِ وجدان حضرات کی خدمت میں اِلتماس کریں گے کہ روایات کی اُلجھنیں ختم کرنے کے سلسلہ میں خود بھی پیش رفت کریں عقل کے ساتھ عشقِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بھی رہبر بنائے رکھیں اور

صرف اس آواز پر لبیک کہیں جو آپ کے زندہ ضمیروں سے اُٹھ رہی ہو۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ اگر آپ پر یہ راز منکشف ہو جائے کہ قرآن و حدیث کے مطابق رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے محبّت کا صلہ کیا ہے تو آپ کبھی جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بدگمانی کا اظہار نہیں کر سکیں گے۔

حضور تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخلوق کے ہی نہیں خالق کے بھی محبوب ہیں محبّت کا ایک اقتضاء یہ بھی ہے کہ محب اپنے محبوب کی ہر ادا کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھتے ہوئے ان لوگوں سے بھی محبت کرے جن کو اس کے محبوب سے محبت ہے اور ان لوگوں سے بھی محبت کرے جن کے ساتھ اس کا محبوب محبّت کرتا ہو جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو یہ دونوں نعمتیں بروقت میسّر تھیں وہ بھی خدا کے محبوب سے محبّت کرتے تھے اور خدا کا محبوب بھی ان کے ساتھ محبّت کرتا ہے۔

اگر قارئین یہ سات سوال حل کرلیں تو یقیناً کے سامنے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق صحیح صورت حال آ سکتی ہے۔

حضرت زجاج کا قول

شاید کسی کے ذوق کو آیا نہ ہو یقیں

آؤ ذرا یہ آخری تحریر دیکھ لیں

زیر آیت انک لا تھدی تقریباً تمام مفسرین کرام یہ قول نقل کرتے ہیں کہ!

﴿۱﴾ قال زجاج اجمع المسلمون هذه الآية نزلت

فی حق ابی طالب ﴿قرطبی غیرہ﴾

﴿۲﴾ قال زجاج اجمع المفسرون هذه الآية نزلت

فی حق ابی طالب۔

یعنی حضرت زجاج نے فرمایا ہے کہ!

مسلمانوں کا اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہے۔

مفسرین کا اس پر اجماع ہے کہ یہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہے۔

بظاہر ان دونوں فقروں کا مفہوم ایک جیسا معلوم ہوتا ہے لیکن تھوڑا سا غور کیا جائے تو ان میں ایک خاص اور غیر معمولی فرق کی وضاحت ہو جاتی ہے یعنی ایک قول مسلمانوں کا ایک اور دوسرے میں مفسرین کا اجماع بتایا گیا ہے۔

مُسلمانوں کا اِجماع

اگرچہ ہر دو اقوال ہی اپنے اپنے مقام پر محلِ نظر ہیں لیکن پہلا قول کہ مُسلمانوں کا اس پر اجماع ہے بالکل لا یعنی اور بے بُنیاد ہے۔

کیونکہ پورے ذخیرۂ کُتبِ اِسلامیہ میں اس بات کا معمولی سا سُراغ بھی کہیں نہیں ملتا کہ مُسلمانوں نے کسی بھی دَور میں اس بات پر اجماع کیا ہو کہ یہ آیت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہٗ کے حق میں ہے۔

بلکہ اس کے برعکس اَیسے بیشمار شواہد موجود ہیں کہ اس مسئلہ میں شروع ہی سے اِختلاف ہو یا نہ ہو دیکھنا تو یہ ہے کہ یہ اجماع کب ہوا کس زمانے میں ہوا اور کِس نے کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ سوال ہمیشہ تشنۂ جواب ہی رہے گا کیونکہ!

ہم حضرت زجاج کے تبحّرِ علمی اور علوم تفسیر پر دسترس کے صدقِ دل اور خلوصِ نیّت سے مُعترف ہیں اس کے باوجود بھی ان کے ہر قوَل کو حُجّت تسلیم کرنے سے قاصر ہیں اس لئے کہ قُرآن وحدیث کے علاوہ کسی کا قول بھی حُجّت نہیں لیکن وہ جو قُرآن وحدیث سے معارض نہ ہو یا وہ جس کی اصل کتاب وسنّت میں موجود ہو۔

حضرت زجاج تابعین کو ملنے والے اور ان سے علوم حاصل کرنے والے ہیں مگر تمام گروہ صحابہ وتابعین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سوائے

حضرت زجاج کے کسی ایک کا قول بھی تو ایسا موجود نہیں جس میں یہ بیان اس پر اجماع ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہے

مُفسّرین کا اجماع

دوسرا قول زجاج کا یہ بتایا جاتا ہے کہ مفسّرین کا اِس پر اجماع ہے کہ "یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں ہے" البتہ یہ قول پہلے قول سے نسبتاً وزنی معلوم ہوتا ہے اگرچہ یہ بھی خاص طور پر محلِّ نظر ہو۔

اس میں صرف اس حد تک صحت وصداقت ہے کہ بعض مُفسّرین نے ایسا ضرور بیان کیا ہے جیسا کہ حضرت عبداللہ ابنِ عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا حوالہ ہم سابقہ اوراق میں پیش کر چکے ہیں۔

لیکن یہ درست نہیں کہ اس دَور کے مفسّرین نے اس بات پر اجماع کیا ہو۔

کیونکہ اس وقت کے جید مفسّرین کرام میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اور حضرت عبداللہ ابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسمائے گرامی پیش پیش ہیں اور وہ برگزیدہ لوگ ہیں جن کا اجتہاد بھی مسلم ہے اور قُرآن مجید کے علوم ظاہر و باطن سے واقفیت بھی تسلیم شدہ ہے۔

لیکن ان ہر دو حضرات کا ہمیں کوئی ایسا قول کہیں بھی نہیں ملتا چنانچہ

اس بات پر تو ہرگز اعتبار و یقین نہیں کیا جا سکتا کہ تمام مفسّرین کا اس پر اجماع ہوگا۔

اَب یہاں صرف یہی سوچا جا سکتا ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عباس حضرت ابو ہریرہ اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کے اقوال کے پیش نظر حضرت زجاج نے خیال فرما لیا ہو کہ مفسّرین کا اس پر اجماع ہے۔

اور ان ہر سہ حضرات سے متعلق ہم سابقہ اوراق بتا ہی چکے ہیں کہ یہ لوگ اس آیتِ کریمہ کے نازل ہونے اور حضرت ابو طالبؑ کی وفات کے وقت کہاں کہاں تھے یعنی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہاں موجود ہی نہیں تھے اور حضرت عبداللہ ابنِ عباس اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم اجمعین کی عمر مبارک اس وقت بالترتیب تین سال اور سات سال تھی اگر اس بارے میں یہ حضرات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے کسی ارشاد کے پیشِ نظر ایسا فرما دیتے تو مجالِ انکار ہی نہیں تھی لیکن اس صورت میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ ان عظیم ہستیوں نے ایسا ارشاد فرمایا ہوگا جس کی اصل ہی ارشادات رسول کریم علیہ تحیۃ والتسلیم میں موجود نہ ہو۔

اہلِ بیت کا اجماع

احادیث میں آتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد

فرمایا کہ میں تمہارے درمیان قرآن اور اہلِ بیت دو ایسی چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کہ اگر تم ان کو مضبوطی سے تھامے ہو گے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے اور یہ دونوں ایک دوسرے علیحدہ بھی نہیں ہوں گی ملاحظہ فرمائیں۔

ترمذی شریف مشکوٰۃ شریف

عن زید بن ارقم قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم انی تارك فیكم الثقلین ما ان تمسكتم به لن تضلوا بعدی احدهما اعظم من الآخر كتاب اللّٰہ حبل ممدود من السماء الی الارض و عترتی اهل بیتی ولن یتفرقا حتی یردا علی الحوض فانظروا كیف تخلفونی فیهما۔

﴿مشکوٰۃ شریف ص ۵۷۱﴾

حضرت زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ میں تمہارے درمیان دو چیزیں چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم ان سے تمسک کرتے رہے یعنی مضبوطی سے پکڑے رہے تو کبھی گمراہ نہیں ہو گے ایک قرآن ہے جو ایک رسی کی طرح آسمان سے زمین تک پھیلایا گیا ہے اور دوسری میری عترت و اہل بیت ہے خدا کی کتاب اور میری اہلبیت

ایک دُوسرے سے کبھی جدا نہیں ہوں گے یہاں تک

کہ حوض کوثر پر اکٹھے آئیں گے پس دیکھا جائے گا کہ

تُم میرے بعد ان سے کیا سلوک کرتے ہو۔

اس حدیث مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی روشنی میں صاف طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ قرآن اور اہلِ بیت کبھی علیٰحدہ نہیں ہوں گے لہٰذا معلوم ہوتا ہے کہ اہلِ بیت مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم سے بڑھ کر تفسیر قرآن کوئی نہیں کر سکتا اور اہلِ بیت کا اجماع ہے کہ آیت مبارکہ انك لا تھدی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل نہیں ہوئی کیونکہ وہ دُنیا سے ایمان کے ساتھ گئے ہیں۔

اندریں حالات کس طرح گمان کیا جا سکتا ہے کہ اہلِ بیت کے اِجماع کو توڑ کر جملہ اہلِ اسلام نے اس کے برعکس کوئی اجماع کر لیا ہوگا اور وہ اجماع ہوا کس طرح ہوگا جس میں اہلِ بیت ہی شامل نہ ہوں اور اگر ایسے کسی اجماع کی نشاندہی ہو بھی جاتی تو اس کی شرعی حیثیت کیا ہو سکتی تھی لیکن اصل بات تو یہ ہے کہ ایسا کوئی اجماع کتب اسلامیہ میں ہرگز ہرگز ثابت نہیں اب آپ ایک ایسی روایت ملاحظہ فرمائیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اہلِ بیت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا انتقال ایمان کے ساتھ ہوا ہے ہم جس کتاب سے حوالہ پیش کرنے والے ہیں اس کے متعلق قطب الاقطاب، آفتابِ ولایت شیرِ ربانی حضرت میاں شیر محمد

صاحب قدس سرہ العزیز شرقپوری اپنے ایک مطبوعہ مخطوطہ میں ارشاد فرماتے ہیں کہ ایمان وایقان کی جلا وبقا کے لئے اس کتاب کا مطالعہ از حد ضروری ہے یہ مطبوعہ مکتوب شریف فاضل جلیل حضرت علامہ اقبال احمد فاروقی دامت برکاتہم العالیہ مالک مکتبہ نبویہ داتا گنج بخش روڈ لاہور کے پاس موجود ہے اور انہوں نے ہی مجھ سے اسکا تذکرہ فرمایا تھا۔

اسی کتاب کے بیشتر حوالہ جات سے سید المحققین سرتاج المحدثین حضرت علامہ الشاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنی تصنیف لطیف مدارج النبوت شریف کو مزین فرمایا ہے چنانچہ وہ جگہ جگہ فرماتے ہیں کہ در معارج آمدہ نیز آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اہلِ بیت کا یہی خیال ہے کہ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان سے گئے ہیں۔

﴿مدارج النبوت ج ۲ ص ۵۳۶﴾

معارج النبوت

از اہل بیت ایشاں کہ اتفاق دارند برآنکہ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ با یمان رفتہ۔

﴿معارج النبوۃ رکن دوم ص ۶۹﴾

اہلبیت سے ہے کہ ان تمام کا اس پر اتفاق اور اجماع ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایمان

کے ساتھ انتقال فرمایا ہے۔

اگرچہ آیت مبارکہ اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ کا حضرت ابو طالب کے حق میں نہ ہونا کئی اور طریقوں سے بھی ثابت کیا جا سکتا ہے تاہم اب تک جو کچھ پیش کیا جا چکا ہے بھی کیا کم ہے بہرحال آئندہ کسی مقام پر کئی مزید شواہد بھی پیش کیئے جائیں گے حقیقت تو یہ ہے کہ اہلِ بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا ان کے ایمان کے بارے میں اتفاق ثابت ہو جانے کے بعد مزید کسی دُوسری دلیل کی احتیاج ہی باقی محسوس نہیں ہوتی۔

تاہم چند مزید دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

یہ روایت محدّثین کی نظر میں

اب جبکہ ہر پہلو سے زیرِ بحث روایت کا جائزہ لیا جا چکا ہے تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس کے متعلق آخری فریضہ بھی ادا کر دیا جائے یعنی یہ بتا دیا جائے کہ محدّثین کرام رحمہم اللہ تعالٰی کا اس روایت کے بارے میں کیا خیال ہے اور وہ کس حد تک اس کی صحت وصداقت پر یقین رکھتے ہیں تا کہ ہمارے پیش کردہ مضامین پر نقد وجرح کے دروازے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائیں۔

چنانچہ اس روایت پر شارحین حدیث کی پوری جرح ہدیۂ قارئین

ہے۔

شرح مُسلم شریف ﴿نووی﴾

حضرت امام نووی رحمۃ اللہ علیہ مُسلم شریف کے حاشیہ پر اس روایت کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں۔

لم یرو عن المسیب الا ابنہ

﴿حاشیہ مُسلم شریف جلد اول ص ۲۰۸﴾

میسّب سے اُس کے بیٹے کے سوا اس روایت کو کسی نے بیان نہیں کیا۔

کرمانی شرح بخاری

قال النووی لم یرد عن المسیب الا ابنہ فیہ رد علی الحاکم ابی عبد اللہ قال ان البخاری لم یخرج عن احد ممن لم یرو عنہ الا واحد ولعلہ اراد من غیر الصحابی۔

﴿کرمانی شرح بخاری جلد ہفتم ص ۱۴۲﴾

نووی نے کہا ہے میسّب سے صرف ان کے بیٹے نے روایت کیا ہے تو اس بات سے حاکم ابو عبد اللہ کی بات کی تردید ہو گئی کیونکہ بُخاری نے اس ایک شخص سے اس کی تخریج کی ہے جس کے صرف ایک ہی روایت

ملتی ہے اور وہ بھی شاید صحابی نہیں ہے۔

قولہ سعید بن مسیب قبل هذا الاسناد لیس علی

شرط البخاری الظاہر و عن المسیب الا ابنه ومر

تحقیقه زیر آیت انك لا تهدی الآیه۔

﴿کرمانی شرح بخاری ۱۸۔۳۷﴾

سعید ابن مسیّب کے قول کے سلسلہ میں کہا گیا ہے یہ

اسناد بخاری کے شروط کے مطابق نہیں ہیں کیونکہ

مسیّب سے صرف اس کے بیٹے نے روایت کی ہے

اور اس کی تحقیق آیت انك لا تهدی آیت میں گذر

چکی ہے۔

امام ابن حجر عسقلانیؒ نے امام کرمانیؒ امام نوویؒ وغیرہما کی اس جرح

کا اپنی تصنیف فتح الباری شرح بخاری میں جواب دینے کی ناکام کوشش کی

ہے جس کا جواب الجواب صاحب عمدۃ القاری عینی شرح بخاری امام بدر

الدین عینی نے نہایت شاندار اور مدلل طریقے سے پیش کر دیا ہے چنانچہ ہر دو

حضرات کے دلائل ملاحظہ ہوں۔

فتح الباری شرح بخاری

قولہ جاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم فوجد

عندہ اباجهل وعبد اللہ بن امیه یحتمل ان یکون

المسیب حضر هذہ القصة فان المذ کورین من بنی مخزوم و هو من بنی مخزوم ایضاً و کان الثلاثة یومئذٍ کفارا۔ فمات ابو جهل علیٰ کفرہ و اسلم الآخرین و اما قول بعض اشراء هذ الحدیث من مراسیل اصحابة فمر دود لانه استدل بان المسیب علی قول العسکری ممن بایع تحت الشجرة قال فایا ما کان لم یشهد وفاة ابی طالب لانه توفی هوو خدیجة فی ایام متقاربة فی عام واحد النبی صلی الله علیه وآله وسلم یومئذٍ نحوالخمسین انتهیٰ۔

ووجه الرد انه لایلزم من کون المسیب تاخر اسلامه ان لا یشهد وفاة ابی طالب کما شهد واعبد الله بن امیه وهو یومئذ کافر ثم اسلم بعد ذالك و عجب من هذ القائل کیف یعیر و کون المسیب کان و من بایع تحت الشجرة الی العسکری۔

﴿فتح الباری شرح بخاری جلد ۸ ص ۲۴۲﴾

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے وہاں ابو جہل اور عبد اللہ موجود تھے اس لئے ہوسکتا ہے کہ میسب بھی اس موقعہ موجود ہوں کیونکہ مذکورہ دو اشخاص بنی مخزوم سے تھے اور میسب بھی مخزومی تھے اور

یہ تینوں اُن دنوں میں کافر تھے اور ابو جہل کفر پر مرا اور مؤخر الذکر دونوں اسلام لائے اب اس حدیث کے بعض شارحین کا یہ کہنا کہ یہ اصل صحابہ سے ہے مردود ہے کیونکہ ان کی دلیل یہ ہے کہ میتب فتح کے زمانہ میں اسلام لائے اور الشجرہ کے نیچے بیعت کی اور کسی صورت میں ابی طالب کی وفات کے وقت حاضر نہ ہوئے کیونکہ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خدیجہ ایک ہی سال ایامِ متقاربہ میں فوت ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عُمر مبارک اُسوقت پچاس سال تھی۔

اور اس تردید کا باعث یہ ہے کہ میتب کے تاخرِ اسلام سے تو یہ لازم نہیں آتا کہ وہ وفات ابی طالب کے موقعہ پر موجود نہ تھے جیسا کہ عبداللہ بن اُمیہ موجود تھے اور وہ اس وقت کافر تھے اور بعد میں اِسلام لائے تعجب ہے کہ اس امر کا قائل اس امر کو کیسے رد کر سکتا ہے کہ میتب نے الشجرہ کے نیچے بیعت کی تھی

﴿العسکری﴾

عمدۃ القاری شرح بخاری

بدرالدین عینی

قال الکرمانی قیل هذا الاسناد لیس علی شرط البخاری اذ لم یرو عن المسیب الا ابنه وقال صاحب التلویح و تبعه صاحب التوضیح هذ الحدیث من مراسیل الصحابة لان المسیب من مسلمة الفتح علی قول مصعب وعلی قول العسکری ممن بایع تحت الشجرة فایا ما کان فلم یشهد وفاة ابی طالب لانه توفیٰ هو و خدیجة رضی اللّٰہ تعالیٰ عنها فی ایام متقاربة فی عامٍ واحد للنبی صلی اللّٰہ علیه وآله وسلم نحو الخمسین ورد علیهما بعضهم بانه لا یلزم من کون المسیب متأخر الاسلام ان لا یشهد عبد اللّٰہ بن امیة وهو یومئذ کافر ثم اسلم بعد ذالك انتهیٰ قلت ا حضور عبد اللّٰہ بن امیة وفاة ابی طالب وهو کافر لا فی الصحیح ولا فی غیره و بالاحتمال لا یرد علیٰ کلام بغیر احتمال فافهم۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد۱۹ص۱۰۵مطبوعہ بیروت﴾

کرمانیؒ نے کہا ہے کہ یہ اسناد شرط بخاری کے مطابق

نہیں ہیں کیونکہ مسیّب سے صرف اس کے بیٹے نے
روایت کی ہے صاحبِ تلویح نے کہا ہے اور صاحب
توضیح نے اس کی متابعت کی ہے کہ یہ روایت صحابہ کی
مُرسل احادیث میں سے ہے کیونکہ مسیّب ان لوگوں
میں سے ہیں جو فتح مکّہ کے وقت اسلام لائے بقول
مصعب کے اور بقول عسکری کے وہ ان لوگوں میں
سے ہیں جنہوں نے الشجرہ کے نیچے بیعت کی تھی اور
وہ ابی طالب کی وفات کے وقت موجود نہ تھے کیونکہ ابو
طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور خدیجۃ الکبریٰ کی وفات
قریب قریب کے دنوں میں ایک ہی سال میں ہوئی
اور بعض لوگوں نے اس کی تردید کی ہے کہ مسیّب کے
متاخر اسلام ہونے سے تو یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ
وفات ابی طالب کے وقت موجود نہ تھے جس طرح
عبداللہ بن اُمیہ وہاں موجود تھے حالانکہ وہ بھی حالت
کفر میں تھے اور بعد میں ایمان لائے اس کے جواب
میں ہم کہتے ہیں عبداللہ بن اُمیہ کا وفات ابو طالب
کے وقت موجود ہونا کفر کی حالت میں صحیح طور پر ثابت
ہے اور مسیّب کا اس موقع پر بحالتِ کفر موجود ہونا نہ تو

صحاح میں ثابت ہے نہ غیر صحاح میں اور احتمال پر کسی
خاص بات کی تردید نہیں کی جاسکتی۔

الرشاد الستاری شرح بخاری

قسطلانیؒ

کان المسیب فلم یشهد وفاة ابی طالب فالحدیث
مرسل صحابی کما قرره الکرمانی و رده الحافظ
ابن حجر بانه لا یلزم تاخر اسلامه عدم حضوره
وفاة ابی طالب کما شهدها عبد الله بن امیة وهو
کافر ثم اسلم و تعقبه العینی بان حضور عبد الله بن
امیه ثبت فی الصحیح ولم یثبت حضور المسیب لافی
صحیح و لا فی غیر الصحیح۔ (الخ)

﴿ارشاد الساری شرح بخاری ج ۷ ص ۱۲۷﴾

جیسا کہ مسیب وفات ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے
وقت موجود نہیں تھے پس یہ حدیث مرسل صحابی ہے
جیسا کہ اقرار کیا کرمانیؒ نے اور رد کیا اس کا ابنِ حجر
نے کہ مسیب کا تاخر اسلام وفات ابو طالب کے وقت
موجود نہ ہونے پر لازم نہیں جیسا کہ شہادت دی

عبداللہ بن اُمیہ نے اور وہ اس وقت کافر تھے اور بعد
میں اسلام لائے اور تعاقب کیا ابنِ حجر کا عینی نے وہ
کہتے ہیں کہ بیشک عبداللہ ابن اُمیہ کی وہاں موجودگی
صحاح سے ثابت ہے اور موجود ہونا مسیب کا ثبوت کو
نہیں پہنچتا نہ صحیح میں اور نہ غیر صحاح میں۔

تیسیر الباری شرح بُخاری

از علامہ شاہ نُورالحق محدّث دہلوی

حضرت علامہ شاہ نورالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنی عظیم تالیف مُبارکہ تیسیر البَاری شرح بخاری میں مسیب کے اس قول کو زیرِ تبصرہ لاتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ،

اس پر صاحب تلویح نے کلام کیا ہے اور ان کی اتباع کرتے ہوئے صاحب تُوضیح نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحابہ کی مُرسل روایات میں سے ایک ہے اور اسے مسیب نے بیان کیا ہے جب کہ وہ فتح مکہ کے دن اسلام قبول کرنے والوں میں سے ایک ہیں عسکری کے قول کے مطابق صلح حدیبیہ کے دنوں میں اسلام لاکر بیعت رضوان والوں میں شامل ہوئے تھے۔

بہرصورت! وہ جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے موقع پر ہرگز حاضر نہیں تھے کیونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے یکے بعد دیگرے نزدیک ترین دنوں میں مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں وفات پائی۔

بعض نے اس کا جواب دیا ہے کہ مسیب کے تاخر اسلام سے یہ ضروری نہیں کہ وہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت کفر کی حالت میں بھی ان کے پاس موجود نہیں تھے۔

مگر علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ نے اس گمان کو باطل قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے کہ مسیب کا حضرت ابوطالب کی وفات کے وقت ان کے پاس ہونا کفر یا ایمان دونوں حالتوں میں ہی ثابت نہیں ہوتا اور محض احتمال کی وجہ سے صاحب توضیح کے ارشاد کی تردید نہیں کی جاسکتی اور یہ پوشیدہ امر نہیں کہ اس صورت میں مرسل روایت پر جزم و یقین نہیں کیا جا سکتا۔

متن ملاحظہ ہو !

بدانکہ صاحب تلویح گفتہ و تبعیت کرد او را صاحب توضیح کہ این حدیث از مراسیل صحابہ است از آں مسیب اس مسلمانان روز فتح است و بر قول عسکری روز بیعت تحت الشجرہ بیعت کردہ است بہر تقدیر روز وفات ابوطالب حاضر نہ بودہ از اں کہ وے و خدیجہ نزدیک ہم فوت کردہ اند در مکہ جواب دادہ اند کہ لازم نمی آید از ایں کہ اسلام مسیب بعد از فوت ابی طالب بود کہ در حال کفر حاضر نہ باشد؟

عینی گوید حضور مسیب وفات ابو طالب را ثابت نہ شدہ است در حال کفر و نہ در حال ایمان و بجز احتمال رد نمی شد بر قول صاحب توضیح پوشیدہ نماند کہ بایں تقدیر جزم ارسال ہم نہ باید کرد۔

﴿تیسیر القاری شرح بخاری ج چہارم ص ۵۰۶ مطبوعہ دہلی﴾

یاد دہانی

سابقہ اوراق میں ہم تعدد مختلف فیہ مسائل کے سلسلہ میں علمائے احناف و دیگر ائمہ حدیث کی بخاری شریف کی روایت اور امام بخاری کے تصورات و تخیلات پر واضح ترین گرفت کے متعلق بالوضاحت تحریر کر چکے ہیں یہاں محض یاد دہانی کے طور پر علمائے احناف بالخصوص بریلوی علمائے کرام کی خدمت میں التماس کریں گے کہ ہمارے علمائے متقدمین نے بخاری شریف میں آنے والی روایت کو ہی چیلنج نہیں کیا بلکہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر امام بخاری کے مطاعن کا بطلان کرنے کے ساتھ ساتھ اس روایت پر بھی شدید گرفت فرما رکھی ہے جسے امام بخاری نے بار بار نقل کر کے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدم ایمان کا اثبات کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگا رکھا ہے۔

یہاں ہم اس امر پر زور نہیں دیں گے کہ فی الواقع یہ آئمہ احناف حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان پر قطعیت کے ساتھ ایمان

رکھتے تھے اور نہ ہی اس بحث میں یہاں اُلجھا جا سکتا ہے کیونکہ ان حضرات
کے نزدیک یہ مسئلہ اجماعی نہیں بلکہ اختلافی ہے البتہ ہم اس امر کی وضاحت
کردینا ضروری سمجھتے ہیں کہ یہ حضرات بخاری شریف کی بعض روایات کو محل
نظر قرار دینے کے لئے پوری شدّت کے ساتھ اسی روایت کا سہارا لیتے ہیں
اور اسے انتہائی کمزور سمجھتے ہیں کیونکہ پوری بخاری شریف میں یہی ایک وہ
روایت ہے جو بخاری کی قائم کردہ اپنی ہی شرط پر پوری نہیں اترتی بہر حال
اب آپ علّامہ ابنِ حجر عسقلانی کے اس فلسفے سے آگاہی حاصل کریں جو
انہوں نے محض امام بخاری کی نظریاتی سرحدوں کی محافظت کے لئے پیش کیا
ہے۔

ابنِ حجر کا فلسفہ

قارئین !

بخاری شریف کی متعدد شروح میں اس روایت کی تاریخی حیثیت
ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ مسیّب کی یہ روایت ان کے بیٹے کے سوا
کسی نے بیان نہیں کی امام کرمانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت بخاری کی اپنی
شرط پر ہی پوری نہیں کیونکہ اس روایت کے پہلے راوی کا حضرت ابو طالب
رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے موقعہ پر موجود ہونا ثابت نہیں بلکہ وہ یہ کہتے

ہیں کہ شاید وہ صحابی بھی نہیں نیز یہ کہ ان سے سوائے ایک اس روایت کے کوئی ایک روایت بھی پورے ذخیرۂ حدیث میں مروی نہیں۔

اور امام کرمانیؒ کی تقلید میں حضرت امام بدرالدّین عینی بھی ان ہی تمام خیالات کا نہ صرف یہ کہ اظہار کرتے ہیں بلکہ امام کرمانی پر کی جانے والی حافظ ابن حجر کی جرح کا پورا پورا رد بھی فرماتے ہیں اور اس روایت کی مضبوط ترین دلائل سے انتہائی کمزور ثابت کرتے ہیں۔

امام قسطلانی بھی عینی کے اس تعاقب کو بیان فرماتے ہیں۔

اگرچہ آخر پر انہوں نے بھی حافظ ابن حجر کی تقلید کرنے کی کوشش کی ہے جسے ہم نے اس وجہ سے نقل نہیں کیا کہ حافظ ابن حجر کی عبارت سے اس میں کچھ زیادہ نہیں بلکہ بہت ہی کم ہے۔

حافظ ابن حجر کرمانی کا رد تو کرتے ہیں لیکن ان کا فلسفہ بے جان ہے وہ دیگر شارحین کی جرح کا جواب دیتے ہوئے انتہائی سطحی انداز میں سوچتے ہیں اس مقام پر ان کی تحریر پڑھ کر یوں معلوم ہوتا ہے کہ شاید یہ ان کے اپنے الفاظ ہی نہیں۔

پہلے وہ اس روایت پر یہ اعتراض لکھتے ہیں کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ موت کے وقت کلمہ پڑھ کر بھی لیتے تو کیا وہ صاحب ایمان ہو سکتے تھے جب کہ ایسے وقت میں کلمہ پڑھنا بے کار محض ہے۔

بعدازاں وہ اس اعتراض کا جواب یہ دیتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہو اور ابو طالب کے لئے یہ خصوصی رعایت ہو کہ وہ آخری وقت پر بھی کلمہ پڑھ لیں تو ان کو ایمان کی دولت نصیب ہو جائے متن ملاحظہ ہو۔

لکن رجا النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم انہ اذا اقر بالتوحید ولو فی تلک الحالۃ ان ذالک ینفعہ بخصوصۃ و تسوغ شفاعۃ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم ﴿الخ﴾ و کان ذالک من الخصائص فی حقہ۔

﴿فتح الباری شرح بخاری جلد ہشتم ص ۴۱۲﴾

﴿مطبوعہ مصر مؤلفہ حافظ ابن حجر عسقلانی﴾

ہم کہتے ہیں کہ اگر یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاصہ ہے تو پھر کیسے ممکن ہے کہ حضرت ابو طالبؑ جہنم میں جائیں۔

خصوصیت تو اسی کو کہتے ہیں کہ اسے دوسرے تمام قوانین وضوابط سے یکسر علیحدہ کر دیا جائے لہٰذا اگر آپ اسے خاصہ متصور کرتے ہیں تو پھر تسلیم کرنا ہوگا کہ ابو طالب نے بفرض محال نہ بھی کلمہ پڑھا ہو تو یقیناً یقیناً صاحب ایمان جنتی ہیں۔

علاوہ ازیں حافظ ابن حجر شارحین کا یہ اعتراض نقل کرتے ہیں کہ راوی تو وہاں موجود ہی نہ تھا تو اس کو کیسے معلوم ہو گیا پھر اس کو جواب یوں تحریر فرماتے ہیں کہ اس کو کسی نے بتا دیا ہو گا العجب ثم العجب۔

اور پھر یہ وجہ بھی بتاتے ہیں کہ ابوجہل عبداللہ بن امیہ بھی تو بنی مخزوم قبیلہ کے آدمی تھے اس لئے مسیب کی موجودگی وہاں ماننے سے کون سی چیز مانع ہے جب کہ وہ بھی مخزومی تھے۔

ہمیں تو حیرت ہوتی ہے کہ اتنا بڑا ثقہ آدمی محض کرمانی کے رد کے شوق میں یوں ادھار کھائے بیٹھا ہے کہ تیلی رے تیلی تیرے سر پر کولہو کی مثال سے بھی کئی قدم آگے ہے۔

حالانکہ یہ سیدھی سی بات ہے کہ یا تو بیان کرنے والا یہ بتائے کہ فلاں واقعہ میں نے فلاں شخص سے سنا ہے اور یا یہ بتائے کہ میں اس محفل میں موجود تھا۔ اور یہ سب کچھ میرے سامنے ہوا ہے اور جب ان دونوں میں سے کوئی شرط بھی موجود نہ ہو تو پھر خواہ مخواہ کی شدت اور زبردستی سے کوئی چیز منوانا تعجب خیز نہیں تو اور کیا ہے۔

روایت میں صاف طور پر یہ نقل ہوتا آرہا ہے کہ سعید ابن مسیب اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ جب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِحتضار کا وقت آیا تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے وہاں ابوجہل اور عبداللہ بن اُمیہ بیٹھے ہوئے تھے۔

اب ان میں کونسا ایسا جملہ ہے کہ جس سے ثابت کیا جا سکے کہ راوی وہاں موجود تھا یا اس واقع کو راوی نے کسی سے سنا۔

اگر مسیب وہاں ہوتے تو یقیناً وہ کہتے کہ میں بھی عبداللہ بن امیہ اور

ابو جہل کے ساتھ بیٹھا ہوا تھا اور وہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے۔

بہر حال! امام کرمانی علامہ عینی اور شاہ نور الحق کی عبارات کی روشنی میں معلوم ہو جاتا ہے کہ مسیب وہاں موجود نہیں تھے اور یہ روایت محض من گھڑت ہے اور اسی وجہ سے مجموعہ اضداد ہے۔

ورنہ یہ کیا تک ہے کہ ابو طالب کی وفات کا قصہ بھی مسیب بیان کریں اور پھر ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے خلاف آنے والی آیات کی تفسیر بھی اسی واقعہ کی روشنی میں کریں جبکہ ان کے صحابی ہونے کی صورت میں بھی ایک آیت ان کے مسلمان ہونے سے چھ سال پہلے نازل ہوا اور دوسری ان کے اسلام قبول کرنے کے چھ سال بعد نازل ہو۔

بہر صورت حافظ ابن حجر کے نزدیک محض کرمانی کا رد مقصود ہے اس لئے انہوں نے مختلف عقلی توجیہات کا سہارا لیا ہے ورنہ وہ خود تسلیم کرتے ہیں کہ بخاری کی تمام تر روایات صحیح نہیں ہیں بلکہ ایک صد روایات کے قریب ضعیف ہیں جن میں سے چالیس تو ایسی ہیں جن کی کسی طرح بھی تاویل نہیں ہو سکتی۔

خیر یہ تو امام بخاریؒ اور حافظ ابن حجرؒ کا معاملہ ہے ہمیں اس سے بحث نہیں دیکھنا تو یہ ہے کہ امام بخاری ایک ایسی روایت کی جو اُن کی اپنی شرطوں پر بھی پوری نہیں اترتی بار بار کیوں نقل فرماتے ہیں۔

کیا یہ گمان کیا جا سکتا ہے کہ اس روایت کے کمزور پہلو اُن پر واضح نہ ہوں کیا اُن کو معلوم نہیں تھا کہ مسیّب کا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ان کے پاس موجود ہونا روایت سے ثابت نہیں ہوتا۔

کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ مسیّب اس وقت حالتِ کفر میں تھے اور کسی کافر کو آیاتِ قرآن کے شانِ نزول کا پتہ ہونا غیر ممکن ہے۔

بات اگر محض اس گفتگو تک رہتی جو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ہوئی تھی تو کوئی بات بھی تھی لیکن یہاں تو قرآن کریم کی دو آیات کو بھی مسیّب ہی کے نام سے روایت میں نقل کر رکھا ہے۔

حیرت ہے کہ روایت کی یہ تکنیک امام بخاری پر منکشف نہ ہو سکی اور وہ جہاں کہیں بھی موقع مل سکا اپنی تالیف بخاری شریف میں اسے مسلسل نقل کرتے چلے گئے۔

حقیقت یہ ہے کہ روایت کے تمام تر اسقام ان کی نظر میں تھے لیکن دیگر متعدد مسائل و روایات کی طرح اس روایت میں بھی ان کے نظریات کی تائید موجود تھی اس لئے انہیں اسے متعدد بار نقل کرنا پڑا یہاں ہم اپنے اس موقف کا پھر اعادہ کریں گے کہ ہم ان حضرات سے کسی بھی صورت میں متفق نہیں ہو سکتے جن کا خیال ہے کہ روایات نقل کرنے کے معاملہ میں نظریات کی بجائے محض معیارِ رواۃ کو ہی پیش نظر رکھا جاتا ہے اس لئے کہ اس تصور کو کسی بھی صورت میں حقیقت آشنا نہیں کیا جا سکتا۔

حضرت ابو طالبؑ اور حضور کے والدین

جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں اجمالاً بتا چکے ہیں کہ مزعومہ کُتب صحاح مُسلم شریف وغیرہ میں صرف حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کُفر پر ہی روایات موجود نہیں بلکہ ایسی روایت بھی موجود ہیں جن میں صراحت کے ساتھ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما کو بھی کافر و مشرک ثابت کیا گیا ہے اور یہ ایسی روایات ہیں جن کی قریب و بعید کی کوئی بھی تاویل نہیں ہو سکتی۔

بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مزعومہ صحاح کے علاوہ بھی تفاسیر و احادیث کی سینکڑوں کتابوں میں ایسی روایات موجود ہیں جن میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرح سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کا کافر و مشرک جہنمی ہونا بھی ثابت ہوتا ہے معاذ اللہ

اللہ تبارک و تعالیٰ امام جلال الدّین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار اقدس پر رحمتیں نازل فرمائے آپ نے نہایت محنت اور جانفشانی سے نہایت ہی معتبر کتابوں سے احادیث و روایات کا ایک ایسا ذخیرہ جمع فرمانے کی سعادت حاصل کی جس میں تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے علاوہ آپ کے تمام آباؤ اجداد کا مومن و موحد اور قطعی جنتی ہونا بھی روزِ روشن کی طرح ثابت ہو جاتا ہے۔

موصوف مذکور نے جب باقاعدہ طور پر مذکورہ بالا مسئلہ پر تحقیقی مقالات تحریر فرمائے تو محدّثین سے اکثر حضرات نے آپ کی ہمنوائی بھی کی اور آپ کو خراجِ تحسین بھی پیش کیا مگر آج ہی کی طرح بعض شوریدہ سر اور ناعاقبت اندیش لوگوں نے آپ کے ساتھ جدل ومناظرہ شروع کردیا جس کا نقشہ آپ اپنے الفاظ میں اس طرح کھینچتے ہیں۔

لوگوں نے میدانِ جدل قائم کر رکھا ہے اور اس زمانے میں جھگڑالو لوگ بہت زیادہ ہیں خاص طور پر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے ایمان کے مسئلہ میں اور ان میں کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے جو طریق استدلال سے ہی ناآشنا ہیں لہٰذا ان کے ساتھ گفتگو کرنا محض وقت ضائع کرنا ہے متن ہے۔

نصب میدان جدل المجادلون فی ھذا الزمان کثیر خصوصاً فی ھذہ المسالة واکثر ھم لیس لھم معرفته بطریق استدلال فالکلام معھم ضائع۔

﴿مسالک الحنفاء ص ۳۲ الحاوی للفتاوی ص ۴۲۸﴾

بہرحال! امام جلال الدّین سیوطی علیہ الرحمۃ کی اس سعیٔ پیہم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مشکور فرمایا اور آج کروڑوں مسلمان حضور سرور انبیاء صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے متعلق کفر وشرک پر مبنی ہلاکت خیز
عقیدہ کی زد سے باہر آ چکے ہیں اگر چہ اب بھی ہزاروں بدنصیب ایسے موجود
ہیں جو حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کو صواب پر نہیں
سمجھتے اور اپنے باطل اور قبیح نظریات پر ڈٹے ہوئے ہیں مگر مسلمانوں کا
سواد اعظم اس تحقیق کو اپنے ایمان کی جان سمجھتا ہے اور ان روایات کو لائق
التفات نہیں سمجھتا جس میں اس کا خلاف موجود ہے۔

یہاں ہم معزز قارئین سے التماس کریں گے کہ وہ حالات کی سنگینی کو
سمجھنے کی کوشش کریں اور ان لوگوں کی ہمنوائی میں جن کا کام روایت سے چمٹے
رہنا ہے اپنے خلوص کا جنازہ نہ اٹھاتے پھریں شاید ان ہی لوگوں کے لئے تو
ترجمان اہل سنت حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا ہے کہ،

یہ اُمت روایات میں کھو گئی
حقیقت خرافات میں کھو گئی

کسی بھی محترم ہستی سے غلط گمان کی جگہ حُسنِ ظن سے کام لینا بہر
صورت سلامتی کا راستہ ہے اور پھر ایسی روایات جو ہر پہلو سے محلِ نظر ہوں
لائق التفات ہو ہی نہیں سکتیں۔

حضرت مسیب کے متعلق شارحین حدیث نے جو نقد وجرح پیش کی
ہے اس کے پیش نظر ان سے منسوب شدہ روایت قطعی بے جان ہوتی ہے
اب رہا اس روایت کا حضرت ابوہریرہ سے منسوب کرنا تو یہ ایک ایسا افتراء

ہے جسے قیامت تک صحیح ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

کیونکہ راویان کرام نے حضرت میتب کی طرح حضرت ابو ہریرہ کی طرف بھی بالکل اسی انداز میں روایت کو منسوب کیا ہے یعنی ابو ہریرہ فرماتے ہیں۔

جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احتضار کا وقت قریب آیا تو ان کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لائے تو وہاں ابو جہل اور عبداللہ بن امیہ بیٹھے ہوئے تھے اور پھر وہاں یہ یہ باتیں ہوئیں۔

اگر حضرت ابو ہریرہ نے یہ فرمایا ہوتا کہ ہم نے یہ حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سنی ہے اور یا کسی اور صحابی کا نام لیا ہوتا تو شاید کچھ بات بھی بن جاتی لیکن اس صورت میں تو روایت کی صداقت کا سرے سے ہی پتہ کٹ جاتا ہے کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ،

حضرت ابو ہریرہ مکہ کے نہیں بلکہ یمن کے رہنے والے تھے اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتقال کے وقت وہ ہرگز مکہ معظمہ میں موجود نہیں تھے بلکہ اس کے برعکس یہ ناقابل تردید حقیقت موجود ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت ہی اس واقعہ کے کئی سال بعد اس وقت کی جب خیبر فتح ہو چکا تھا۔

اس صورت میں تو روایت کی شہ رگ ہی کٹ جاتی ہے اور اس پر کسی قسم کے تبصرے کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔

حضرت ابو ہریرہؓ کا قبولِ اسلام

طبقات ابن سعد

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خیبر میں ہی تھے کہ قبیلہ دوس کے لوگ آئے جن میں ابو ہریرہ بھی تھے طفیل بن عمرو اور اشعری لوگ بھی آئے وہ سب وہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے بارے میں اپنے اصحاب سے مشورہ کر کے انھیں بھی مال غنیمت میں شریک کر لیا۔

﴿طبقات ابن سعد ج ا ص ۴۴۹﴾

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے۔

ابو ہریرہ کے ایک ہم قبیلہ طفیل بن عمرو دوسی ہجرت عظمٰی سے قبل مکہ ہی میں قرآن کریم کی معجز بیان سے مسحور ہو چکے تھے اور اسلام لانے کے بعد اس کی تبلیغ کے لئے یمن لوٹ گئے چنانچہ انکی کوششوں سے دوس میں اسلام پھیلا اور غزوہ خیبر کے زمانہ میں یہ یمن کے اسّی نوّے دوسیوں کو لیکر آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے لیکن آپ اس وقت خیبر میں تشریف رکھتے تھے اس لئے مدینہ سے خیبر پہنچے اسی قبیلہ کے ساتھ ابو ہریرہ بھی تھے۔

﴿سیرت صحابہ ج ا ص ۴۹ مطبوعہ ندوۃ المصنفین﴾

بہر صورت ابو ہریرہ نے غزوۂ خیبر میں ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے شرف ملاقات حاصل کیا ہے اور وہیں پر ہی مشرف بہ اسلام ہوئے اِس لئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے وقت ان کا مکہ معظمہ میں موجود ہونا بھی قطعی نادرست اور غیر صحیح ہے چہ جائیکہ وہ اس مکالمہ کو حرف بحرف بیان فرماتے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابو جہل وغیرہ کے درمیان حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رحلت کے وقت ہوا۔

اس روایت کی بحث کو انہی الفاظ کے ساتھ ختم کرتے ہوئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بتائی جانے والی اس روایت پر تبصرہ پیش خدمت ہے جس میں یہ الفاظ موجود ہیں کہ ان کو جہنم میں آگ کی جوتیاں پہنائی ہوئی ہیں جن سے ان کا دماغ کھولتا ہے۔ ﴿معاذ اللہ﴾

باب سیزدہم

☆ حدیث ضحضاح پر تحقیق و تبصرہ

☆ قرآن مجید سے کھلا تصادم

☆ قانونِ قدرت بدل گیا؟

☆ ایک ایسا مشرک جس کا عذاب مومنین سے بھی کم ہے

☆ دنیا کا پہلا اور آخری مشرک جس کے عذاب میں تخفیف ہوئی۔

☆ آیات و روایات کو باہمی تصادم سے کیسے بچایا جائے

☆ حقائق و شواہد

☆ براہین و دلائل

☆ واحد راستہ

حضرت ابوطالبؑ جہنم میں (معاذ اللہ)

پہلی روایت

حدثنا عبید اللہ بن عمر القواریری و محمد بن ابو بکر المقدمی و محمد بن عبد الملک الاموی قالواحد ثنا ابو عوانۃ عن عبد الملک ابن عمیر عن عبد اللہ عن العباس بن عبد المطلب انہ قال یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھل نفعت ابا طالب بشئ فانہ کان یحوطک و یغضب لک قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نعم۔ ھو فی ضحضاح من نار ولو لاانا لکان فی الدرک الاسفل من النار۔

(مسلم شریف ج ا ص ۱۱۵ طبقات ج ا ص ۱۲۴)

عبیداللہ بن عمر قواریری محمد بن ابی بکر مقدمی محمد بن عبد الملک اموی ابوعوانہ عبدالملک ابن عمیر عبداللہ بن حارث بن نوفل کہتے ہیں۔

کہ حضرت عباس بن عبدالمطلب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کسی چیز نے نفع دیا ہے جو وہ آپ کا احاطہ کئے رکھتے تھے اور آپ کیلئے غضبناک ہو جاتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں وہ آگ میں مقام ضحضاح پر ہیں اگر ہم نہ ہوتے تو وہ آگ کے نچلے طبقہ میں ہوتے۔

دوسری روایت

حدثنا ابن ابی عمر قال حدثنا سفیان عن عبد الملك بن عمیر عن عبد اللّٰہ بن الحارث قال سمعت العباس یقول قلت یارسول اللّٰہ ان ابا طالب كان یحوطك وینصرك و یغضب لك فهل نفعه ذالك قال نعم وجدته فی غمرات من النار فاخرجته الی ضحضاح۔

ابن عمر سفیان عبد الملک بن عمیر عبد اللہ بن حارث کہتے ہیں کہ میں نے،

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے سنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو طالب آپ کا احاطہ کئے رہتے تھے اور آپ کی امداد کرتے تھے۔ کیا

انہیں کوئی اس کا نفع پہنچا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہاں ہم نے غمرات نار میں پایا پس ہم اُسے کھینچ کر مقام ضحضاح پر لے آئے۔

﴿مسلم شریف جلد اول صفحہ ص ۱۱۵﴾

تیسری روایت

حد ثنا قتیبۃ بن سعید قال حد ثنا لیث عن ابن الهاد عن عبد اللّٰه بن خباب عن ابی سعید الخد ری ان رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه و آله وسلم ذکر عندہ عمه ابی طالب فقال لعله تنفعه شفا عتی یوم القیامۃفیجعل فی ضحضاح من النار یبلغ کعبیه یغلی منه دما غه۔

قتیبہ بن سعید لیث ابن الہاد،عبد اللہ بن خباب حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ذکر کیا گیا تو آپ نے فرمایا کہ قیامت کے دِن ہماری شفاعت سے اُسے نفع پہنچے گا تو مقام ضحضاح پر ہوں گے آگ میں اُن کے پاؤں ہوں گے جس سے ان کا دماغ کھولے گا۔

چوتھی روایت

حدثنا ابو بکر بن ابی شیبة قال حدثنا حماد بن
سلمة قال حدثنا ثابت عن ابی عثمان النهدی عن
ابن عباس ان رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیه و آله وسلم
قال اهون اهل النار عذابا ابو طالب وهو منتعل
بنعلین یغلی منهما دماغه

﴿مسلم شریف ج ۱ ص ۱۱۵﴾

ابو بکر بن ابی شیبہ عفان حماد بن سلمہ ثابت ابی عثمان
نہدی حضرت ابن عباس سے روایت کرتے ہیں۔
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
کہ تمام دوزخیوں سے ابو طالب کو عذاب کم ہو گا ان
کی جوتیاں آگ کی ہوں گی جن سے اُن کا دماغ بھٹی
کی طرح کھولے گا۔

اِن روایات کا خلاصہ

ان چار عدد روایات کے علاوہ مُسلم شریف میں ایک یہ روایت بھی
موجود ہے جس میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام نہیں بلکہ مطلق
طور پر مذکور ہے۔

پانچویں روایت

کہ سب سے کم عذاب والا دوزخی وہ ہے جس کو آگ جوتیاں پہنائی جائیں گی۔

﴿مسلم شریف ج ۱ ص ۹۰﴾

تو اب ان پانچوں روایات کا خلاصہ یہ بنتا ہے۔

﴿۱﴾ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

کہ اگر ہم نہ ہوتے تو ابو طالب جہنم کے گہرے طبقے میں ہوتے لیکن اب وہ مقام ضحضاح پر ہیں۔

﴿۲﴾ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ ہم نے ابوطالب ﴿رضی اللہ تعالیٰ عنہ﴾ کو جہنم کے نچے طبقے میں پایا تو ہم انہیں کھینچ کر اوپر مقام ضحضاح پر لے آئے۔

﴿۳﴾ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا! کہ ہم قیامت کے دن ابو طالب ﴿رضی اللہ تعالیٰ عنہ﴾ کی شفاعت کریں گے جس سے وہ مقام ضحضاح پر آجائیں گے اور انہیں آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔

﴿۴﴾ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ تمام اہلِ جہنم سے سب سے کم عذاب ابوطالب کو ہوگا اور ان کی جوتیاں آگ کی ہوں گی۔

﴿۵﴾ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مُطلق طور پر فرمایا کہ سب

سے کم عذاب والا دوزخی وہ ہوگا جس کی جوتیاں آگ کی ہوں گی۔

تضاد ہی تضاد

ان روایات میں جو تضاد موجود ہے وہ قارئین پر مخفی نہیں رہا ہوگا یعنی ایک جگہ تو یہ الفاظ ہیں کہ اگر ہم نہ ہوتے تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ درکِ اسفل میں ہوتے لیکن اب وہ مقام ضحضاح پر ہیں دوسری جگہ یہ ہے کہ ہم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غمرات نار میں پایا اور کھینچ کر مقام ضحضاح پر لے آئے تیسرے مقام پر ہے کہ ہم قیامت کے دن حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفاعت کریں گے اور انہیں مقامِ ضحضاح پر لے آئیں گے۔

چوتھی جگہ پر ہے کہ سب اہلِ جہنّم سے کم عذاب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہوگا۔

پانچویں مقام پر ہے کہ سب سے کم عذاب والا دوزخی وہ ہے جس کو آگ کی جوتیاں پہنائی جائیں گی۔

ہم ان تضادات پر تبصرہ نہیں کریں گے اور صرف یہی بتانے پر اکتفاء کریں گے کہ ان روایات سے جو بات واضح طور پر سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات جلیلہ کے صِلہ میں اُن کے عذاب میں تخفیف کر دی ہے یا کروا

دیں گے۔

کیونکہ ایک روایت میں ہے کہ ہم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غمراتِ نار میں پایا تو اوپر کھینچ لیا اور دوسری روایت میں ہے کہ ہم قیامت کے دن حضرت ابو طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کی شفاعت فرما کر غمراتِ نار سے اوپر لے آئیں گے بہرصورت یہ بات واضح ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عذاب میں تخفیف کر دی گئی ہے یا کر دی جائے گی اور اس کا سبب روایت میں بتایا گیا ہے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و نصرت کرتے تھے اور آپ کا احاطہ کئے رہتے تھے نیز آپ کے لئے لوگوں سے غضبناک ہو جاتے تھے اور شارحین حدیث نے یہ بھی لکھا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے محبتِ طبعی تھی اور اسی رشتہ قرابت کی وجہ سے اُن کو یہ خاص رعایت دی جائے گی چنانچہ علامہ بدرالدین عینی وغیرہ نے ایسا ہی فرمایا ہے جس کی تفصیل جلد اول میں بیان ہو چکی ہے

قرآن کیا کہتا ہے

بہرکیف ! اب اگر ان روایات کو درست تسلیم کر لیا جائے تو سینکڑوں قرآنی نصوص کا انکار لازم آتا ہے کیونکہ روایات کے مطابق حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے کافر و مشرک ہونے کی وجہ سے جہنم میں ڈالا گیا ہے اور قرآن مجید ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کسی کافر

مشرک کو کسی قسم کی رعایت دی جائے۔

روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نُصرت وحمایت فرمائی لیکن قرآن کہتا ہے کہ کفّار و مشرکین کا کوئی حامی و ناصر نہیں ہوگا۔

روایت میں ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمات کے صلہ میں ان کے عذاب میں کمی واقع ہوئی ہے لیکن قرآن کہتا ہے کہ کفارو مشرکین کی تمام نیکیاں سلب کرلی جائیں گی۔

روایت میں ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شفاعت فرمائیں گے لیکن قُرآن کہتا ہے کہ کفّارو مشرکین کیلئے کوئی سفارش نہیں کر سکے گا۔

روایت میں ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عذاب میں کمی ہوگی لیکن قُرآن کہتا ہے کہ کُفّار و مشرکین کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی ایسی صورت میں کس چیز کو دُرست تسلیم کیا جاسکتا ہے قُرآنی آیات کو؟ یا ان روایات کو! یہ فیصلہ قارئین کرام کو کرنا ہوگا۔

ہم آپ کی خدمت میں بالترتیب چند ایسی آیاتِ قُرآنیہ پیش کرتے ہیں جن میں کُفّار و مشرکین کو ہر قسم کی رعایت سے مایوس کردیا گیا ہے

کوئی حامی وناصر نہیں ہوگا

﴿سورۃ آل عمران آیت ۵۶﴾

فَاَمَّا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِیْدًا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ○

تو وہ جو کافر ہوئے میں انہیں دُنیا اور آخرت میں سخت عذاب کروں گا اور ان کا کوئی مددگار نہیں ہوگا۔

﴿سورۃ آل عمران آیت ۹۱﴾

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ○

اُن کیلئے دردناک عذاب ہے اور ان کا کوئی مددگار نہیں

﴿سورۃ المائدہ آیت ۷۲﴾

اِنَّهٗ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَیْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ○

بیشک جو اللہ کا شریک ٹھہرائے تو اللہ نے اس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

﴿سورۃ الانعام آیت ۵۱﴾

لَیْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِیٌّ وَّلَا شَفِیْعٌ

نہ ان کا حمایتی ہو سفارشی سوا اللہ تعالیٰ کے۔

﴿سورۃ الاحزاب آیت ۶۵﴾

اِنَّ اللّٰہَ لَعَنَ الْکٰفِرِیْنَ وَاَعَدَّ لَھُمْ سَعِیْرًا ۝ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا لَا یَجِدُوْنَ وَلِیًّا وَّلَا نَصِیْرًا۔

بیشک اللہ تعالیٰ نے کافروں پر لعنت فرمائی اور ان کیلئے بھڑکتی ہوئی آگ تیار کر رکھی ہے اس میں ہمیشہ رہیں گے اور اس میں نہ کوئی حمایتی پائیں گے اور نہ مددگار۔

نیکیاں چھین لی جائیں گی

﴿سورۃ البقرہ آیت ۲۱۷﴾

فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَاُولٰٓئِکَ اَصْحٰبُ النَّارِ ھُمْ فِیْھَا خٰلِدُوْنَ ۝

پھر مر جائے کافر رہ کر تو ضائع جائیں گے ایسوں کے اعمال دنیا اور آخرت میں اور وہ لوگ آگ میں رہنے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

﴿سورۃ آل عمران آیت ۲۲﴾

اُولٰٓئِکَ الَّذِیْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُھُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ وَمَا لَھُمْ مِّنْ نّٰصِرِیْنَ ۝

یہ وہ لوگ ہیں جن کے اعمال برباد ہو جائیں گے دُنیا و آخرت میں اور ان کا کوئی مددگار نہیں۔

﴾سورۃ الاحزاب آیت ۱۸﴿

أُولَٰئِكَ لَمْ يُؤْمِنُوا فَأَحْبَطَ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ۔

یہ لوگ ایمان لائے ہی نہیں تو اللہ نے ان کے اعمال اکارت کر دیئے۔

﴾سورۃ المائدہ آیت ۵﴿

وَمَنْ يَكْفُرْ بِالْإِيمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهُ۔

اور جس نے انکار کیا ایمان سے اس کے تمام اعمال ضائع ہو گئے۔

﴾سورۃ محمد آیت ۳۲﴿

وَسَيُحْبِطُ أَعْمَالَهُمْ

اور ان کے اعمال ضائع کر دے گا

﴾سورۃ الکہف آیت ۱۰۶﴿

أُولَٰئِكَ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ وَلِقَائِهِ فَحَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَلَا نُقِيمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَزْنًا ۝

یہ تو وہی لوگ ہیں جو اپنے پروردگار کی نشانیوں اور اس کی ملاقات کی طرف سے کفر کئے ہوئے ہیں سو ان کے تمام اعمال ضائع ہو گئے سو ہم قیامت کے دن اُنکے اعمال کا ذرہ بھی وزن قائم نہیں رکھیں گے۔

عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی

﴿سورۃ البقرہ آیت ۱۶۱،۱۶۲﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْظَرُوْنَ۔

او جولوگ کافر ہوئے اور کفر ہی میں مر گئے ان پر لعنت ہے اللہ تعالٰی کی اور اس کے فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی ہمیشہ رہیں گے نہیں تخفیف ہوگی ان کے عذاب میں اور نہ ان کو فرصت ملے گی۔

﴿سورۃ فاطر آیت ۳۶﴾

وَالَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا یُقْضٰى عَلَیْهِمْ فَیَمُوْتُوْا وَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِیْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝

اور جولوگ کافر ہیں ان کیلئے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا آئیگی کہ مر ہی جائیں اور نہ ان سے دوزخ کا عذاب ہی ہلکا کیا جائیگا ایسی ہی سزا ہم ہر کافر کو دیں گے

﴿سورۃ البقرہ آیت ۸۶﴾

فَلَا یُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ یُنْصَرُوْنَ ۝

نہ تو ان کے عذاب میں کمی ہو سکے گی اور نہ ہی ان کے

لئے مددگار ہوگا۔

﴿سورۃ النحل آیت ۸۶﴾

ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ○ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا الْعَذَابَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ○

پھر نہیں اجازت ملے گی کافروں کو اور نا منائے جائیں

اور ظلم کرنے والے جب عذاب دیکھیں گے اسی وقت

سے نہ ان پر عذاب میں کمی ہوگی اور نہ انہیں مہلت

ملے گی۔

﴿سورۃ المومن آیت ۴۹﴾

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِنَ الْعَذَابِ ○ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُمْ بِالْبَيِّنَاتِ قَالُوا بَلَىٰ قَالُوا فَادْعُوا وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ○

اور جو لوگ آگ میں پڑے ہوں گے وہ دوزخ کے

پہرہ داروں سے کہیں گے کہ تم ہی اپنے پروردگار سے

دُعا کرو کہ کسی دن تو ہم سے عذاب ہلکا کردے وہ کہیں

گے کہ کیا تمہارے پاس تمہارے پیغمبر نشانیاں لے کر نہیں

آتے رہے ﴿دوزخی﴾ کہیں گے کہ کیوں نہیں ؟

﴿فرشتے﴾ کہیں گے کہ پھر تم ہی دعا کرو اور کفار

کی دعا تو بس بے اثر ہی ہے۔

دائمی عذاب

﴿سورۃ التوبۃ آیت ۶۸﴾

وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خَالِدِينَ فِيهَا هِيَ حَسْبُهُمْ وَلَعَنَهُمُ اللَّهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُقِيمٌ ○

اور کافروں کو جہنم کی آگ کا وعدہ دیا گیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے وہ انہیں کافی ہے اور اللہ کی ان پر لعنت ہے اور ان کیلئے قائم رہنے والا عذاب ہے۔

﴿سورۃ الرعد آیت ۶﴾

وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ

اور وہ جہنمی ہیں انہیں ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔

عذاب پر عذاب

﴿سورۃ النحل آیت ۸۸﴾

الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ۔

جنہوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا ہم نے ان کیلئے عذاب پر عذاب بڑھایا۔

ولاد کام نہیں آئے گی

﴿سورۃ آل عمران آیت ۱۱۶﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْـًٔا وَّاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وہ جو کافر ہوئے ان کے مال اور اولاد ان کو اللہ سے کچھ نہ بچالیں گے اور وہ جہنمی ہیں انہیں ہمیشہ اس میں رہنا ہے۔

آگ کی زنجیریں

﴿سورۃ الرعد آیت ۶﴾

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

وہ ہیں جو اپنے رب سے منکر ہوئے اور وہ ہیں جن کی گردنوں میں طوق ہوں گے اور وہ دوزخ والے ہیں اُنہیں ہمیشہ اسی میں رہنا ہے۔

چہروں پر اُبلتا پانی

﴿سورۃ الکہف آیت ۲۹﴾

وَاِنْ یَّسْتَغِیْثُوْا یُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ یَشْوِی الْوُجُوْهَ

اور اگر پانی کیلئے فریاد کریں گے تو ان کی فریاد اُسی پانی سے ہوگی جو چرخ دیئے ہوئے دھات کی طرح ہے جو ان کے منہ جلا دے گا۔

تخفیف عذاب ہو سکتی ہے

ایک اعتراض

بعض حضرات نے یہ نکتہ بھی پیدا فرمایا ہے کہ کفار و مُشرکین کے لئے تخفیف عذاب کا جواز موجود ہے اور وہ یہ دلیل ہے کہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے میلادِ مقدس کی اطلاع جب ابولہب کی کنیز حضرت ثویبہ نے اس کو دی تو اس نے آقائے نامدار کی ولادت کی خوشی میں اس کنیز کو آزاد کر دیا چنانچہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری کی خوشی ابولہب نے کی تھی اس لئے جس انگلی کے اشارے سے اس نے کنیز کو آزاد کیا تھا جہنم میں اس کی وہ انگلی ہر قسم کے عذاب سے مامون و محفوظ ہے اور اس کے چوسنے سے اسے تسکین حاصل ہوتی ہے۔

جواب

جواب اس اعتراض کا یہ ہے کہ پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی حدیث مرفوع نہیں بلکہ کسی دوسرے کے بھی خواب کا واقعہ ہے اور خواب کو قطعیت کا درجہ نہیں دیا جا سکتا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر اس خواب کو رویائے صادقہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو اس واقعہ سے قرآن مجید کی ان آیات سے تعارض نہیں پایا جاتا جن میں ہے کہ کفّار و مشرکین کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی کیونکہ ابولہب کو یہ رعایت پہلے دن سے ہی مل چکی تھی اور جس قدر اس کے لئے عذاب مخصوص ہونا تھا پہلے ہی ہو گیا تھا۔

اُس مخصوص عذاب میں اُنگلی کو بعد میں محفوظ نہیں کیا گیا بلکہ اسے جہنم میں ڈالا ہی اس خصوصی رعایت کے ساتھ تھا لہٰذا یہ اعتراض بالکل بے معنی اور لایعنی ہے ہاں البتہ اس واقعہ میں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دوزخی نہ ہونے کے کئی نمایاں پہلو موجود ہیں۔

اگر ہم حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ساتھ پوری زندگی میں پیش آنے والے واقعات کی تفصیل نہ بھی بیان کریں اور صرف اس ایک واقعہ کی یاد دہانی کرا دیں جو ہم سابقہ اوراق میں درج کر آئے ہیں تو بھی ابولہب کے اس قصّہ کی روشنی میں

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قطعی طور پر جہنم سے رہائی کی واضح ترین دلیل ہے۔

اور وہ واقعہ اس طرح ہے کہ:۔

جب سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت ہوئی تو سیدنا عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حجرہ مبارکہ میں تشریف لے گئے سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے بصد شادمانی و مسرت تاجدارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محترم دادا کی آغوش راحت میں ڈال دیا آپ نے بے پناہ مسرت کا اظہار فرما کر آپ کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گود میں دے کر فرمایا کہ یہ میرا بیٹا بڑی شان والا ہے اس کے میلاد کی خوشی میں تمام اہلِ مکہ کی ضیافت کرو تو پھر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جس طریقہ سے اس ضیافت کا اہتمام کیا کوئی فرماں روائے سلطنت بھی کیا کر سکے گا۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس قدر بکریاں اور اونٹ ذبح فرمائے کہ مکہ معظمہ اور قرب و جوار کے تمام تر شعوب و قبائل تین دن تک مسلسل شب و روز آپ کے گھر کھانا کھاتے رہے۔

بلکہ تواریخ میں آتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے انسانوں کے علاوہ شہر اور نواحِ شہر میں وحوش و طیور کی بھی مسلسل تین روز ضیافت کی۔

ابولہب اور ابوطالبؑ

اب اگر ابولہب کی انگلی اس لئے عذاب جہنم سے محفوظ ہے کہ اس نے انگلی کے اشارے سے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت باسعادت کی خوشی میں لونڈی کو آزاد کیا تھا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کا پورا جسدِ اطہر جہنم سے کیوں محفوظ تسلیم نہیں کیا جا سکتا جس نے اسی خوشی کے اظہار کے لئے تین روز مسلسل اونٹوں اور بھیڑ بکریوں کے گلے کے گلے ذبح کر کے ہزاروں لوگوں کو کھانا کھلایا اور تمام وحوش وطیور کی ضیافت کا اہتمام کیا

کیا اس سے بڑھ کر بھی سچی خوشی اور تعلق قلبی کو ظاہر کیا جا سکتا ہے اور پھر ابولہب اور ابوطالبؑ کے کردار وعمل کا تو موازنہ کرو۔

ابولہب وہ ہے کہ جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو معاذ اللہ گالیاں دیں جس کے صلہ میں قرآن نے اس کے ہاتھ ٹوٹ جانے کی وعید دی کتنی عجیب بات ہے کہ جس شخص کے لئے قرآن تبت یدا ابی لہب فرمائے یعنی ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں اس کی انگلی میں عذاب سے محفوظ رہے اور جس کے ہاتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کھانا کھلاتے ہوں آپ کا بستر بچھاتے ہوں آپ کی زلفیں سنوارتے ہوں آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں اونٹ اور بکریاں ذبح کرتے نہ تھکتے ہوں وہ جہنم میں جلایا جائے۔

قرآن کہتا ہے ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ جائیں کیا یہاں صرف اِصطلاحاً یہ جملہ فرمایا گیا ہے عام لوگ کچھ بھی گمان کریں لیکن اہلِ باطن جانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ نے یہ فرمادیا ہے کہ اس کے ہاتھ ٹوٹ جائیں تو وہ یقیناً ٹوٹ گئے۔

اور میلادِ مُصطفےٰ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی خوشی کا صلہ یہ ہے کہ ٹوٹے ہوئے ہاتھوں کی وہ انگلی سلامت بھی ہے اور عذاب سے محفوظ بھی جس کے اشارے سے کنیز کو آزاد کیا تھا۔

ہم اس مضمون کو مختصر کرتے ہوئے صرف ایک واقعہ پیش کرتے ہیں جس کی روشنی میں آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے کس مقام کا تعین کرنا ہے اور ابولہب کے لئے کونسا مقام تجویز کرنا ہے۔

محبت وعداوت کی وجہ

اخرج ابن عسا کر عن ابی زناد قال اصطرع ابو طالب و ابو لهب ابا طالب و جلس علی صدرہ ضمد النبی صلی اللّٰه علیه و آله وسلم بذوابات یومئذٍ غلامٌ فقال له ابو لهب انا عمك وهو عمك فلمِ اعنته علی؟ قال لانه احب الی منك فمن یومئذٍ عادیٰ ابو لهب النبی صلی اللّٰه علیه و آله وسلم۔

﴿خصائص کبریٰ جلد اول ص ۲۱۵﴾

روایت بیان کی ابن عساکر نے ابی زناد سے کہا کہ ابو
طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ابولہب کا آپس میں جھگڑا
ہو گیا اور ابولہب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سینے
پر بیٹھ گیا پس رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے ابو
لہب کو پیچھے سے پکڑ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
اس وقت بچے تھے پس ابولہب نے حضور صلی اللہ علیہ
وآلہ وسلم سے کہا کہ میں بھی آپ کا چچا ہوں اور وہ بھی
آپ کا چچا ہے پھر آپ نے اس کی حمایت کیوں کی
ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ
ہمیں اس کے ساتھ تجھ سے زیادہ محبت ہے اس دن
سے ابولہب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دشمن ہو گیا۔

قارئین کو اس عجیب واقعہ پر دعوتِ غور و فکر دیتے ہوئے اب ہم پھر
اپنے موضوع کی طرف لوٹتے ہیں یعنی ان روایات پر آخری گفتگو کرتے ہیں
جن میں ہے کہ ابو طالبؑ کو حضور صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے آگ میں غرق
پایا تو اُوپر کھینچ لیا یا یہ کہ قیامت کے دن آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم آپ
کی شفاعت فرمائیں گے۔

یہ معمہ حل کریں

قارئین کے سامنے ایسی متعدد آیاتِ قرآن مجید پیش کردی گئی ہیں جن کی روشنی میں کسی بھی کافر و مشرک کا مقام آسانی سے متعین کیا جاسکتا ہے

اب ذرا آپ بھی اس معمہ کو حل کرنے کی کوشش فرمائیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کافر و مشرک ہونے کا یقین رکھتے ہوئے ان روایات کو ان پر کس طرح منطبق کیا جاسکتا ہے نیز قرآن مجید کی ان متعدد آیات بینات کے ساتھ ان روایات کو کس طرح تطبیق دی جاسکتی ہے۔

کیونکہ قرآن مجید میں واضح طور پر ارشاد خداوندی موجود ہے کہ،

کفار و مشرکین کے تمام اعمال حبط کر لئے جائیں گے ان کی نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی اور ان کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی بلکہ ان کا عذاب اور زیادہ کیا جائے گا۔

جبکہ ان رواتیوں میں صاف طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عذاب میں تخفیف کردی گئی ہے اور اس کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ یہ صلہ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و نصرت اور حفاظت و صیانت کرنے کا۔

قرآن کہتا ہے کہ کفار و مشرکین جس عذاب میں مبتلا ہیں وہ ان کے لئے ہمیشہ رہے گا۔

مگر رواتیوں میں ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہنم کے گہرے طبقہ سے نکال لیا گیا ہے یا نکال لیا جائے گا۔

قرآن کہتا ہے کہ کفّار و مشرکین کی گردنوں میں آگ کی زنجیریں ہوں گی اور ان کے منہ میں پگھلتی ہوئی دھات پھینکی جائے گی۔

لیکن روایات میں ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاؤں آگ میں ہیں یا ان کی جوتیاں آگ کی ہیں۔

قُرآن فرماتا ہے کہ کفّار و مشرکین کے لئے سفارش و شفاعت کے دروازے بند کر کے انہیں مایوس کر دیا گیا ہے اور ان کی اولاد ان کے کام نہیں آئے گی۔

جبکہ روایت میں ہے کہ سرکارِ دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کام آئے اور انہیں درکِ اسفل سے نکال کر اُوپر لے آئے اور دوسری جگہ ہے کہ قیامت کو ان کی شفاعت فرمائیں گے۔

قرآن مجید کے ساتھ ان روایات کا تضاد و تصادم کون سے راستے کی نشاندہی کرتا ہے اس پر آپ بھی غور فرمائیں اِدھر اُدھر جانے کی ضرورت نہیں پورے خلوص کے ساتھ ایک ہی لائن پر سوچئے کیونکہ قرآن کریم نے اس بات کا قطعی فیصلہ کر دیا ہے کہ کفّار و مشرکین کے تمام اعمال حبط کر لئے جائیں گے اور نیکیاں ضائع کر دی جائیں گی اس لئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اعمال کو کافر و مشرک ہونے کی صورت میں کسی بھی رعایت کا

ذریعہ نہیں سمجھا جاسکتا یہ ایک فیصلہ شدہ امر ہے جس سے انکار کی گنجائش ہی نہیں۔

بلکہ خاص طور پر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کے معاملہ میں اور انہی روایات کی تشریح میں محدثین کرام اس کا اعتراف کرتے ہیں چنانچہ علامہ بدرالدین عینی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

عمدۃ القاری

فان قلت اعمال الکفرۃ هباء منثور الا فائدۃ فیها قلت هذا النفع من برکۃ رسول اللہ صلی اللہ علیه وآله وسلم وخصائصه

﴿شرح بخاری عمدۃ القاری جلد ۷ ص ۱۷﴾

تو اگر تو کہے کہ کافر کے تمام اعمال برباد محض ہیں اور یہ فائدہ؟ میں کہتا ہوں کہ یہ نفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برکت سے ہے اور یہ خصائص سے ہے۔

اور پھر اسی مقام پر اس روایت کی تائید کرتے ہوئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی شاہ احمد رضا خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ ارشاد فرماتے ہیں۔

شمول الاسلام

دلیل یہ ہے کہ صادق ومصدوق صلی اللہ

علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی کہ اہل نار میں سب

سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔

اب ہم پوچھتے ہیں کہ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر یہ تخفیف کس وجہ سے ہے آیا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یاری نہ غمخواری وخدمت گزاری کے باعث یا اس لئے کہ سید المحبوبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے طبعی محبت تھی حضور کو ان کی رعایت منظور تھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں۔

عم الرجل صنعوا بیہ

" آدمی کا چچا اس کے باپ کی بجائے ہوتا ہے "

رواہ الترمذی بسند حسن عن ابی ھریرۃ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وعن علی و الطبرانی الکبیر عن ابن عباس رضی اللہ تعالی عنھم

شق اول باطل ہے قال اللہ عزوجل وَقَدِمْنَا إِلَىٰ مَا عَمِلُوا مِنْ عَمَلٍ فَجَعَلْنَاهُ هَبَاءً مَّنثُورًا

صاف ارشاد ہوتا ہے کہ کافر کے سب عمل برباد محض ہیں۔

لاجرم شق ثانی ہی صحیح ہے اور یہی ان احادیث صحیحہ مذکورہ سے مستفاد عمل کی حقیقت تو یہاں تک تھی کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں سراپا آگ میں غرق پایا عمل نے نفع دیا ہوتا تو پہلے ہی کام آتا پھر خود

حضور کا ارشاد ہے کہ میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کے طبقہ زیریں میں ہوتا۔

یہ کیسی محبت ہے؟

علامہ بدر الدین عینی اور اعلیٰحضرت فاضل بریلوی رحمہم اللہ تعالیٰ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عذاب میں تخفیف کو ان کے اعمال کا صلہ ماننے سے انکار فرماتے ہیں حالانکہ روایات میں صاف طور پر یہ الفاظ موجود ہیں کہ ان کو ان کے ان نیک اعمال کا صلہ دیا گیا ہے جن کا دارومدار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت و نصرت حفاظت وصیانت اور آپ کے دشمنوں سے غضبناک ہو جانے پر تھا۔

ان دونوں حضرات کا خیال ہے کہ یہ رعایت اس لئے ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان سے محبتِ طبعی تھی اور یہ خیال ایک حد تک درست بھی ہے اور ہم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کی طبعی محبت نہ ماننے میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھتے یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے طبعی محبت تھی لیکن یہاں تو معاملہ اور بھی الجھ جاتا ہے کیونکہ قرآن مجید ہرگز اس کی اجازت نہیں دیتا کہ کفار و مشرکین سے محبت کا سلسلہ استوار رکھا جائے اور اس چیز سے تو عام مسلمانوں کو بھی منع فرما دیا گیا چہ جائیکہ رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کافر و مشرک کی محبت کا دم بھریں۔

آیت مبارکہ ما کان للنبی کے تحت ہم قرآن مجید کی متعدد آیات بینات اس سلسلہ میں پیش کر چکے ہیں جن میں واضح طور پر یہ فرامین الٰہیہ موجود ہیں کہ کفار و مشرکین سے ہر قسم کا ترک موالات اور انقطاع کلی کر لیا جائے ان سے تمام قسم کے تعلقات سے بریت کا اظہار کر لیا جائے اور یہ احکام اللہ تعالیٰ نے براہ راست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے اور ایسی مثالوں کے ساتھ پیش کئے ہیں کہ ہم نے ابراہیم خلیل علیہ السلام کو ان کے چچا آذر سے قطعی طور پر بریت کا حکم فرمایا۔

طبعی محبّت

اب اس مقام پر یہ نکتہ بھی قابل غور ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے چچا آذر کے دامن میں نیک اعمال تو ہرگز نہیں تھے لیکن حضرت خلیل علیہ السلام کو ان سے طبعی محبت ضروری تھی اور یہ طبعی محبت قرآن سے منصوص ہے اس لئے انکار کی کوئی گنجائش بھی نہیں کیونکہ اسی محبت کی وجہ سے ہی تو حضرت خلیل الرحمان علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اُن کے لئے دُعائے مغفرت کا وعدہ لیا تھا۔

بصورت دیگر آزر تو ان کے مشن میں روڑے اٹکانے والا تھا جب کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

مشن کو چلانے والے تھے۔

اب اس صورت میں پیغمبر کی کسی کافر مشرک کے ساتھ محبت طبعی کا ہونا اس کی نجات یا رعایت کا سبب تو ہرگز نہیں تسلیم کیا جاسکتا۔

بہر صورت ان روایات کا قرآن کریم سے عارضہ کسی بھی صورت میں رفع نہیں کیا جاسکتا علاوہ ازیں جو تضادات براہ راست ان روایات میں موجود ہیں وہ قارئین پر ظاہر ہو چکے ہیں یعنی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم نے فرمایا کہ ہم نے ابو طالب (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو جہنم کے نچلے طبقہ میں پایا تو انہیں اُوپر کھینچ لیا۔

اور دُوسری روایت میں ہے کہ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ جہنم کے طبقہ زیریں میں ہیں ہم قیامت کے دن ان کی مدد کو آئیں گے جہاں ان کے پاؤں آگ میں ہونگے ان اختلافات کو بھی چھوڑیئے ان روایات کا ایک اور طریقہ سے جائزہ لیں۔

سب سے کم عذاب ابوطالبؓ کو ہے

ان روایات میں واضح طور پر یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ تمام دُنیا سے ہلکا عذاب جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے لیکن بعض اسکی روایات اور بھی موجود ہیں جن میں آتا ہے کہ اس مقام پر کئی اور لوگ بھی ہونگے۔

چنانچہ تفسیر کبیر کی وہ روایت جسے ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں ہدیہ ناظرین ہے۔

تفسیر کبیر ﴿الرازی﴾

یروی ان رجلا اتی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وکان ابی فی الجاهلیة یصل الرحم ویقری الضیف ویمنع من ماله و این ابی فقال مات مشرکا قال نعم قال فی الضحضاح من النار۔

﴿تفسیر کبیر ج۱۶ ص ۲۰۹ مطبوعہ بیروت﴾

روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض پرداز ہوا کہ میرا باپ دَور جاہلیت میں صلہ رحمی کرتا تھا مہمان نوازی کرتا تھا اور اپنا مال لوگوں پر خرچ کرتا تھا اور میرا باپ کہاں ہے آپ نے پُوچھا کیا وہ مُشرک مرا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو آپ نے فرمایا کہ وہ مقام ضحضاح پر آگ میں ہے۔

یہ وہی مقامِ ضحضاح ہے جو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے مخصوص بتایا جاتا ہے اور اسی طرح بُخاری مُسلم کی روایت بھی ہے جس میں مطلق طور پر کسی کا نام لئے بغیر آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا ہے کہ سب سے کم عذاب والا دوزخی وہ ہے جس کی جوتیاں آگ ہوں گی۔

اندریں حالات جب کہ زیر بحث روایات میں یہ وضاحت صاف موجود ہے کہ سب سے کم عذاب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے تو پھر ان روایات کا کیا بنے گا جن میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دوسرے لوگوں کے لئے بھی اس جگہ کے متعلق ارشاد فرمایا ہے جہاں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ بتائے جاتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اس شدید عارضے کو دور کیا ہی نہیں جا سکتا۔

دُوسرا تصادم

اگر اب بھی ہمارے قارئین ان روایات کو محل نظر ماننے پر تیار نہ ہوں تو پھر ہم ان کی خدمت میں التماس کریں گے کہ ہم نے اب تک اپنے موقف میں جس قدر بھی دلائل دیئے ہیں ان سب کو نظر انداز فرماتے ہوئے ان روایات کا محض یہ ایک عارضہ دُور کر دیں جس کی تفصیل ہم اب پیش کرنے والے ہیں۔

دو میں سے ایک

بخاری وغیرہ میں آنے والی اس مشہور روایت کو آپ بھولے نہیں ہوں گے جس پر سابقہ اوراق میں بھرپور تبصرہ کرنے کے بعد ہم یہ ثابت کر

چکے ہیں کہ یہ روایت کسی بھی صورت میں صحت درجہ کو نہیں پہنچتی۔

اس روایت میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے اِستغفار شروع کی تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے وحی نازل فرمادی۔

مَاكَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِيْ قُرْبٰى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ۔

یعنی نبی اور ایمان والوں کو لائق نہیں کہ مشرکوں کی بخشش طلب کریں اگرچہ وہ رشتہ دار ہوں جب کہ ان پر ظاہر ہو چکا ہے کہ وہ اہلِ جحیم ہیں۔

﴿سورۃ التوبہ آیت ۱۱۳﴾

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ بخاری مسلم وغیرہ کی ایک حدیث میں تو یہ بتایا گیا ہے کہ منقولہ بالا آیت کریمہ اس وقت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی جب حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے لئے استغفار شروع فرمایا حالانکہ اس آیت کریمہ میں نا قابل استغفار لوگوں کے لئے جس مقام کا تعین کیا گیا ہے وہ مقام جحیم ہے جب کہ بخاری مسلم کی زیر بحث روایت حدیث ضحضاح میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جہنم کے ان دو طبقات کی نشاندہی ہوتی ہے

☆اوّل! جہنّم کا سب سے نچلا طبقہ:

☆دوم! جہنّم کا سب سے اوپر کا طبقہ

روایت کے الفاظ پھر پڑھ لیں

قال صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ھو فی ضحضاح من نار

ولو لا ان لکان فی الدرك الاسفل۔

چلتے چلتے درکِ اسفل کے متعلق بھی ایک حوالہ ملاحظہ فرمالیں مفسرین

زیرآیت اَلَیْسَ فِیْ جَھَنَّمَ مَثْوًی لِّلْمُتَکَبِّرِیْنَ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا قیامت کے دن متکبرین کا مقام درکِ اسفل ہوگا اب اندازہ فرمائیں کہ یہ متکبرین نمرود وفرعون وشداد وغیرہ ہوسکتے ہیں یا حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ؟

﴿درمنثور ج۵ ص۳۴۳﴾

واخرج عبد بن حمید و البیھقی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ان المتکبرین یوم القیامۃ یجعلون فی توابیت من نار یطبق علیھم و یجعلون فی الدرك اسفل من النار۔

جحیم کیا ہے؟

قرآنِ مجید میں آنے والی آیت طبقات جہنم کی تفسیر میں مفسرین

نے لکھا ہے کہ جہنم کا چھٹا طبقہ جحیم ہے اور پھر اس کے بعد ہاویہ ہے اور جحیم وہ طبقہ ہے جہاں ابو جہل ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ابو جہل لعین اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تعلقات کا موازنہ بھی فرمالیں اور متن بھی ملاحظہ کریں۔

واخرج ابن جریر و ابن المنذر و ابن ابی حاتم عن عکرمة رضی اللّٰہ عنه فی قوله سبعة ابواب قال لها سبعة اطباق واخرج ابن جریر و ابن المنذر عن ابن جریج رضی اللّٰہ عنه فی قوله لها سبعة ابواب قال اولها جهنم ثم لظی ثم الحطمة ثم السعیر ثم سقر ثم الجحیم ثم الهاویة والجحیم فیها ابو جهل۔

﴿الدر المنثور ج۶ ص ۳۹۳﴾

فیصلہ کریں

اب جب کہ یہ وضاحت کی جا چکی ہے کہ جحیم دوزخ کا چھٹا طبقہ ہے تو پھر بخاری مسلم کی ان روایات کے اس عارضے کو دور کرنے کی کوشش فرمائیں جن کا تذکرہ ہم متعدد بار کر چکے ہیں اور فیصلہ کریں کہ ان دونوں میں سے کون سی روایت درست ہے کیونکہ اگر روایت نمبر ۱ کو درست تسلیم کر لیا جائے تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہنم کے چھٹے طبقہ جحیم میں ہونا چاہیے معاذ اللہ اور اگر روایت نمبر ۲ کو درست مانتا ہے تو پہلی روایت

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جحیم نہیں بلکہ پہلا مقام درکِ اسفل ہے اور دوسرا مقام ضحضاح ہے۔

بہر کیف! ان ہر دو روایات کا باہمی تصادم کسی بھی صورت دور نہیں کیا جا سکتا علاوہ ازیں یہ امر بھی انتہائی قابلِ غور ہے کہ اگر اللہ تبارک وتعالیٰ نے فی الواقع حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مغفرت طلب کرنے سے منع کرتے ہوئے ان کے لئے مقام جحیم کا تعین کر رکھا ہے تو پھر یہ قطعی طور پر ناممکن ہے کہ انہیں درکِ اسفل سے مقام ضحضاح پر لایا جا سکتا کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے معاذ اللہ مشرک ہونے کی وجہ سے ان کے لئے استغفار طلب کرنے سے بھی روک رکھا ہے تو پھر خود ہی فیصلہ کریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ کام کیسے کر سکتے تھے جو ان کی شان کے بھی لائق نہ ہو اور قرآن کے اس فیصلہ پر بھی اثر انداز ہوتا ہو کہ اصحابِ جحیم کے لئے کسی بھی قسم کی کوئی رعایت نہیں۔

فیصلہ کُن گفتگو

اگرچہ ان زیر بحث روایات کے مزید بھی کئی پہلو ایسے ہیں جن پر بحث کی جا سکتی ہے تاہم مضمون کو انتہائی مختصر کرتے ہوئے بلکہ لپیٹتے ہوئے اور سمیٹتے ہوئے آخری وضاحت کر دی جاتی ہے ہمیں خداوند دو عالم کے فضل وعنایت سے پوری پوری اُمید ہے کہ مسئلہ سمجھنے میں کوئی اُلجھاو باقی نہیں رہے

گا اور حق واضح ہو جائے گا۔

ان روایات کے سلسلہ میں ہم صرف دو باتیں قارئین کی خدمت میں پیش کرنے پر اکتفاء کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے

یا ابن اخی واللہ لقد قال اخی الکلمۃ امرتہ ان یقولھا۔

یعنی اے میرے بھائی کے بیٹے اللہ کی قسم میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا جس کا آپ نے اسے ارشاد فرمایا تھا۔

﴿الاصابہ مدارج النبوۃ سیرت ابن ہشام وغیرہ﴾

دوسری یہ کہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا آپ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے پر امید ہیں؟ تو آپ نے فرمایا کہ کل الخیر ارجو من ربی یعنی ہمیں اللہ تبارک و تعالیٰ سے اس کے لئے ہر بھلائی کی امید ہے۔

﴿طبقات ابن سعد وغیرہ﴾

اور تیسری روایت ان سے یہ منسوب ہے کہ:۔

حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اس طرح استفسار فرمایا کہ وہ جو آپ کے گرد حصار بن کر رہتے تھے آپ کی حمایت و نصرت کرتے تھے۔

آپ کے لئے لوگوں سے غضبناک ہو جاتے تھے تو اس امر کا انہیں کچھ نفع ملا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہاں اگر ہم نہ ہوتے تو وہ جہنم کے طبقہ زیریں میں ہوتے اب ہم انہیں مقام ضحضاح پر لے آئے ہیں جہاں ان کے ٹخنے آگ میں ہیں یا یہ کہ قیامت کے دن ہم ان کی شفاعت کر کے جہنم کے گہرے طبقہ سے اوپر لے آئیں گے وغیرہ وغیرہ۔

﴿بخاری مسلم﴾

اب ان ہر سہ روایات میں ایک چیز قطعی طور پر مشترک ہے اور وہ یہ ہے کہ ان میں سے کوئی ایک روایت بھی ایسی نہیں جس سے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کفر و شرک کی بو آتی ہو ہاں البتہ تیسری روایت جس میں ایک ہی قسم کی کئی روایات شامل ہیں پہلی دو روایات سے صرف ایک مقام پر علیحدہ ہوتی ہے اور وہ مقام یہ ہے کہ اس میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے جہنم کا تعین کیا گیا ہے خواہ عذاب کم سے کم تر ہی سہی۔

اب ان تینوں روایتوں کو درست تسلیم کر لیا جائے تو ان میں مطابقت پیدا کرنے کا صرف ایک ہی ذریعہ ہو سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مومن و موحد ہونے کو پورے یقین کے ساتھ قبول کر لیا جائے۔

تصادم سے بچاؤ

اور صرف یہی ایک طریقہ ہے جس کی روشنی میں حدیث ضحضاح کو قرآن مجید سے متصادم ہونے سے بھی بچایا جا سکتا ہے ورنہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے آنے والی تمام تر روایات ایک طرف تو اجتماع الضدین ہو جائیں گی اور دوسری طرف حدیث ضحضاح کا قرآن مجید سے براہ راست عارضہ بدستور قائم رہے گا۔

اور اس عارضے کی تمام تر وجوہات ہم تفصیلاً سابقہ اوراق میں نقل کر ہی چکے ہیں یعنی کافر و مشرک کے اعمال بیکار محض ہیں ان کی نیکیاں حبط کر لی جائیں گی ان کے لئے شفاعت کے دروازے سے بند کئے جا چکے ہیں ان کے عذاب میں کمی نہیں ہو گی بلکہ ان کا عذاب زیادہ کیا جائے گا وغیرہ وغیرہ۔

اب اگر ہم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مومن و موحد تسلیم کر لیں تو قرآن مجید سے ان روایات کا ٹکراؤ قطعی طور پر ختم ہو جاتا ہے۔

کیونکہ جہنم میں مومنین کا ڈالا جانا اور پھر وہاں سے نکال لیا جانا فرامینِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منصوص ہے اور اس بات سے ہرگز ہرگز انکار نہیں کیا جا سکتا۔

مسلمانوں کو جہنم میں داخل کیے جانے اور پھر نکالے جانے کے متعلق بیشتر احادیث مبارکہ تقریباً تمام ہی کتب حدیث بخاری مسلم ترمذی مشکوۃ وغیرہ میں موجود ہیں اور یہ کوئی نزاعی مسئلہ بھی نہیں بہر حال چند روایات ملاحظہ ہوں۔

کلمہ گو مسلمان جہنم میں

وفی روایۃ البخاری من حدیث قتادۃ عن انس ثم اشفع فیحد لی حدا ثم اخرجھم من النار وادخلھم الجنۃ وفی روایۃ ثابت عند احمد فاقول ای رب امتی امتی فیقول اخرج من کان فی قلبہ مثقال شعیرۃ ثم حبۃ خردل ای من ایمان۔

ترجمہ!

اور بخاری میں حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت بیان کرتے ہیں۔ پھر ان کو آگ سے نکالا جائے گا اور جنت میں داخل کیا جائے گا اور ثابت کی روایت احمد بیان کرتے ہیں کہ پس آپ فرمائیں گے۔ یارب امتی امتی پھر فرمایا کہ نکال لیا جائے گا جہنم سے جس کے دل میں جو کے برابر ایمان ہوگا اور پھر جس کے دل میں رائی کے دانہ

کے برابر ایمان ہوگا۔

﴿بخاری شریف ج ۲ ص ۱۹۷۱ انوار محمدیہ ج ۱ ص ۲۶۲﴾

وہ مسلمان جن کا نام جہنّمی ہوگا

عن عمران ابن حصین قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم یخرج قوم من النار بشفاعۃ محمد فید خلون الجنۃ ویسمون الجھنمین۔

حضرت عمران ابن حصین روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی یعنی ہماری شفاعت سے ایک قوم آگ سے نکالی جائے گی اور ان کا نام جہنمین رکھا جائے گا۔

﴿مشکوۃ شریف ج ۱ ص ۵۱۰ بخاری شریف ج ۱ ص ۲۷۰﴾

کون رہا ہوگا ؟ علمِ مصطفےٰ

وعن عبد اللہ ابن مسعود قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انی لاعلم آخر اھل النار خروجا منھا و آخر اھل الجنۃ دخولاً

حضرت عبد اللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

ارشاد فرمایا میں جانتا ہوں دوزخ سے آخری نکلنے

والے کو اور جنت میں آخری داخل ہونے والے کو۔

(مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۵۱۰)

حضور اہل کبائر کی شفاعت کریں گے

عن انس ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا میری شفاعت

میری امت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔

(ترمذی ابوداؤد مشکوٰۃ شریف ص ۴۹۴)

حضور ابو طالب کی شفاعت کریں گے

گذشتہ اوراق میں آپ یہ حدیث ملاحظہ فرما چکے ہیں جس میں

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باوجود جہنمی کہنے کے بتایا گیا ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اُن کی شفاعت فرمائیں گے اب ان

احادیث کی روشنی میں قطعی طور پر نتیجہ ہو جاتا ہے جو کہ مسلمانوں کی ایک

جماعت وہ بھی ہے جس کا امام جہنمی ہے اور ان مذہبوں کی جماعت میں بیٹھ کر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد جو کہ حضرت علی علیہ السلام کی طرف

سے پورا پورا اختیار دیا گیا ہے اب اس صورت حالات کے پیش نظر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہنمی بتانے والی روایات سے بھی صاف طور پر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ آپ کو کفر و شرک وغیرہ کی وجہ سے جہنم میں داخل نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ نص صریح سے ثابت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم مشرکین کی شفاعت نہیں فرمائیں گے۔

بلکہ ان مسلمانوں کو جہنم سے نکالیں گے جن سے کبائر وغیرہ کا صدور ہوگا۔

لہٰذا یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مشرک بھی ہوں اور حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کی شفاعت بھی فرمائیں۔

کلمہ نہ پڑھنے والے مومن

ایک مفروضہ

اگرچہ ہے تو مفروضہ ہی تاہم چند لمحوں کے لئے اس کو تسلیم بھی کر لیا جائے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کلمہ نہیں پڑھا تب بھی آپ جنت میں جائیں گے کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کی شفاعت فرمائیں گے اور آپ کا شفاعت فرمانا دلیل ہے اس بات کی کہ آپ مومن ہیں۔

چنانچہ علامہ اسمٰعیل حقی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے متعلق ایک بیان

بھی فرماتے ہیں کہ آپ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن ہیں اور حضرت علامہ مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کی یوں تائید فرماتے ہیں۔

مرأت شرح مشکوٰۃ

خیال رہے کہ یہ چوتھی شفاعت ان لوگوں کے لئے ہے جو دنیا میں شرعی مومن نہیں تھے عند اللہ مومن تھے۔ ﴿الخ﴾

یہ وہ لوگ ہیں جن کے دل میں ایمان تھا مگر زبان سے اس کا اقرار نہیں کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک مومن ہیں شریعت میں کافر جیسے ابو طالب وغیرہ شریعت میں انہیں ساتر کہتے ہیں۔

﴿مراۃ جلد ہفتم ص ۴۲۱﴾

پھر لکھتے ہیں کہ:۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان ساترین کے متعلق تمہاری یہ چوتھی شفاعت قبول ہے مگر انہیں نکالنے کے لئے آپ کو تکلیف نہیں دی جائے گی کیونکہ وہ صراحۃً آپ کی اُمت میں داخل نہیں ہوئے اور دنیا میں ان پر شریعت کے احکام جاری نہیں ہوئے حتیٰ کہ اسلامی کفن دفن مخلصین مومنین اور ساترین میں یہ فرق کیا جائے گا کہ مخلصین تمہاری شفاعت سے اور تمہارے ہاتھوں سے نکلیں گے مگر ساترین تمہاری شفاعت سے تو نکلیں گے مگر تمہارے ہاتھوں سے نہیں کیونکہ دنیا میں تمہارا ہاتھ ان کے ہاتھ میں نہ تھا۔ ﴿مراۃ شرح مشکوٰۃ ج ۷ ص ۴۲۱﴾

حضرت ابو طالب ساتر نہیں

حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس توجیہ میں یہ ثابت کرتے ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ شرعی کافر ہیں لیکن عند اللہ مومن ہیں اور ان عند اللہ مومنین کو آپ ساترین کا نام دیتے ہیں اگرچہ آپ ان لوگوں کی نجات وشفاعت کے قائل ہیں اور ساترین کے لئے معیار شفاعت یہ بتاتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کی شفاعت تو ضرور فرمائیں گے اور اللہ تبارک وتعالیٰ اُنہیں نجات بھی دے گا۔

اب اس معیار کے پیش نظر اگر اس روایت کو بھی درست مان لیا جائے جس میں یہ الفاظ ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو جہنم کے نچلے طبقہ میں پایا تو اپنے ہاتھوں سے اوپر کھینچ لیا۔

تو صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ محض عند اللہ ہی مومن نہیں تھے بلکہ قطعی طور پر شرعی مومن تھے کیونکہ عند اللہ مومنین کو حضور اپنے ہاتھوں سے نہیں نکالیں گے بلکہ محض ان کی شفاعت وسفارش فرما فرمائیں گے جو یقیناً قبول ہو گی مگر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق تو یہ روایت بیان کی جاتی ہے کہ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اپنے ہاتھوں سے اوپر کھینچ لیا ہے یا کھینچ لیں گے اور شفاعت بھی فرمائیں گے۔

سب سے کم عذاب

ان متعدد روشن ترین شواہد کی موجودگی میں یہ گمان رکھنا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ معاذ اللہ کافر و مشرک تھے قطعی نادرست اور غلط محض ہے بلکہ ان کے صاحب ایمان ہونے پر سینکڑوں براہین و دلائل آفتاب نصف النہار سے بھی زیادہ روشن ہیں باقی تمام تر دلائل سے صرفِ نظر کرتے ہوئے آپ بس ایک دلیل سامنے رکھ لیں کہ ان کے خلاف جانے والی روایت میں یہ جملہ موجود ہے کہ تمام جہنمیوں سے کم عذاب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہے اور جہنم کی ہلکی سے ہلکی آنچ آپ تک پہنچے گی۔

اس جملہ سے قطعی طور پر واضح ہے کہ جہنم میں پھینکے جانے والے تمام لوگوں سے کم عذاب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہوگا چاہے وہ لوگ کافر و مشرک ہوں یا کلمہ گو مسلمان اب جس شخص کا عذاب تمام کلمہ پڑھنے والے مسلمانوں سے بھی کم ہو اس کے متعلق کیسے تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ کافر و مشرک تھا۔

اس بحث کو انہی الفاظ پر ختم کرتے ہوئے اب ہم اس سلسلہ کی دوسری اہم بحث پیش کرتے ہیں۔

اہلِ کبائر کی شفاعت

عن انس ان النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم قال
شفاعتی لاھل الکبائر من امتی
حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی
صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ میری شفاعت
میری اُمت کے کبیرہ گناہ والوں کے لئے ہے۔
﴿ترمذی ابوداؤد مشکوٰۃ ج ا ص ۵۱۳﴾

مشرک کی شفاعت نہیں ہوگی

عن عوف بن مالک قال قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ
وآلہٖ وسلم اتانی آت من عند ربی فخیرنی بین ان
یدخل نصف امتی الجنۃ وبین الشفاعۃ فاخترت
الشفاعۃ وھی لمن مات لا یشرک باللّٰہ شیئاً
عوف ابن مالکؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میرے پاس رَبّ
تعالیٰ کی طرف سے آنے والا آیا تو مجھے اس کا اختیار
دیا گیا کہ یا تو نصف اُمت کو جنت میں داخل کروا
دوں یا شفاعت کروں تو میں نے شفاعت کو اختیار کیا

اور میری شفاعت ہر اس شخص کو پہنچے گی جس نے شرک نہ کیا ہو۔

﴿ترمذی مشکوٰۃ شریف ج ۱ ص ۱۱۲، ابن ماجہ﴾

قوانینِ الٰہیہ کی پابندی

اِن دونوں رواتیوں سے صاف ظاہر ہے کہ حضور کبیرہ گناہ والوں کی شفاعت فرمائیں گے اور مشرکین کی شفاعت ہرگز نہیں فرمائیں گے حضور کا یہ فرمان سنتِ الٰہیہ اور قانونِ خداوندی کا ترجمان ہے کہ کوئی مشرک لائق سفارش و شفاعت نہیں یہ ایک اٹل دستور ہے جسے بہر صورت تسلیم کرنا ہوگا اگر آپ اپنے علم کے زور پر اس ناقابلِ ترمیم قانونِ خداوندی میں لچک پیدا کرنا چاہیں گے تو اس کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

اگر آپ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرک سمجھ کر تخفیفِ عذاب اور شفاعت کا مستحق سمجھتے ہیں تو یہ آپ کا اپنا اجتہاد ہوگا۔

قرآن و حدیث کی کوئی ایسی نص نہیں جس سے ثابت کیا جاسکے کہ مشرکین کے عذاب میں کمی ہوگی یا ان کے لئے شفاعت قبول کی جائے گی بلکہ اس کے برعکس سینکڑوں آیات قرآن مجید میں موجود ہیں کہ کسی مشرک کی نہ تو سفارش ہوگی اور نہ ہی اس کے عذاب میں تخفیف ہوگی اب اگر آپ بخاری شریف کی کلمہ نہ پڑھنے والی روایت پر یقین رکھنا چاہتے ہیں تو اس کا

صاف مطلب یہ ہے کہ آپ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشرک سمجھتے ہیں کیونکہ اس روایت میں ان کے مشرک ہونے کی وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو استغفار کرنے سے روکا گیا اگر واقعی آپ ایسا سمجھتے ہیں تو اس حدیث سے انکار کرنا ہوگا جس میں تخفیفِ عذاب کے متعلق آیا ہے کہ وہ غمراتِ نار اور درکِ اسفل میں تھے انہیں اُوپر کھینچ لیا گیا یا اوپر لائے جائیں گے یا قیامت میں ان کی سفارش وشفاعت ہوگی۔

یہ روایات ضعیف ہیں

عام طور پر ہمارے بعض عُلمائے کرام حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مومن مان لینے میں اس لئے بھی متامل نظر آتے ہیں کہ ان کے وقت وفات یا دوبارہ زندہ ہو کر کلمہ پڑھ لینے کے بارے میں جو روایات کتب احادیث میں موجود ہیں وہ ضعیف ہیں اور کتب صحاح میں موجود نہیں۔

کُتب احادیث کو صحاح یا غیر صحاح کا نام دینے کے متعلق ہم متعدد وضاحتیں پیش کر چکے ہیں اس لئے اس پر زیادہ زور نہیں دیں گے البتہ یہ وضاحت ضرور کریں گے کہ اگر ضعیف حدیث فضائل ومناقب میں ہو تو خلاف آنے والی صحیح حدیث کا ناسخ ہو جاتی ہے اور ہم یہ بات اپنے طور پر ہی نہیں کہتے بلکہ اس کے متعلق آئمہ حدیث کا فیصلہ موجود ہے جسے ابھی ابھی پیش خدمت کریں گے۔

حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کریمین کے (معاذ اللہ) مشرک اور جہنمی وغیرہ ہونے کے متعلق باعتبارِ رجال متعدد روایات صحیحہ مختلف کتبِ حدیث میں موجود ہیں اور ان کے برعکس ایک یہ روایت ضعیفہ بھی کئی کتابوں میں موجود ہے کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے والدِ گرامی اور والدہ کریمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو زندہ فرما کر دولت ایمان سے سرفراز فرمایا۔

اب اس ضعیف روایت کو ضعیف تسلیم کر کے اور اس کے خلاف آنے والی صحیح حدیثوں کو صحیح حدیثیں مان کر آئمہ محدثین اور حفاظ حدیث کی ایک جماعت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چونکہ سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین شریفین کے مومن ہونے کے حق میں آنے والی ضعیف روایت فضائل و مناقب میں شمار ہوتی ہے اس لئے یہ اپنے خلاف آنے والی تمام تر احادیث صحیحہ کو منسوخ قرار دیتی ہے۔

اب اگر آئمہ حدیث کا یہ فیصلہ درست ہے تو پھر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان کے حق میں آنے والی یہ روایات اگرچہ ضعیف بھی ہوں تو کیوں ناقابلِ قبول ہیں۔

کیا ان کو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منقبت پر محمول کر لینے سے شریعتِ مطہرہ نے روک رکھا ہے یا قرآن و حدیث کی کوئی نص مانع ہے جبکہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والدین کو زندہ کر کے مشرف بہ

ایمان کرنے والی روایات ہی میں ان کے ساتھ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی زندہ فرمانے کا ذکر موجود ہے۔

یہ کیا بات ہوئی کہ دو کو زندہ فرمالینا تسلیم کر لیا جائے اور تیسرے کے متعلق انکار کر دیا جائے علاوہ ازیں وقت وفات کلمہ پڑھ لینے والی ضعیف روایت کو درست تسلیم کر لینے میں کیوں تامل ہے جبکہ آئمہ حدیث فضائل و مناقب میں آنے والی ضعیف حدیثوں کو صحاح کا ناسخ قرار دیتے ہیں۔

ضعیف مگر صحیح کی ناسخ ہے

ان اللہ تعالیٰ احیاھما حتی آمنا بہ طائفۃ من الائمۃ و حفاظ الحدیث و استندوا الی حدیث ضعیف لا موضوع کالخطیب و ابن عساکر و ابن شاھین و السھیلی والمحب الطبری و علامہ ناصر الدین بن المنیر و ابن سید الناس و نقلہ عن بعض اھل علم و شرحا علیہ الصلاح الصفدی و الحافظ ابن ناصر و قد جعل ھؤلاء الائمۃ ھذا الاحدیث ناسخاً للاحدیث الواردۃ بما یخالفوا ونصوا علی انہ متاخر عنھا فلا تعارض بینہ و بینھا۔

وقال فی الدرر المنیفۃ جعلوہ ناسخا ولم یبالو بضعفہ لان الحدیث

الضعيف يعمل به في الفضائل و المناقب و هذا منها۔

بیشک اللہ تعالی نے آپ کے والدین کریمین کو زندہ فرمایا اور وہ آپ پر ایمان لائے آئمہ کرام اور حفاظ حدیث کے ایک گروہ نے اِستناد کیا کہ یہ حدیث موضوع نہیں ضعیف ہے جیسا کہ ابن عساکر' ابن شاہین سہیلی محب طبری علامہ ناصرالدین بن منیر ابن سید الناس کہتے ہیں اور نقل کیا بعض اہل علم نے اور شرح کی اس کی صلاح صفدی نے

اور حافظ ابن ناصر نے اور بیشک

اسی پر ہی یہ آئمہ کرام ہیں کہ یہ حدیث تمام مخالف وارد ہونے والی احادیث کی ناسخ ہے اور واضح کیا ہے کہ یہ حدیث متاخر ہے۔

تو اس کے اور ان کے روایات کے درمیان تعارض نہیں۔

اور دُرج مُنیفہ میں ہے کہ یہ ناسخ ہے اور وہ فضائل و مناقب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جاسکتا ہے اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

والدین کی منقبت ہے ﴾

﴿ سبیل النجاۃ زرقانی شرح مواہب ج ا ص ۱۴۶ ﴾

﴿ فتاویٰ رضویہ جلد پنجم ص ۵۱۶ ﴾

اعلیٰ حضرتؒ کا فیصلہ

زرقانی کی اس عبارت کے بعد اعلیٰ حضرت عظیم البرکت الشاہ احمد رضا خاں صاحب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاویٰ رضویہ میں رقمطراز ہیں کہ اجل آئمہ کرام اعاظم محدثین اعلام مثل ابن عساکر و امام ابن شاہین و ابوبکر خطیب بغدادی و امام محب الدین طبری و علامہ ابن الترمان و حافظ ابن ناصر و خاتم الحفاظ علامہ زرقانی وغیرہم نے حدیث احیاء ابوین کریمین کو باوصف ضعف در بارۂ فضائل ایسا معمول و مقبول مانا کہ اسے احادیث صحاح کا ناسخ جانا تو خود اس باب میں حدیث صحیح کی حاجت درکنار اس کے مقابل کے صحاح اس سے منسوخ ٹھہرائیں۔

یہاں اتنی بات کم ہے کہ علمائے کرام نے ضعیف کو صحیح سے اتنا مستغنی مانا کہ ناسخ جانا دعویٰ مذا سوید وشید ہو گیا اگرچہ ہم قائل نسخ نہ ہوں اور دوسرے طور پر صحاح کا معارضہ دفع کر کے ان ضعاف کو قبول کریں۔

﴿ العطایا النبویۃ فی الفتاویٰ الرضویۃ ج ا ص ۵۱۶ مؤلفہ اعلیٰحضرت بریلوی ﴾

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت مجدد مائۃ حاضرہ سیدنا الشاہ احمد رضا خاں

بریلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اس فیصلہ کے بعد کم از کم ہمارے گھر کے دوستوں کو بجائے اُلجھنے کے حق کو تسلیم کر لینا چاہیے۔

کسی بھی عظیم شخصیت کے متعلق بجائے بدگمانی کے حُسنِ ظن بہر صورت سلامتی کا راستہ ہے اور اس نکتہ کو بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو والہانہ محبت ہے اور مالک ومختار کائنات کا کسی شخص سے محبت فرمانا بیکار محض نہیں۔

بلکہ حقیقت یہ ہے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ والہانہ محبت اس امر کی متقضی ہے کہ آپ بھی ان کے ساتھ ایسی ہی والہانہ محبت کریں۔ اور یہ جبھی ممکن ہے کہ آپ انہیں صاحب ایمان تسلیم کریں نیز یہ کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرنا سنتِ مصطفےٰ ہے جب کہ ان کے ساتھ بغض رکھنا حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذا دینے کے مترادف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے والے پر اللہ تبارک وتعالیٰ لعنت فرماتا ہے خدا کرے کہ ہمارے احباب خُدا و مصطفیٰ جل وعلا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حلقۂ رحمت میں رہیں۔

یہ ایذائے مصطفیٰ ﷺ ہے

تفسیر نعیمی

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر لعنت ہرگز جائز نہیں اس لئے کہ ان کے کفر پر مرنے کی کوئی یقینی دلیل نہیں بلکہ شیخ عبدالحق نے مدارج میں ان کے ایمان پر موت کی روایت نقل کی ہے۔

نیز روح البیان نے ایک جگہ ان کا بعد موت زندہ ہونا اور ایمان لانا ثابت کیا ہے بفرضِ محال اگر ان کی موت کفر پر بھی ہوئی تب بھی چونکہ انہوں نے حضور علیہ السلام کی بہت خدمت کی اور حضور کو ان سے بہت محبت تھی اس لئے ان کو برا کہنا حضور کی ایذا کا باعث ہوگا ان کا ذکر خیر ہی سے کرو یا پھر خاموش رہو۔

﴿تفسیر نعیمی جلد دوم ص ۱۰۶﴾

ایذائے مصطفےٰ کی سزا

مفتی احمد یار خاں رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو برا کہنا بھی سرکار دو عالم صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اذیت کا سبب ہے۔

اب اندازہ فرمائیں کہ جب ان کو بُرا کہنا سرکار کی اذیت کا سبب ہے تو ان کو کافر و مشرک کہنا اور سمجھنا سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کیسے گوارا ہوگا۔

کیا یہ بتانے کی ضرورت ہے کہ ایذائے مُصطفیٰ کی سزا کیا ہے صرف ایک آیت کریمہ ملاحظہ فرمایئے۔

﴿احزاب آیت نمبر ۱۲۷﴾

اِنَّ الَّذِیْنَ یُؤْذُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ۔

تحقیق جو لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کو ایذا دیتے ہیں ان پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے دُنیا اور آخرت میں۔

تصور نہیں حقیقت ہے

صاحب رُوح البیان علامہ اسماعیل حقی اور صاحب تفسیر نعیمی مفتی احمد یار خاں صاحب نے محض تصوراتی طور پر ہی نہیں لکھ دیا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بُرے الفاظ استعمال کرنا ایذائے مُصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سبب ہے بلکہ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بُرائی سے یاد کرنا فی الواقع حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ

وآلہٖ وسلم کو ایذا دینے کے مترادف ہے۔

ہمارے اِس دعوے کی تائید و تصدیق ان چند واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے آسانی سے ہو سکتی ہے۔

نمبر ایک:۔ حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت کرتے ہیں اور محبت ہمیشہ اس چیز سے کی جاتی ہے جو پسندیدہ ہو اور یہ بھی قطعی بات ہے کہ جب کسی کی پسندیدہ چیز کو ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا جائے گا تو وہ خوش نہیں ہو گا بلکہ اسے یقیناً تکلیف ہو گی۔

نمبر دو:۔ حضور امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نہ صرف بمنزلہ باپ کے سمجھتے تھے بلکہ آپ نے ہمیشہ ان کے اس رشتہ ابوت کا تذکرہ احترام سے کیا ہے اور جب آپ کسی کے باپ پر طعن کریں گے تو اسے یہ حرکت یقیناً ناگوار گزرے گی۔

شق نمبر ایک کے جواز میں ان چند حقائق پر غور فرمائیں۔

اوّل:۔ مخالفین کے مطابق قرآن مجید میں یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی "اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ" جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے محبت فرماتے تھے۔

دوم:۔ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات کے بعد ان سے اپنی محبت کا تذکرہ متعدد بار کیا ہے اس سلسلہ میں چند واقعات ملاحظہ فرمائیں۔

الف:۔ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عقیل ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو فرمایا کرتے تھے کہ ہمیں آپ سے دوہری محبت ہے ایک محبت تو اس لئے ہے کہ آپ میرے چچا زاد بھائی ہیں اور دوسری محبت اس لئے ہے کہ ہمارے چچا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ آپ سے محبت کرتے تھے۔

ب:۔ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زوجہ محترمہ سیدہ فاطمۃ الزہرا سلام اللہ علیہا کے وصال پر فرمایا کہ یہ میری ماں کے بعد ماں تھیں اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد سب سے زیادہ اچھا سلوک کرنے والی یہی تھیں۔

ج:۔ قرآن مجید کی سورۃ والضحیٰ کی آیت کریمہ "ضالاً فهدیٰ" کے تحت مفسرین قرآن نے لکھا ہے کہ یہاں "ضال" سے مراد سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی محبت میں مستغرق ہوتا ہے۔

د:۔ جب اعرابی کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے

بارش کی دعا فرمائی اور اسی وقت بارش شروع ہو گئی تو آپ نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نعتیہ اشعار سننے کی فرمائش بھی کی اور یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خُوبی ہوا گر وہ آج زندہ ہوتے تو انہیں کتنی خُوشی ہوتی۔

بہر کیف! سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ساتھ محبّت کے موضوع پر ہزاروں صفحات لکھے جا سکتے ہیں اس لئے کہ اس لافانی محبت کی کہانی اس قدر طویل ہے کہ جس کا اختتام محشر کے دن بھی نہیں ہو سکے گا۔

علاوہ ازیں! مفسّرین کرام لکھتے ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایمان پر اگر دلائل نہ بھی موجود ہوں تو انہیں کافر کہنے سے گریز کرنا چاہئے کیونکہ ایسا کرنے سے علویوں کو اذیّت ہوتی ہے اور علویوں کو اذیت دینا یقیناً حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو اذیت دینا ہے اور حضرت علی کو اذیّت دینا حضور تاجدار مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اذیت دینے کے مترادف ہے اور اس پر یہ فرمانِ مصطفےٰ شاہد عدل ہے کہ

"من آذیٰ علیا فقد اذانی"

اللہ تبارک وتعالیٰ مسلمانوں کو اپنی لعنت کے دائرہ میں آنے سے محفوظ رکھے اور سایۂ دامانِ رحمت مصطفےٰ علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام نصیب فرمائے نیز ان لوگوں سے محبت کرنے کے سلیقہ سے سرفراز فرمائے

جن سے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو محبت ہے۔

اس لئے کہ محبوب کی محبوب چیزوں کو محبوب دیکھنا ہی خوشنودی محبوب حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ہے جب کہ محبوب کی محبوب چیزوں کو نگاہِ حقارت وتنفر سے دیکھنا محبوب کے ذوق کی توہین کرنے کے مترادف ہے۔

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو شریف کا سالن مرغوب تھا ایک عباسی خلیفہ نے قاضی وقت سے پوچھا کہ ہمارے مطبخ کے لیے کسی ایسے بہترین قسم کے سالن انتخاب فرمائیں جس سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی رغبت فرماتے ہوں قاضی نے کہا کہ کدو شریف خلیفہ نے باورچی کو بلا کر فرمایا کہ کدو شریف کو خصوصیت کے ساتھ زینتِ مطبخ بنایا جائے باورچی نے ناک بھوں چڑھا کر کہا کہ حضور والا کدو بھی کوئی ایسی خوراک ہے جسے شاملِ مطبخ میں شامل کیا جائے باورچی کا یہ تبصرہ قاضی القضاۃ پر بم بن کر گرا آپ کا چہرہ غصے کی زیادتی سے کندن کی طرح تمتمانے لگا اور آپ شدتِ جذبات سے مغلوب ہو کر اٹھ کر کھڑے ہو گئے خلیفہ نے قاضی وقت کے تیور دیکھ کر کہا کہ آپ تشریف رکھیں اور اس باورچی کی شرعی سزا تجویز فرمائیں قاضی صاحب لاحول ولا قوۃ کا ورد کرتے ہوئے بیٹھ گئے اور جب غصہ پر قابو پا چکے تو فرمایا کہ اس کی شرعی سزا صرف اور صرف یہ ہے کہ اسے قتل کر دیا جائے باورچی چونکہ اصل صورت حالات سے ناواقف تھا اور نہیں جانتا تھا کہ کدو شریف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مرغوب ہے اس لئے اس نے اس کے اس

عذر کے پیش نظر اس کو چھوڑ دیا گیا۔

اندازہ فرمائیں کہ محبوب کی مرغوب غذا کے متعلق غلط گمان رکھنے کی شرعی سزا قتل ہے تو جس ہستی والا قدر کے ساتھ حضور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والہانہ محبت کا یہ عالم ہو کہ اس سے ایک لمحہ کی علیحدگی بھی آپ کو شاق گزرتی ہو اس کے متعلق غلط نظریات قائم کرنے کی سزا کیا ہو سکتی ہے؟

تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس نے ہمارے ایک بال کو بھی اذیت دی اس نے ہمیں اذیت دی اور جس نے ہمیں ایذا پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت دی۔

من آذی شعرة منی فقد اذانی ومن اذانی فقد اذی اللہ۔

سلامتی کا راستہ

زیب عنوان روایت پوری شرح وبسط کے ساتھ زیر تبصرہ آ چکی ہے اور حتی الامکان اس کا ہر گوشہ اُجاگر کیا جا چکا ہے اس لئے ہمیں پورے طور پر اعتماد و یقین ہے کہ جس خلوص و دیانت کے ساتھ ہم نے یہ حقائق پیش کئے ہیں ہمارے قارئین بھی ایسے ہی خلوص اور فراخ دلی کے ساتھ انہیں اپنے قلوب واذہان میں جگہ دینے کی کوشش فرمائیں گے چنانچہ ہم معزز قارئین کی خدمت میں التماس کریں گے کہ اگر آپ کا دل بلا جبر واکراہ قبول کرلے کہ

فلاح کا راستہ وہی ہے جس کی ہم نے نشاندہی کر دی ہے تو دِل کے ساتھ
زبان کو بھی اس حقیقت کے اقرار پر مائل فرمائیں اور کسی بھی قسم کے بخل کا
مظاہرہ نہ کریں امیر المومنین سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم کے والدِ محترم کے
ساتھ والہانہ محبت کا ثبوت دے کر لگاؤ مرتضوی کا مورد بنیں اور اس قسم کی
محبت دائرہ اسلام میں رہتے ہوئے آپ اسی صورت میں کر سکتے ہیں کہ
حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ناجی اور مومن تصوّر کریں بصورتِ دیگر
اگر آپ انہیں معاذ اللہ کافر و مشرک اور جہنمی سمجھتے ہوئے ان کے ساتھ محبت
کا اظہار کریں گے تو یہ قرآنی نصوص کی تکذیب و تردید اور خداوندِ قدوس جل
مجدہٗ الکریم سے جنگ کرنے کے مترادف ہوگا۔

بابِ چہاردہم

☆ مومن کافر کا وارث نہیں ؟
☆ قرآن کیا فرماتا ہے
☆ حضرت علیؑ اور حضرت جعفر کہاں تھے؟
☆ ایسی عجیب روایت جسے راوی نے خود مرتّب کیا
☆ حضرت عقیلؓ نے مکان کب فروخت کیے؟
☆ شارحین اس روایت کو بھی مخدوش قرار دیتے ہیں

مومن کافر کا وارث نہیں

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدم ایمان کے متعلق آنے والی دیگر روایات کی طرح درج ذیل روایات بھی مجموعۂ اضداد اور ناقابل فہم ہیں۔

قبل ازیں ہم ان روایتوں کو بغیر کسی قسم کے تبصرہ کے تضادات روایات کے عنوان سے نقل کر چکے ہیں اب ناقابل تردید حقائق پر مبنی تبصرہ کے ساتھ ہدیۂ قارئین ہیں۔

راویان حدیث: اصبغ، ابن وہب، یونس، ابن شہاب زہری، علی بن حسین، عمر بن عثمان، حضرت اُسامہ بن زید سے روایت ہے کہ،

حدثنا اصبغ قال اخبرني ابن وهب عن يونس عن ابن شهاب عن علي بن حسين عن عمرو بن عثمان عن اسامة ابن زيد انه قال يا رسول الله اين تنزل في دارك بمكته ؟ فقال وهل ترك عقيل من رباع اوردو كان عقيل ورث ابي طالب هو وطالب و لم يرثه جعفر ولا علي شيئا لانهما كانا مسلمين وكان عقيل و طالب كافرين فكان عمر بن الخطاب يقول لا يرث المومن الكافر ـ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ آپ مکہ معظمہ میں اپنے مکان میں کہاں قیام فرمائیں گے؟

آپ نے ارشاد فرمایا کہ! عقیل نے ہمارے لئے مکانوں وغیرہ سے کیا چھوڑا ہے۔

اپنا خیال

حضرت عقیل اور طالب جناب ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث تھے جب کہ حضرت جعفر اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اپنے باپ کی وراثت سے کوئی چیز نہیں لی کیونکہ مؤخر الذکر دونوں مسلمان تھے اور پہلے دونوں کافر تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہا کرتے تھے کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہوتا۔

ابن شہاب زہری کہتے ہیں اور پہلے تاویل کرنے والوں نے بھی کہا

قال ابن شہاب وکانوا یتاولون قول اللہ عز و جل ! إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ الآیۃ۔

وباب نزول النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال ابو عبد اللہ نسبت الدور و تباع و تشتری۔

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور مہاجر ہوئے اور اللہ کی راہ میں جانوں اور مالوں سے لڑے جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

باب مکہ معظمہ میں رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی تشریف آوری کا۔

ابو عبداللہ بخاری نے کہا کہ مکانوں کی نسبت عقیل کی طرف ہے اور وہ ان کی خرید و فروخت کے وارث تھے۔

﴿بخاری شریف جلد اول ص ۳۱۶ کتاب لمناسک﴾

روایت نمبر دو

روایت نمبر ۲:۔ راویان حدیث سلیمان، عبد الرحمٰن، سعدان بن یحییٰ، محمد بن ابی حفصہ، زہری، علی بن حسین، عمر بن عثمان۔

حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فتح مکہ

حدثنا سليمان بن عبد الرحمٰن قال حد ثنا سعد ان بن يحيىٰ قال حدثنا محمد بن ابی حفصه عن الزهری عن علی بن الحسين عن عمرو بن عثمان عن اسا مه بن زيد انه قال زمن الفتح يا رسول الله صلى الله عليه و آله وسلم اين تنزل غدا قال النبی صلى الله عليه و آله وسلم وهل تر كلنا عقيل من منزل، ثم قال لا يرث المو من الكافر و لا

سے کہ زمانہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا گیا کہ کل آپ کہاں قیام فرمائیں گے؟

تو آپ نے جواب دیا کہ ہمارے ٹھہرنے کے لئے عقیل نے کیا باقی چھوڑا ہے پھر فرمایا کہ نہ تو مومن کافر کا وارث ہے اور نہ ہی کافر مومن کا وارث ہے۔

کہتے ہیں

زہری کہتے ہیں کہ جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ورثہ عقیل اور طالب کو ملا تھا۔

عمر نے زہری سے روایت کی ہے کہ کہاں قیام کیا اگلے روز حج میں اور یونس نے نہ تو حج کے موقعہ پر اور نہ ہی فتح مکہ کے موقع پر یہ الفاظ کہے ہیں

واقف نہیں ہو سکتا ایک اعتراف

امام بخاری کی بیان کردہ توریث ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور

یرث الکافر المومن قیل الزهری و من ورث ابا طالب قال ورثه عقیل و طالب قال معمر عن الزهری این تنزل غدا فی حجة ولم یقل یو نس حجة ولا زمن الفتح۔

﴿بخاری شریف جلد دوم ص ۱۱۴، کتاب المغازی مسلم شریف جلد اول ص ۳۲۶﴾

دخولِ مکہ کی روایت کے متعلق شارح بخاری حافظ ابن حجر عسقلانی پہلے اس روایت کے راویوں کا تعارف پیش کرتے ہیں اور بعد مزید تشریح کرتے ہوئے رقمطراز ہیں۔

راویانِ حدیث سلیمان بن عبدالرحمٰن اور یا ابن بنت شرجیل کے نام سے معروف ہے اور سعدان بن یحیٰ بن لخمی کی ابو یحیٰ کوفی ہے جو دمشق میں آ کر رہا اور سعدان اس کا لقب ہے اور وہ صدوق ہے اور دار قطنی نے کہا ہے کہ بخاری نے اس موقع کے علاوہ اس سے کوئی روایت نہیں لی اور اس کا استاد محمد بن ابی حفصہ ہے اور ابی حفصہ کا نام میسرہ بصری ہے۔

حدثنا سلیمان بن عبد الرحمٰن هو المعروف با بن بنت شرجيل و سعدان بن يحيٰى هو سعيد بن يحيٰى بن اللخمى ابو يحيٰى الكوفى نزيل دمشق و سعدان لقبه و هو صدوق و اشار الدار قطنى الى ان و ما له فى البخارى سوا هذ الموضع و شيخه محمد بن ابى حفصة و اسم ابى حفصة ميسرة بصرى يكنى آبا سلمه صدوق ضعفه النسائى و ما له فى البخارى سوى هذا الحديث و آخر فى الحج قرنه فيه بغيره۔

قوله قيل للزهرى من ورث ابا طالب السائل عن ذالك لم اقف اسمه قوله ورثه عقيل و طالب و كان عقيل وارث ابا طالب هو و طالب و لم يرث جعفر و لا على شيا لا نهما كان مسلمين و كان عقيل و طالب كافرين انتهى

اس کی کنیت ابو سلمہ ہے یہ صدوق ہے امام نسائی نے اسے ضعیف کہا ہے اور بخاری نے اس سے بھی سوائے اس روایت کے اور کوئی روایت نہیں لی۔

قولہ قیل للزهری من ورث ابا طالب یعنی بخاری کا قول کہ زہری نے وراثت ابی طالب کے بارے میں کہا سائل اتنا کہنے سے اس کے نام سے واقف نہیں ہو سکتا۔

والدِ مصطفیٰ کی وراثت

قولہ ورثہ عقیل وطالب یعنی یہ قول کو عقیل وطالب وارث ہونے اور عقیل وطالب حضرت ابو طالب کے وارث تھے اور اس وراثت میں سے جعفر وعلی رضی اللہ عنہما نے کچھ نہیں لیا کیونکہ وہ مسلمان تھے اور عقیل وطالب کافر تھے۔

اور اس میں دلیل ہے کہ یہ حکم ابتدائے اسلام کے وقت کا ہے کیونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہجرت سے پہلے انتقال کیا اور اس کا احتمال ہے کہ یہ بات ہجرت کے وقت ہوئی ہو کیونکہ جب یہ واقعہ پیش آیا عقیل اور طالب ہی جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کے متولی تھے۔

اور بے شک حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی کو رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی جناب عبد اللہ ابن عبد المطلب کی میراث ملی تھی کیونکہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہما آپس میں سگے بھائی تھے۔

اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دادا حضرت عبد المطلب کی وفات کے بعد اپنے چچا ابو طالب کے پاس آ گئے تھے پھر اس کے بعد ہجرت کا واقعہ ظہور میں آ گیا اور طالب بن ابی طالب نے اسلام قبول نہیں کیا جب کہ حضرت عقیل آخر میں اسلام لے آئے اور عقیل ہی حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بعد ان کے متولی ہوئے اور طالب نے جنگ بدر کے موقعہ پر وفات پائی۔

وهذا يدل على تقدم هذا الحكم في اوائل الا لام لان ابا طالب مات قبل الهجرة و يحتمل ان تكون الهجرة لما وقعت استولى عقيل و طالب على ما خلفه ابو طالب قد وضع يده على ما خلفه عبد الله والد النبي صلى الله عليه وآله وسلم لانه كان شقيقه و كان النبي صلى الله عليه وآله وسلم عند ابي طالب بعد موت جده عبد المطلب فلما مات ابو طالب ثم وقعت با لهجرة ولم يسلم طالب وتا خر اسلام عقيل استو ليا على ما خلف ابو طالب ومات طالب قبل بدر۔

﴿فتح الباری شرح بخاری ج ۷ ص ۳۹﴾

"وتاخر عقیل" پس جب اسلام کا یہ حکم مقرر ہو گیا کہ کافر کی وراثت سے مُسلمان کچھ نہیں لے سکتا اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد جناب عقیل کے قبضہ میں تھی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اشارہ اسی طرف ہے۔

اور یہ کہ عقیل نے تمام مکانات فروخت کر دیئے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تقریر میں عقیل نے اختلاف کیا ہے اس پر جو اس کے لئے خاص کیا گیا ہے اور وہ یہ ہے کہ جو جائیداد باقی بچی تھی وہ چھوڑ دی گئی اور کہا کہ اس کی تالیف قلبی کے لئے اس کے پاس رہنے دی اور کہا کہ زمانہ جاہلیت کا یہ تصرف جائز ہے جیسا کہ تمہارے نکاح اور یہ قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہمارے لئے مکانوں میں سے عقیل نے کیا چھوڑا ہے اور اس میں اشارا ہے کہ اگر ان مکانوں کو نہ فروخت کیا ہوتا تو وہیں قیام فرماتے۔

وتاخر عقیل فلما تقرر حکم الاسلام تبرک توریث المسلم من الکافر استمر ذالک بید عقیل فاشار النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم الی ذالک وکان عقیل قد باع تلک الدور کلها واختلف فی تقریر النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم عقیلا علی ما یخصصہ ھو فقیل ترک لہ تفضلا علیہ وقیل استمالتہ لہ وتالیفا وقیل تصحیحا التصرفات الجاھلیۃ کما تصحح انکحتھم۔

کیسا تعاقب ہے ؟

اوراس میں خطابی کے اس قول کا تعاقب ہے جو اس نے کہا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہجرت کے زمانہ سے چھوڑے ہوئے مکانوں میں اس لئے قیام نہیں فرمایا کیونکہ جب اللہ تعالی کے لئے ہجرت کی جائے تو پھر ان اشیا کی طرف رجوع نہیں کیا جاتا جو اللہ تبارک وتعالی کے لئے چھوڑ دی جائیں اوراس کلام کا محل نظر ہونا پوشیدہ نہیں جب کہ یہ ظاہر ہے کہ اپنے گھروں کو چھوڑ کر جانے والے وہ لوگ جن کے ساتھ یہ مخصوص ہے وہ واپس آکر اپنے گھروں میں رہے اور مہاجرین نے ان شہروں میں اقامت اختیار کی جہاں سے انہوں نے ہجرت کی تھی جیسا کہ ہجرت کے ابواب میں بتایا جا چکا ہے۔

وفی قوله و هل ترك لنا عقيل من دار اشارة الی انه لو ترکها بغير بيع لنزل فيها و فيه تعقب على الخطابی حيث قال انما لم ينزل النبی صلی الله علية فيها لا نها دور هجر وها فی الله تعالیٰ بالهجرة فلم يران يرجع فی شی ترکه لله تعالیٰ و فی کلامه نظر لا يخفی و الا ظهر ما قدمته و ان الذی يختص بالترك انما هو اقامة المهاجر فی البلد التی اجر منها کما تقدم تقريره فی ابوابه الهجرة لا مجرد نزولها فی دار يملکها اذا قام المدة الماذون له فيها وهی ايام النسك و ثلاثه ايام بعده و الله علم۔

﴿فتح الباری شرح بخاری ج ۷ص ۳۹﴾

اور ان مکانوں میں آ کر ٹھہرنا مجرد نہیں جو ان کی ملکیت تھے جبکہ وہ مدت قیام تک اس کے لئے اجازت دیے گئے ہوں اور ایام نسک ہیں اور ان کے تین دن بعد ان کے علاوہ ہیں۔

خود تجزیہ فرمائیں

اس سے پہلے کہ اس روایت کے تار و پود بکھیر کر رکھ دینے والے ناقابل تردید حقائق و شواہد قارئین کے سامنے لائیں یہ بتا دینا ناگزیر معلوم ہوتا ہے کہ اگر آپ معمول سے غور و فکر سے کام لے کر اس روایت کا تجزیہ کرنے کی خود بھی کوشش فرمائیں گے تو یقیناً روایت ہذا کے مرتبین کرام کے اس ذہنی خلجان کو محسوس کر لیں گے جس کا اظہار واقعات کی بے ترتیبی سے واضح طور پر ہو رہا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب بھی کسی روایت کو بیان کرتے وقت راویان اس میں اپنے تصورات و تخیلات کا بھی عمل دخل رکھیں گے تو یقینی امر ہے کہ کسی نہ کسی مقام پر جھول پیدا ہو جائے یہی وجہ ہے کہ امام ابن حجر عسقلانی جیسے بخاری نواز محدث بھی اس روایت کی شرح کرتے وقت اپنے اضطراب کو چھپانے پر قادر نہ ہو سکے اور یہ الفاظ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ اس میں فلاں ٹکڑا ابن شہاب زہری کے ذاتی خیال پر مبنی ہے اور فلاں بات ابو عبداللہ امام بخاری کا اپنا تخیل ہے وغیرہ وغیرہ۔

امام ابنِ حجر عسقلانی کی بات بھی چھوڑ دیئے ان تمام امور کا اظہار خود امام بخاری کو بھی کرنا پڑا ہے۔

اب آپ ان حقائق و شواہد کا تعارف حاصل کریں جن کی روشنی میں قطعی طور پر وضاحت ہو جاتی ہے کہ اس روایت کا ہر گوشہ محلِ نظر اور اختلاج قلبی کا باعث ہے۔

جعفر و علی کہاں تھے؟

منقولا بالا بخاری مسلم میں آنے والی روایت پر تبصرہ کرنے سے پہلے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قارئین کے سامنے اس حقیقت کو بھی پیش کر دیا جائے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وراثت سیدنا جعفر طیار اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو کیوں نہ ملی چنانچہ اس کے متعلق تاریخی حقائق یہ ہیں۔

تمام معتبر کتب تواریخ و سیر میں بالاتفاق یہ واقعہ درج ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کثیر العیال اور غیور ہونے کی وجہ سے اکثر افلاس کا شکار رہتے تھے چنانچہ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نکاح مبارک حضرت سیدہ خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ساتھ ہو گیا اور حضور سرور کائنات علیہ تحیۃ والصلوٰۃ انہیں کے گھر تشریف لے گئے تو ایک روز آپ نے اپنے چچا حضرت عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مشورہ دیا کہ

آپ کے بھائی کثیر العیال ہیں بہتر یہ ہے کہ ان کا کچھ بوجھ ہلکا کر دیا جائے

جناب عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاد کو فوراً قبول کر لیا اور سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے گھر لے آئے جب کہ حضور رسالت مآب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کی کفالت اپنے ذمہ لے لی۔

مندرجہ بالا واقعہ کو ذہن نشین رکھتے ہوئے اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال کے وقت حضرت جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہاں تھے؟

اور حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ان پہلے مہاجرین میں سے ہیں جنھوں نے حبشہ کی جانب ہجرت فرمائی تھی اور آپ فتح خیبر کے روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حبشہ سے واپس آ کر ملے تھے۔

وکان جعفر من المهاجرين الاولين هاجر الى
الارض الحبشة وقدم منها على رسول الله صلى الله
عليه وآله وسلم حين فتح خيبر

﴿الاستیعاب جلد اول ص ۲۱۱﴾

سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہجرت کر کے حبشہ میں جانا اور پھر وہاں سے فتح خیبر کے روز تشریف لانا تمام تر ثقہ کتب میں موجود ہے اس کے برعکس کوئی دوسری روایت موجود نہیں اس لئے ہم اس مقام پر مزید روایات

نقل کرنے سے اعراض کرتے ہوئے قارئین کو صرف یہ بتائیں گے کہ ہجرت حبشہ بعثت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتویں سال یعنی حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال سے تین سال قبل ہوئی تھی اور پھر اس واقعہ سے تقریباً دس سال بعد جناب جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ بجائے مکہ معظمہ تشریف لانے کے حبشہ سے سیدھے مقام خیبر پر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔

یہ ثقہ روایت بھی تمام کتب احادیث و سیر میں موجود ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جعفر سے اس ملاقات کے بعد فرمایا کہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ ہمیں خیبر فتح ہونے کی زیادہ خوشی ہے یا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ملاقات نے زیادہ مسرت آگیں کیا ہے۔

بہرکیف! فتح خیبر کے اگلے سال ۸ھ میں سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جنگ موتہ میں داد شجاعت دیتے ہوئے بالاتفاق مورخین اپنے جسم انور پر تیر تلواروں کے نوے زخم کھانے کے بعد مقام شہادت پر فائز المرام ہو گئے بخاری کی روایت کے مطابق سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۸ھ میں فتح مکہ کے دن تشریف لے جاتے ہیں اب آپ خود غور فرمائیں کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وراثت کس طرح حاصل کرنا تھی اور کب اور کس وقت آپ نے وراثت لینے سے انکار فرمایا۔

تاریخ سے ذوق رکھنے والے اصحاب کے سامنے اگرچہ سینکڑوں

ایسے متضاد واقعات ہوں گے جن کی کڑیاں ملاتے ملاتے ذہن کی چولیں ہل جاتی ہیں لیکن یہ واقعہ بھی ان سے کیا کم ہوگا کہ ایک شخص تقسیم وراثت کے کئی سال پہلے سے لے کر زندگی کے آخری سانس تک گھر ہی نہیں آتا لیکن اہل قلم حضرات نے یہ شاخسانہ پیدا کر دیا کہ انہوں نے حق وراثت لینے سے انکار کر دیا اور وجہ بھی یہ پیدا کر لی گئی کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔

حضرت علی کا حصہ

متذکرہ بالا حقائق و واقعات کو سامنے رکھتے ہوئے قارئین کرام کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں کہ سیدنا جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد سے کیوں حصہ نہیں لیا۔

حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی روایت کو جانچنے کے لئے فن حدیث کے اس اصول کو سامنے رکھنا ضروری ہے کہ وہ واقعات و حالات کے خلاف نہ ہو۔

اس امر کی وضاحت ہم گزشتہ اوراق میں بحوالہ قارئین کر چکے ہیں بہر کیف! تاریخ کی ہولناکیوں میں سے شدید ہولناکی ایک یہ بھی ہے کہ حضرت جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ورثہ اس لئے نہیں ملا کہ وہ مسلمان تھے اور ان کا باپ معاذ اللہ کافر تھا۔

خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اس جھوٹ کے پیچھے وہ کس ذہنیت کی تسکین کا سامان فراہم کرنا مقصود ہے کہ روایت تیار کرنے والے بزرگ آنجناب کی

طرح درخشندہ حقائق سے بھی چشم پوشی اور اعراض کر لیتے ہیں سیدنا جعفر طیار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا معاملہ قطعی طور پر واضح ہے اور اس پر مزید حاشیہ آرائی کی ہرگز ضرورت نہیں اب سیدنا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق بھی ملاحظہ فرمائیں۔

جیسا کہ ہم اس سے پہلے نقل کر چکے ہیں کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بچپن کے زمانہ ہی سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے گھر لے آئے تھے اور وہ آپ ہی کی آغوشِ رحمت و رافت میں پروان چڑھے۔

یہ بات قطعی طور پر درست ہے کہ سیدنا علی کرم اللہ وجہہ الکریم سیدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کے وقت مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا میں ہی موجود تھے اور یہ بھی نا قابلِ تردید حقیقت ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تجہیز و تکفین اور تدفین و جنازہ کے تمام امور بھی تاجدارِ انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کے مطابق آپ ہی نے سرانجام دیئے لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ جناب حیدر کرار علیہ السلام اس موقعہ پر بھی حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہی زیرِ کفالت تھے۔

اور آپ ہی کے بیت الشرف میں رہائش پذیر تھے حتیٰ کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کے تین سال بعد آپ ہی کے دولت کدہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے۔

بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی مدینہ منورہ کو روانگی کے وقت آپ کے بستر مبارک پر سونے والے بھی حضرت علی علیہ السّلام تھے اور آپ کے پاس لوگوں کی جمع شدہ امانتوں کو واپس کرنے والے بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم ہی تھے۔

ان شواہد کی روشنی میں قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ حضور صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے دُنیوی امور میں اِس وقت بھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کے پاس بطور وزیر کے تھے یہی وجہ تھی کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے انہیں لوگوں کی امانتیں واپس کر کے مدینہ منورہ آنے کا حکم فرمایا تھا۔

کیا تقسیم ہوتا

اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وصال مبارک ہوا تو اس وقت ان کے گھر میں دنیوی مال و دولت کا یکسر فقدان تھا اگر آپ کے پس مال و متاع اور دُنیوی سامان کی کثرت ہوتی تو ہو سکتا تھا کہ اس کی تقسیم کا مسئلہ پیدا ہو جاتا مگر اندریں حالات تقسیم وراثت کا مسئلہ کس قدر عجیب و غریب معلوم ہوتا ہے اب رہی تقسیم مکانات کی بات تو اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ ان مکانوں میں سیّدنا حیدر کرّار رضی اللہ تعالیٰ عنہ رہائش پذیر ہی نہ تھے اور دوسری بات یہ ہے

کہ جب تک حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم مکہ معظمہ میں موجود رہے تقسیم وراثت کی زیر بحث روایت کے مطابق بھی ان مکانوں کی فروختگی نہیں ہوئی بلکہ اس روایت کے مطابق حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کے تین سال بعد حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مکانات ورثہ کے طور پر اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکانات ترکہ کے طور پر حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ملے۔

تیسری اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ کوئی ضعیف سے ضعیف روایت بھی ذخیرہ حدیث میں ایسی موجود نہیں جس میں اس قسم کے الفاظ ہوں کہ جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وراثت تقسیم ہونے لگی تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اس بناء پر حصہ لینے سے انکار کر دیا کہ ان کا باپ معاذ اللہ کافر تھا اور وہ مومن ہونے کی حیثیت سے اپنا حصہ وصول نہیں کریں گے کیونکہ مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔

اگر اس قسم کی کوئی روایت کسی علامہ صاحب کی نظر سے گزری ہو تو ہم صرف اسے ایک نظر دیکھ لینے کے بعد کم از کم مبلغ ایک ہزار روپیہ نذر کرنے کو تیار ہیں۔

زیر بحث روایات میں تاریخی شواہد و حقائق کی روشنی میں چند الجھنوں کے تذکرہ کے بعد اب ہم اس روایت پر شارحین حدیث کے چند ریمارکس ہدیہ قارئین کرتے ہیں تاکہ حقائق مزید نکھر کر سامنے آ جائیں۔

کرمانی شرح بخاری

یہ روایت اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ کافر کا وارث مومن نہیں ہو سکتا اور کشاف میں آیت کریمہ ان میں سے بعض کے بعض ولی ہیں کی تفسیر میں لکھا ہے کہ بعض کا بعض کے ولی ہونا وراثت کے معنوں میں ہے اور اس آیت کا مفہوم وہ یہ بتاتے ہیں کہ بے شک مومنوں میں سے بعض کے بعض وارث ہیں مگر اس سے لازم نہیں آتا کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا متن ہے۔

وهی دالته علی ان المومن لا یرث الکافر و فی الکشاف اولئك بعضهم اولیاء بعض ان یعولی بعضهم بعضا فی المیراث فان قلت المفهوم من الآیة ان المومنین یرث بعضهم بعضا ولا یلزم ان المومن لا یرث الکافر۔

﴿کرمانی شرح بخاری جلد ہشتم ص ۱۰۸﴾

عینی شرح بخاری

اس میں فوائد ہیں اور اس میں یہ دلیل ہے کہ مسلمان کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اور فقہائے امصار اسی پر ہیں مگر معاویہ، معاذ، حسن بصری ابراہیم نخعی اور اسحاق رضی اللہ تعالیٰ عنہم فرماتے ہیں کہ بے شک کافر کا وارث

مسلمان ہوسکتا ہے جب کہ دوسروں کا اجماع اس کے برعکس ہے۔

فيه من الفوائد ان فيه دليلا ان المسلم لا يرث
الكافر و الفقهاء الا مصار على ذالك الا ما حكى عن
المعاوية و معاذ الحسن البصري و ابراهيم النخعي و
اسحاق ان المسلم يرث الكافر و اجمعوا على ان
الكافر لا يرث المسلم۔

﴿عینی شرح بخاری جلد ہشتم ص ۲۲۸﴾

قولِ موقوف

اور یہ قول کہ حضرت عمر ابن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ کافر کا وارث مومن نہیں ہوسکتا تو یہ قول حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پہ ہی موقوف ہے۔

قوله فكان عمر بن الخطاب رضى الله تعالىٰ
عنه يقول لا يرث المومن الكافر هذا موقوف على
عمر رضى الله تعالىٰ عنه
عمدة القاری

﴿عینی شرح بخاری جلد ہشتم ص ۲۲۸﴾

مومن کافر کا وارث ہوسکتا ہے

رئیس المحققین سند المحدثین حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی اشعہ

اللمعات شرح مشکوٰۃ میں حدیث وراثت پر بحث کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں۔

یعنی بعض صحابہ کرام اور تابعین کے نزدیک مسلمان تو کافر کا وارث ہوسکتا ہے مگر کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوسکتا اور امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسی طرف گئے ہیں۔

ابھی کچھ اور باقی ہے

زیب عنوان روایت پر شارحین بخاری و دیگر آئمہ محدثین کے منقولہ بالا ریمارکس پر اگر تبصرے کا ایک لفظ بھی نہ لکھا جائے تو جب بھی ہمیں یقین ہے کہ قارئین کرام ہمارے اس موقف کی یقینی طور پر تصدیق و تائید کر دیں گے کہ یہ روایت کسی بھی صورت میں صحت مند قرار نہیں دی جا سکتی۔

بایں ہمہ ہم اپنے موقف کو مضبوط سے مضبوط تر ثابت کرنے کے لئے ابھی اس کے مزید کئی گوشے بے نقاب کریں گے اور متعدد ایسے پہلو قارئین کے سامنے لائیں گے جو کارآمد معلوماتی خزانہ ہونے کے ساتھ ساتھ باہمی نزاع دور کرنے میں بھی زبردست ممد و معاون ثابت ہوں گے۔

چھوٹے بچوں کی وراثت

قارئین یقیناً اس امر پر حیرت زدہ رہ جائیں گے کہ وراثت کی جس روایت کو بنیاد بنا کر محسن اسلام حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافر

ثابت کرنے کی پوری شدومد کے ساتھ کوشش کی گئی ہے وہ روایت نہ صرف خلاف حقیقت ہے بلکہ نصوص قرآنیہ سے بھی متصادم ہے مدینہ منورہ میں نزول فرمانے والی سورۃ النساء میں بعض لوگوں کے سوال کے جواب میں اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ محبوب یہ لوگ آپ سے وراثت کے متعلق سوال کرتے ہیں تو آپ ان پر فرائض کے متعلق آنے والی آیات تلاوت فرمائیں۔

مفسرین کرام اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے واضح طور پر فرماتے ہیں کہ اس سے پہلے لوگ نہ تو اپنی جائیداد وغیرہ میں بیوی کو حصے دار تصور کرتے تھے اور نہ ہی اپنی چھوٹی اولاد کو حق وراثت دیا کرتے تھے اندریں حالات یہ کتنی عجیب بات ہے کہ تمام عرب کے لوگوں کی جائیداد اس وقت رواج کے مطابق ان کے بڑے بیٹوں کو منتقل ہو جائے تو ان کا ایمان مشکوک نہ ہو اور اگر حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد اسی مسلمہ رواج کے مطابق حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قبضے میں چلی جائے تو اس سے یہ جواز پیدا کر لیا جائے کہ حضرت عقیل اس لئے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث قرار پائے کہ کافر کا وارث مومن نہیں ہو سکتا۔

قانون وراثت

ابن جریر ابن منذر اور حاکم نے صحت کے ساتھ روایت نقل کی کہ

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اللہ تبارک وتعالیٰ کے اس فرمان تم سے فتویٰ پوچھتے ہیں کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ زمانہ جہالت میں لوگ بچے کو اپنا وارث نہیں بناتے تھے حتیٰ کہ وہ بڑا ہو جائے اور نہ ہی اپنی بیویوں کو اپنی وراثت کا حق دیا کرتے تھے۔

تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "یستفتونک" محبوب لوگ آپ سے فتویٰ پوچھتے ہیں تو آپ ان سے فرما دیجئے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے یعنی جس کے نہ اولاد ہو اور نہ ہی اس کے ماں باپ ہوں۔

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ

﴿النساء آیت ۱۷۶﴾

قوله تعالىٰ ويستفتونك في النساء الآية ـ اخرج ابن جرير و ابن المنذر والحاكم وصححه عن ابن عباس في قوله ويستفتونك في النساء الآية قال كان اهل الجاهلية لا يورثون المولود حتى يكبر ولا يورثون المرأة فلما كان الاسلام قال ويستفتونك في النساء قل الله يفتيكم فيهن وما يتلى عليكم في الكتاب في اول السورة في الفرائض واخرج ابن جرير وابن المنذر عن سعيد بن جبير قال كان لا يرث الا الرجل الذي قد بلغ ان يقوم في المال ويعمل فيه لا يرث الصغير ولا المرأة شيئا فلما نزلت المواريث في ، سورة النساء۔

﴿الدر منثور ص ۲۳۱ ج ۲﴾

اور محبوب آپ ان لوگوں پر وہ آیات تلاوت فرمائیں جو اس سے پہلی سورت میں فرائض کے متعلق نازل فرمائی گئی ہیں۔

امام ابن جریر اور ابن منذر حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ عہد جاہلیت میں لوگ اس وقت تک اپنی اولاد کو حق وراثت نہیں دیتے تھے جب تک کہ وہ بڑا ہو کر اس مال کی حفاظت نہ کر سکے اور اسے اپنے تصرف میں نہ لا سکے اور وہ لوگ نہ تو چھوٹے بچوں کو حق وراثت دیتے تھے اور نہ ہی اپنی بیویوں کو اپنے ورثہ سے کوئی چیز دیا کرتے تھے پس جب سے سورۃ النساء میں آیات مواریث کا نزول ہوا تو بیویوں کو بھی شوہر کے ورثہ میں سے حق ملنے لگا۔

جناب عبد بن حمید اور امام ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں لوگ اپنی وراثت سے تو اپنی عورتوں کو کوئی چیز دیتے تھے اور نہ ہی چھوٹے بچوں کو حق وراثت دیا جاتا تھا۔

واخرج ابن جریر عن ابن زید فی الآیۃ قال کان اهل الجاهلیة لایورثون النساء ولا یورثون الصغار یاخذه الاکبر فنصیبه من الخیرات طیب وهذا الذی یاخذه خبیث۔

﴿الدر المنثور ص ۱۱۷ ج ۲﴾

روشن صداقتیں

منقولہ بالا روایات کے پیش نظر قارئین کے لئے یہ فیصلہ کرنا مشکل نہیں ہوگا کہ حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ، حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وارث کیسے بنے؟

کیونکہ ان روایات سے ظاہر ہے کہ مدینہ منورہ میں نازل ہونے والی آیات وراثت سے پہلے کوئی شخص بھی اپنی اولاد کو اس وقت تک اپنی جائیداد کا حصہ دار نہیں بناتا تھا جب تک کہ اس کی اولاد جوان ہو کر اس کے کام کاج میں باقاعدہ طور پر دلچسپی نہ لے جب کہ یہ حقیقت اپنی جگہ پر موجود ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وصال مبارک کے وقت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی ان کے کاروبار کو سنبھالے ہوئے تھے اور سیدنا جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور مولا علی

واخرج ابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر ان اهل الجاهلیة کانوا لا یورثون النساء ولا الولدان الصغار۔

﴿الدر المنثور ص ۱۲۲،۱۲۳ ج ۲﴾

واخرج عبد بن حمید و ابن جریر عن قتادہ قال کان اهل الجاهلیة لا یورثون المرأة شیا ولا الصبی شیا،

﴿الدُر المنثور ص ۱۲۹ ج ۲﴾

کرم اللہ وجہہ الکریم نہ تو اپنے والد کے کاروبار میں شریک کار تھے اور نہ ہی ان کے پاس رہتے تھے۔

علاوہ ازیں محدثین کرام اور مفسرین عظام اس ضمن میں مزید یہ وضاحت بھی فرماتے ہیں کہ آیات میراث کے نزول سے قبل فوت ہونے والا اپنی اولاد کو اپنی جائیداد میں شریک کرنے کے لئے وصیت کیا کرتا تھا اور اس کی وراثت اس کی وصیت کے الفاظ میں متعین و محدود تھی۔

اندریں حالات اپنے طور پر یہ شاخسانہ قائم کر لینا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو وراثت میں فلاں فلاں لوگ اس لئے شریک نہ ہوئے کہ وہ مسلمان تھے اور فلاں فلاں اس لئے مالک بن گئے کہ وہ کافر تھے کیونکہ کافر کا وارث مومن نہیں ہو سکتا وغیرہ وغیرہ محض غلط اور ذاتی اجتہاد ہے اور اس شاخسانے کا حقیقت سے ذرہ برابر بھی تعلق ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

اب آپ وصیت و وراثت کے متعلق روایات ملاحظہ فرمائیں۔

وراثت ووصیّت

شاہ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وراثت اور وصیّت وغیرہ کے باب میں فرماتے ہیں اور صُراح میں ہے کہ وصیّت کے معنے ہے اور وصیّت مستحب ہے نہ کہ واجب اہلِ ظواہر کا اجماع وجوب پر ہے حالانکہ نزول میراث سے پہلے وصیّت واجب تھی مگر جب میراث واجب ہو گئی تو وصیت منسوخ ہو گئی اور وصیّت وارث کے لئے جائز نہیں۔

وفی الصراح وصیت انداز کر دن و وصیت مستحب
است نہ واجب وجمع از اہل ظواہر بوجوب آں رفتہ و
پیش از نزول میراث واجب بود وچوں میراث
واجب شد وجوب وصیت منسوخ گشت ووصیّت برائے
وارث درست نبود

﴿اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۶۷﴾

حدیث میں ہے کہ ما کان میراث قسم فی الجاھلیۃ فھو علیٰ قسمۃ الجاھلیۃ۔

ما کان من میراث قسم فی الجاھلیۃ فھو علی قسمۃ
الجاھلیۃ۔

﴿اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۶۷﴾

پس وصیّت وارث کے لئے نہیں اور قریبیوں کے لئے وصیّت بھی آیت وراثت کے نزول سے پہلے واجب تھی جیسا کہ قُرآن مجید کے مضمون سے ظاہر ہے اور جب آیت وراثت کا نزول ہو گیا تو وصیّت کا واجب ہونا منسوخ ہو گیا۔

پس نیست وصیت مر وارث را وصیت مر اقارب را پیش از نزولِ آیت مواریث واجب بُود چنانکہ منطوق قُرآن مجید است وچوں آیت مواریث نازل شد وجوب آں منسوخ گشت۔

﴿مشکوٰۃ ابوداوٗد ابنِ ماجہ ترمذی اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۶۹﴾

صرف بخاری

آئندہ صفحات میں ایک ایسی آیت کریمہ پیش کی جارہی ہے جسے امام بخاری نے زہری کے حوالے سے زیرِ تبصرہ روایت شامل کر رکھا ہے حالانکہ دیگر کُتب حدیث میں بھی اس روایت کے وہی راوی بیان کئے گئے ہیں جن سے امام بخاری نے روایت قبول کی ہے چنانچہ بزعم بعض صحاح ستہ ہی کی دوسری دو مشہور کتابوں مسلم شریف اور ابن ماجہ شریف میں یہ روایت موجود ہے مگر اس میں مذکورہ آیت دلیل کے طور پر ہرگز پیش نہیں کی گئی اور سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ اگر دیگر محدثین کرام بھی اس قول کو روایت

میں نتھی کر لیتے تو پھر بھی وہی بات ہوتی ہے جواب ہے کیونکہ یہ بات جزو حدیث نہیں بلکہ روایت بیان کرنے والے راوی زُہری ابن شہاب نے اپنی طرف سے پیدا کی ہے۔

مرفوع حدیث کتنی ہے؟

قابلِ غور نکتہ اس روایت میں یہ ہے کہ اس طویل و عریض عبارت میں بنا بر صدقِ روایت حضور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے الفاظ کتنے ہیں؟

چنانچہ بخاری کی پہلی روایت کے مطابق سرکار دو عالم صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے الفاظ صرف یہ ہیں کہ عقیل نے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے؟

دُوسرا قولِ موقوف اس روایت میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منسوب کردہ یہ ہے کہ مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث نہیں ہوسکتا۔

بخاری کی دوسری روایت میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اپنے الفاظ صرف یہ بتائے گئے ہیں۔

عقیل نے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے؟ مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث نہیں ہوسکتا۔

اس ٹکڑے کے علاوہ بقول امام بخاری کے پوری کی پوری روایت علامہ ابن شہاب زہری کی اپنی رائے پر مبنی ہے جسے کسی بھی صورت میں حجت قرار نہیں دیا جا سکتا جبکہ کافر اور مومن کی وراثت کے بارے میں اختلاف روایات بھی موجود ہے جیسا کہ کرمانی شرح بخاری کی روایت سے ہم سابقہ اوراق میں درج کر چکے ہیں۔

ایک بات ہو سکتی ہے؟

قارئین پر یہ حقیقت واضح طور پر منکشف ہو چکی کہ روایت نمبر ایک میں تاجدار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب صرف یہ جملہ ہے کہ عقیل نے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے؟

اور دوسری روایت میں یہ دو جملے ہیں۔

نمبر ایک:۔ عقیل نے مکانوں وغیرہ سے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے؟

نمبر دو:۔ مومن کافر کا اور کافر مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔

منقولہ بالا دونوں جملے صاحبان علم و دانش کے سامنے پیش کرتے ہوئے ایک سوال عرض خدمت ہے کہ کیا حضرت اسامہ بن زید کے سوال کے جواب میں بیک وقت یہ دونوں جملے ادا کئے گئے ہوں گے۔

اگر محدثین کرام اس امر کا فیصلہ بھی نہیں فرما سکے کہ یہ واقعہ حضور

رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ حج کا ہے یا فتح مکہ کا تاہم ایک بات لازمی ہے کہ حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس قدر ضروری جانتے تھے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکانات مکہ معظمہ میں موجود ہیں ورنہ ان کا یہ سوال بے معنی ہو جاتا ہے کہ آپ اپنے مکانوں میں کہاں ٹھہریں گے۔

اگر یہ درست ہے تو ان کو یہ بھی یقیناً معلوم ہوگا کہ آپ کے مکانات فروخت ہو چکے ہیں یا حضرت عقیل کی تولیت میں ہیں بفرضِ محال اگر وہ نہ بھی جانتے ہوں تو بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں یہ تو فرمادیا ہوگا کہ عقیل نے تمام مکانات فروخت کر ڈالے ہیں مگر اس کے ساتھ یہ جملہ کبھی نہ کہا ہوگا کہ کافر مومن کا اور مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا اس لئے کہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اپنے مکان کی ہو رہی تھی اور اس جملہ میں ہے کہ نہ تو کافر مومن کا وارث ہو سکتا ہے اور نہ ہی مومن کافر کا وارث ہو سکتا ہے

غور فرمائیں کہ اگر حضرت عقیل اپنے کفر کی وجہ سے اپنے معاذ اللہ کافر باپ کے وارث ہوئے تھے تو پھر وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائیداد کے وارث نہیں ہو سکتے اور نہ ہی اسے فروخت کر سکتے ہیں کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مومن ہیں اور کافر مومن کا وارث نہیں ہو سکتا۔

دوسری صورت یہ سامنے آتی ہے کہ آپ نے اپنے والدِ گرامی کی جائیداد معاذ اللہ ان کے کفر کی وجہ سے نہیں لی تو یہ قطعی طور پر امر محال ہے

کیونکہ آپ کے والدِ معظم کا مومن ہونا روزِ روشن کی طرح ظاہر ہے۔

اس سے پہلے کہ اس سلسلہ میں قاضی امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول پیش کیا جائے آپ ان روایات کی ماخذ کتاب کتاب الآ ثار شریف کا ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں یہ وہ عظیم صحیفہ قدس ہے جس میں جمع کردہ روایات کو سیّدنا امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے چالیس ہزار احادیث مصطفےٰ علی صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام سے منتخب فرمایا ہے اور جس کو سیّدنا امام اعظم کے تلمیذ ارشد اور قاضی ابو یوسف کے ساتھی امام محمد بن حسن شیبانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مدون و مرتب فرمایا ہے۔

کتاب الآ ثار

حضرت امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ مجھے حضرت امام اعظم ابو حنیفہ نے خبر دی ہے کہ عبداللہ بن ابی زیاد ابن ابی نجیح سے اور وہ حضرت عبد اللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مکّہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کو حرم بنایا ہے اس لئے مکہ معظمہ کے مکانات کو فروخت کرنا اور ان کی قیمت کھانا حرام ہے۔

امام محمد یہ روایت نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ ہمارا یہی مذہب ہے کہ مکّہ معظمہ کی زمین فروخت کرنا ناجائز ہے اور اس پر رہائش کے لئے گھر بنانا جائز ہے۔

محمد قال اخبر نا ابو حنیفة قال حد ثنا عبد اللہ بن
ابی زیاد عن ابن ابی نجیح عن عبد اللہ بن عمر رضی
اللہ تعالیٰ عنہ عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم انہ
قال ان اللہ حرم مکتہ فحرام بیع رباعہا واکل
ثمنہا قال محمد و بہ ناخذ لا ینبغی ان تباع الارض
فاما البناء فلا باس بہ۔

﴿کتاب الآثار مؤلفہ امام محمد حسین الشیبانی ص ۱۶۷﴾

اب آپ طحاوی شریف کے حوالہ سے قاضی ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ
کا قول ملاحظہ فرمائیں جس میں سیدنا امام اعظم اور امام محمد رضی اللہ عنہما کے
قول سے اختلاف کیا گیا یاد رہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے
زمانہ میں مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کے مکانات فروخت نہیں ہوا کرتے تھے اور
یہ تحقیق سے ثابت ہے چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا یہ فتویٰ اس وقت کے
مطابق قطعی طور پر درست ہے۔

امام ابو یوسف کا قول

اس میں دوسروں کا اختلاف ہے اور وہ کہتے ہیں کہ مکہ معظمہ زاد اللہ
شرفہا کی زمینوں کو فروخت کرنے اور ان پر بنائے ہوئے مکانوں کو کرایہ پر
دینے میں کوئی حرج نہیں جیسا کہ دوسرے شہروں میں ہوتا ہے اور اس قول
کے مطابق ہی امام ابو یوسف کا مذہب ہے۔

و عالفهم في ذلك آخرون فقالوا الإياس بهدم ارضها

و اجارتها و جعلوها في ذلك كسائر البلدان و

ممن ذهب الى هذا القول ابو يوسف،

﴿طحاوی شرح معانی الآثار جلد دوم ص ۲۳۵﴾

روایت میں حکایت

حضرت امام ابن حجر عسقلانی شارح بخاری زبردست بخاری نواز ہونے اور طحاوی کی بحث نقل کرنے کے بعد امام اعظم کے قول پر قاضی ابو یوسف کے قول کو ترجیح دینے کے باوجود زیر نظر روایت کو متعدد طریقوں سے مخدوش اور محل نظر قرار دیتے ہیں۔

نیز حضرت امام ابن حجر عسقلانی کا امام اعظمؒ کے قول پر امام ابو یوسف کے قول کو ترجیح دینا صرف مکہ معظمہ زادہ اللہ شرفہا کے مکانوں کو فروختگی کے مسئلہ میں ہے ورنہ بخاری شریف میں آنے والی امام زہری کی تیار کردہ روایت کو تو وہ جلیبی غلطیاں کا باعث قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں وہ اس روایت کو مزید مخدوش قرار دینے کے لئے واضح طور پر فرماتے ہیں کہ حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وہ مکان سرے سے فروخت ہی نہیں کئے تھے۔

حالانکہ امام بخاری نے روایت کے انہی جملوں کا باب مقرر کر رکھا

ہے اور روایت میں صاف طور پر بیان کیا ہے کہ حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ

عنہ نے اپنے والد گرامی سے ملنے والی جائیداد کو فروخت ہی نہیں کیا تو پوری

کی پوری روایت صرف امام زہری کی اپنی تیار کردہ رہ جاتی ہے کیونکہ اس

میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منسوب صرف یہی ایک جملہ ہے کہ

عقیل نے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے ؟

یہ مکان کس نے فروخت کئے ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرماتے وقت آپ کی

وراثت کے اعتبار سے جناب عقیل اور طالب کو تمام مکانات کا متولی مقرر فرما

دیا کیونکہ وہ دونوں اسلام نہیں لائے تھے اور انہوں نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے مکانوں کو ترکہ کے طور پر ان مکانوں کے ساتھ ملا لیا کیونکہ حضور

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لما هاجر واستولی عقیل وطالب

علی الدار کلها باعتبار ما ورثاه من ابیهما لکونهما کان لم یسلما

وباعتبار ترك النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لحقه منها بالهجرة وفقد

طالب ببدر فباع عقیل الدار کلها۔

وحکی الفاکهی ان الدار لم تزل باولاد عقیل الی ان باعوها

لمحمد بن یوسف اخی الحجاج بمائة الف دینار۔

﴿فتح الباری شرح بخاری جلد سوم ص ۳۶۵﴾

رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت فرمائی تھی چنانچہ غزوۂ بدر کے موقع پر جناب طالب گم ہو گئے اور حضرت عقیل نے وہ تمام مکانات فروخت کر دیئے۔

مگر فاکہی نے حکایت بیان کی ہے کہ یہ تمام مکانات ہمیشہ اولادِ عقیل کے پاس رہے چنانچہ جب حجاج کا زمانہ آیا تو اولادِ عقیل نے حجاج بن یوسف کے بھائی محمد یوسف کے ہاتھ ان مکانوں کو فروخت کر دیا۔

کوئی داعیہ ہو گا

بخاری کی روایت پر شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی کی تعدیل وجرح سے جن امور کا اظہار ہوتا ہے وہ قارئین کرام سے ہرگز مخفی نہیں ہیں۔

ایک ہی روایت کو متعدد طریقوں سے بیان کرنے کے باوجود امام بُخاری کا ہر دو روایات میں دو ایسے راویوں سے روایت کرنا جو محدثین کے نزدیک بھی ضعیف ہوں اور امام بخاری نے خود بھی ان سے پوری بخاری شریف میں ان دو کے علاوہ کوئی روایت لینا پسند نہ کیا ہو۔ واضح طور پر اس حقیقت کا غماز ہے کہ یہ سب کچھ محض کسی خاص داعیہ کی تسکین کا سامان فراہم کرنے کے لئے ہی ظہور میں آیا ہے ورنہ حقیقت کا اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

آئندہ اوراق میں شارح بخاری امام قسطلانی کے وہ خاص جملے بھی

ہدیۂ قارئین کیے جارہے ہیں جن میں انہوں نے ان روایات کو محلِ نظر اور اختلاجِ قلبی کا باعث قرار دیا ہے۔

علاوہ ازیں ان کی اب تک کی اپنی بیان کردہ توجیہات کس قدر اختلاجِ قلبی کا باعث اور مجموعۂ اضداد ہیں وہ مزید کسی وضاحت کی محتاج نہیں ہیں۔

بہرحال ! اب آپ اِن روایات کا محلِ نظر اور ناقابلِ یقین ہونا دوسری واضح ترین براہین کی روشنی میں ملاحظہ فرمائیں۔

زہری کا قول

شارحینِ حدیث اِس روایت کے دیگر محلِ نظر پہلو نمایاں کرنے کے علاوہ اِس امر کو بھی خلجان طبع کا باعث قرار دیتے ہیں کہ زہری کے اِس قول میں ترتیبِ واقعات کو برقرار نہیں رکھا گیا، چنانچہ علاّمہ ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ "فتح الباری شرح بخاری" میں اِس روایت کو نقل کرنے کے بعد رقم طراز ہیں کہ !

هو ابن شهاب فيكون منقطعاً قوله يعني بذالك المحصب في روايه المستملي يعني ذالك والاول اصح ويختلج في خاطري ان جميع ما بعده قرة يعني المحصب آخر الحديث من قول الزهري ادرج في الخبر فقد رواه شعيب كما في هذا الباب، وابرهيم بن

سعيد كما سياقتي في السيرة ويونس كما سياقتي في
توحيد كلهم عن ابن شهاب، الى قوله على الكفر لم
يذكر مسلم في رواية شيئا من ذلك

﴿فتح الباری شرح بخاری جلد سوم ص ۳۵۲﴾
﴿مطبوعہ مصر للحافظ ابن حجر عسقلانی﴾

ابن شہاب زہری منقطع ہے یعنی قول مصعب یہ ہے مستملی کی روایت
میں پہلا حصہ درست ہے جب کہ اس کے بعد تمام تر روایت طعن اختلاج
دلجان کا باعث بن کر رہ گئی ہے۔

اور مصعب کا قول تو اسے زہری کی اپنی روایت کے مطابق خبر میں
آخر الحدیث لکھا ہوا ہے جیسا کہ شعیب نے اسی باب میں اور ابراہیم بن سعد
نے سیرت کے باب میں اور یونس نے توحید کے باب میں روایت بیان کی
ہے اور یہ سب حضرات ابن شہاب زہری سے ہی اس روایت کو لاتے ہیں۔

نیز زہری کا قول جو کفر پر دلالت کرتا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی
مسلم شریف میں آنے والی اس کی روایت میں موجود نہیں۔

پھر یہ ایک قول نقل کر دینے پر ہی اکتفا نہیں فرماتے بلکہ ابن شہاب
زہری اپنی طرف سے اس قول میں زیادتی کرتے ہیں کہ،

حضرت جعفر اور حضرت علی نے اپنے باپ ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ
عنہ کی جائیداد سے اسی وجہ سے حصہ نہیں لیا کہ مسلمان تھے اور ان کا باپ کافر تھا

اور کافر کی جائیداد ان کے کافر بیٹوں طالب اور عقیل کے قبضہ میں آئی۔

بات یہاں پر ہی ختم نہیں کی بلکہ روایت میں خواہ مخواہ کا زور پیدا کرنے کے لئے آیت کریمہ بھی نقل فرمادی ہے جس سے یہ مطلب نکالا گیا ہے کہ مومن ہی مومن کا وارث ہوسکتا ہے حالانکہ وہ آیت کریمہ مہاجرین اور انصار کی ولایت و وراثت کے متعلق ہے اور اس کا حضرت ابو طالب یا ان کی اولاد سے تو کیا عام مسلمانوں کی جائیدادوں اور وراثت سے بھی کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں۔

اور یہ آپ ملاحظہ فرما ہی چکے ہیں کہ یہ روایت محدثین کے نزدیک محل نظر ہے بلکہ حضرت امام ابن حجر عسقلانی جیسے بخاری نواز محدث بھی زہری کے منقطع قول کو طبعی خلجان کا باعث قرار دینے پر مجبور ہیں اور صاف وضاحت کرتے ہیں کہ یہاں پورے راوی موجود نہیں اور نہ ہی مسلم شریف کی روایت میں ایسی کوئی چیز ہے جسے بخاری بیان کرتے ہیں۔

روایت کے ضعیف راوی

دوسرا راوی سعدان بن صالح کہتے ہیں کہ اس کا نام سعید اور سعدان ہے اور اس کا لقب ابو یحییٰ الخمی کوفی ہے دمشق میں رہتا تھا دار قطنی کہتے ہیں کہ یہ کمزور ہے اور بخاری میں اس کی کوئی روایت نہیں سوائے اس مقام کے،

تیسرا راوی محمد بن ابی حفصہ اور نام ابی حفصہ کا میسرہ بصری ہے کنیت ابو سلمہ سچا ہے نسائی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور بخاری میں سے کوئی روایت سوا اس حدیث کے اور باب الحج کی آخری حدیث کے نہیں ہے۔

الثانی سعدان بن یحییٰ بن صالح یقال اسمہ سعید و سعدان لقبہ ابو یحییٰ اللخمی الکوفی فی مسکن دمشق لینہ الدار قطنی، وماله فی البخاری الاهذا الموضع

الثالث محمد بن ابی حفصہ واسم حفصہ میسرۃ بصری یکنی ابا سلمہ صدوق ضعفہ النسائی وماله فی البخاری سوی هذا الحدیث و آخر فی الحج۔

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ہفتم ص ۲۸۱﴾

﴿فتح الباری شرح بخاری جلد ہشتم ص ۱۴﴾

جائیداد ملنے کی وجہ

مندرجہ بالا روایت میں خاص طور پر قابل توجہ یہ بات ہے کہ حضرت عقیل اور حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جائیداد ان کے کافر ہونے کی وجہ سے نہیں ملی بلکہ حقیقت حال یہ ظاہر ہوتی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ زادہ اللہ شرفہا سے ہجرت فرما کر مدینہ منورہ زاد

اللہ انوار ہا کو جانے لگے تو جناب عقیل کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی جدا ئیداد کا بھی متولی بنایا اور اپنی جائیداد بھی ان کے حوالے کر دی۔

علاوہ ازیں اس روایت میں ایک یہ بات بھی واضح کی گئی ہے کہ اس تمام تر جائیداد کو حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بجائے ان کی اولاد نے حجاج بن یوسف کے بھائی کے ہاتھ ایک لاکھ دینار میں فروخت کیا بقول علامہ ابن حجر عسقلانی اگر یہ بات درست ہے تو بخاری کا یہ قول کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا کہ عقیل نے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے کیونکہ اس وقت یہ تمام مکانات حضرت عقیل کے پاس موجود تھے۔

علاوہ ازیں بخاری کی اس روایت میں سب سے بڑی بھول یہ ہے کہ اس روایت کا کثیر حصہ راوی نے محض اپنے فہم سے مرتب کیا ہے۔

یہ کس کا قول ہے ؟

روایت میں ہے کہ اسامہ بن زید نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کہاں ٹھہریں گے؟ تو آپ نے فرمایا کہ عقیل نے مکانوں سے ہمارے لئے کیا چھوڑا ہے بات بس صرف یہی تھی راوی اس کے ساتھ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول چسپاں کرتے ہیں کہ وہ کہتے کہ مومن کافر کا وارث نہیں ہو سکتا۔

مزید ایک گواہی

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے چار بیٹے تھے عقیل اور طالب اور علی و جعفر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دیا اور مسلمان نہیں ہوئے تھے اس لئے سارے مکانات اور ابو طالب کی جائیداد جو ان کی مکہ میں تھی ان کے قبضے میں آ گئی انہوں نے اسے بیچ باچ کر کھا پی کر برابر کر دیا۔

داؤدی نے کہا جو ہجرت کر کے مدینہ چلا آتا اس کا عزیز کافر جو مکہ میں رہتا ساری جائیداد دبا لیتا آنحضرت نے بھی فتح مکہ کے بعد ان معاملات کو قائم رکھا تا کہ ان لوگوں کی دل شکنی نہ ہو۔

کہتے ہیں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے یہ مکانات مدت دراز تک عقیل ہی کی اولاد کے پاس رہے آخیر میں ان سے ایک مکان محمد بن یوسف حجاج ظالم کے بھائی نے ایک لاکھ دینار کو خریدا اصل میں یہ مکانات ہاشم کے تھے ان سے عبدالمطلب کو ملے انہوں نے سب بیٹوں کو تقسیم کر دیئے اس وجہ سے آنحضرت کا بھی ان میں حصہ تھا کیونکہ آپ کے والد عبداللہ بھی عبدالمطلب کے صاحبزادے تھے۔

﴿بخاری شریف ج ۲ ص ۱۴۱ حاشیہ وحید الزمان﴾

منقولہ بالا عبارت میں بخاری کی زیر بحث روایت کی شرح کرتے

ہوئے علامہ وحید الزمان واضح طور پر شارحین حدیث کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ حضرت عقیل ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے زمانہ سے لے کر حجاج بن یوسف کے زمانہ تک سیدنا ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تمام جائیداد عقیل اور اولادِ عقیل کے قبضہ میں رہی اور اس میں حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذاتی حصہ بھی موجود تھا لہٰذا یہ تصور از خود غلط ثابت ہو جاتا ہے کہ فتح مکہ یا حجۃ الوداع کے زمانہ میں حضرت عقیل نے وہ جائیداد فروخت کروائی تھی یا یہ کہ حضرت عقیل نے اپنے باپ کی جائیداد کافر کی وراثت کے طور پر حاصل کی تھی۔

بہر کیف! اب آپ مکہ معظمہ کے مکانات کی فروختگی کے متعلق تفصیل سے معلومات حاصل کریں۔

بیوتِ مکہ کی فروختگی

علامہ بدر الدین عینی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے دوسرے حصوں کی تشریح کرتے ہوئے مزید فرماتے ہیں۔

اور یہ قول کہ عقیل نے مکانوں سے کیا چھوڑا تو یہ ان کی ذات کے لئے اضافی امر ہے اور اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ مکانات ان کی ملکیت تھے اور یہ احتمال ہوتا ہے کہ حضرت عقیل نے ان پر قبضہ کر لیا اور اسی طرح اپنے تصرف میں لائے جس طرح ابو سفیان نے مہاجرین کے مکانات کے ساتھ

کیا تھا۔

تو اگر تو کہے کہ اس روایت سے حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی حدیث سے عارضہ پیدا ہو جاتا ہے جو انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مرفوعاً بیان کی کہ آپ نے فرمایا ہے کہ مکہ معظمہ کے مکانات کا فروخت کرنا اور انہیں کرایہ پر دینا جائز نہیں ؟

تو ہم نے جو اس کا اقتضا پایا وہ یہی ہے کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیان کردہ روایت حضرت عبد اللہ بن عمر بن العاص کی روایت سے بہتر اور صواب تر ہے۔

وهل ترك لنا عقيل من رباع فاضافها الى نفسه فظاهرها الملك فيحتمل ان عقيلا اخذها وتصرف فيها كما فعل ابو سفيان بدور المهاجرين فان قلت يعارض هذا الحديث حديث عبد الله بن عمرو بن العاص عن النبي صلى الله عليه وآله وسلم قال لا يحل بيع بيوت مكة ولا اجارتها فوجدنا ان من يحتج به حديث اسامة اولى واصوب من حديث عبد الله.

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری جلد ہشتم ص ۲۲۸﴾
﴿العلامہ بدر الدین العینی مطبوعہ بیروت﴾

عارضہ ختم نہیں ہوتا

حضرت علامہ بدرالدین عینی رحمتہ اللہ علیہ کے اگر اس قول کو تسلیم بھی کرلیا جائے تو سوائے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی بیان کردہ حدیث مرفوع کو یکسر مسترد کر دینے سے صرف بہتر ہی تسلیم کرنا مقصود ہے تو پھر اس کے مفہوم کو نظرانداز کر دینا نہایت مشکل ہے بایں ہمہ اگر بخاری کی روایت سے ٹکرانے والی اس روایت کو اگر نظرانداز بھی کر دیا جائے تو جب بھی بخاری کی یہ روایت خود علامہ عینی اور دیگر شارحین کے نزدیک محل نظر اور باعث اختلاج ہے۔

امام اعظم کا مذہب

جیسا کہ ہم کتاب ہذا کی جلد اول میں یہ وضاحت ہدیۂ قارئین کر چکے ہیں کہ سراج الامت سیدنا امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ سے آپ کے تلامذہ کرام بالخصوص صاحبین کا متعدد مسائل میں واضح ترین اختلاف موجود ہے اس مقام پر بھی کچھ ایسی ہی صورت حالات ہے۔

اگرچہ منقولا بالا عبارت میں علامہ عینی بیوع کلب کی خرید و فروخت کے معاملہ میں بخاری کی روایت سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص کی بیان کردہ حدیث کا عارضہ دور نہیں فرما سکے تاہم آپ ہر دو روایات میں سے کسی ایک کو موضوع قرار نہیں دیا اور اسے موضوع قرار بھی کیسے دیا جا سکتا ہے

جیسا کہ سراج الامۃ سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ حدیث مرفوع کو نہ صرف یہ کہ قبول ہی کرتے ہیں بلکہ صحیح تر سمجھتے ہوئے اس کو بنیاد بنا کر بیوتِ مکہ کی خرید و فروخت کے جائز نہ ہونے کے متعلق فتویٰ بھی صادر فرماتے ہیں۔

چنانچہ طحاوی شریف میں اس قسم کی متعدد روایات نقل کرنے کے بعد امام اعظم ابو حنیفہ اور امام محمد رحمہما اللہ تعالیٰ کا فتویٰ بھی نقل فرمایا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

طحاوی شریف

راویان حدیث ا ابن الفرج یوسف علی ابن سلیمان اسماعیل بن ابراہیم بن المھاجر ابراہیم مجاھد۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ مکہ معظمہ کے مکانوں کو نہ تو فروخت کرنا ہی جائز ہے اور نہ ہی انکو کرایہ پر دیا جاسکتا ہے

حدثنا ابن الفرج قال حدثنا یوسف عن علی قال
حدثنا ابن سلیمان عن اسماعیل بن ابراھیم بن
المھاجر عن ابیہ عن مجاھد عن عبد اللہ بن عمرو
ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قال لا یحل بیع

یوت مکہ ولا اجار تھا۔

راویان حدیث ! ابراھیم بن مرزوق ابو عاصم، عمرو بن سعید، ابن ابی سلیمان،

علقمہ بن نضلہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم حضرت ابو بکر صدیق حضرت عُمر فاروق اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کے وصال مبارک تک یہی صورت تھی اور مکّہ معظمہ زاد اللہ شرفہا کے مکانات کو سوائب کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا جن میں یا تو خود مالک مکان رہائش پذیر ہوتا یا کسی دوسرے ضرورت مند کو بلا معاوضہ رہائش کے لئے دے دیتا۔

حدثنا ابراھیم بن مرزوق قال حدثنا ابو عاصم
عن عمر بن سعید عن ابن ابی سلیمان عن علقمۃ بن
نضلۃ قال توفی رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہٖ وسلم
وابو بکر و عمر و عثمان ورباع مکۃ تدعی السوائب
من احتاج سکن و من استغنی اسکن۔

علقمہ بن نضلہ کی یہ روایت ان راویوں نے بھی بیان کی ہے ربیع موون اسد یحیٰی بن سلیمان عمر بن سعید عثمان بن سلیمان۔

یہ روایات نقل کرنے کے بعد صاحب طحاوی شریف فرماتے ہیں کہ ایک گروہ کا یہی مذہب ہے اور وہ ان احادیث کی طرف گیا ہے جن میں ہے

کہ مکہ معظمہ زاداللہ شرفہا کی زمین کو فروخت کرنا اور کرایہ پر دینا جائز نہیں اور اس گروہ میں امام اعظم ابوحنیفہ امام محمد اور امام سفیان ثوری رضی اللہ عنہم ہیں

اور بے شک دوسری روایت حضرت عطا ابن ابی رباح رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بھی ایسے ہی آئی ہے کہ وہ بیوتِ مکہ کی اجرت لینا مکروہ گنتے تھے۔

اور فہد ابن اصبہانی شریک ابراہیم بن مہاجر سے روایت ہے کہ حضرت مجاہد نے فرمایا کہ مکہ معظمہ زاداللہ شرفہا مباح ہے اور اس کی نہ تو سرائیں فروخت کرنا جائز ہے اور نہ ہی اس کے مکانوں کو کرایہ پر اٹھایا جاسکتا ہے۔

قال ابو جعفر فذهب قوم الی هذا الآثار فقالوا لا
يجوز بيع ارض مكة ولا اجارتها و من قال بهذا القول
ابو حنيفة و محمد و سفيان الثوري وقد روي ذالك
ايضا عطا بن ابي رباح انه كان يكره اجور بيوت مكة
حدثنا فهد بن الاصبهاني قال اخبرنا شريك عن
ابراهيم بن المهاجر عن مجاهد انه قال مكة مباح لا
يحل بيع رباعها ولا اجارة بيوتها "كذا"

ایک واضح اختلاف

یہ روایات نقل کرنے کے بعد علامہ طحاوی نے ان کے برعکس تلمیذ امام اعظم قاضی ابو یوسف کا قول بھی نقل فرمایا ہے اور بخاری کو روایت بھی

پیش کی ہے جس کی تفصیل ابھی بیان ہوگی یہاں تو آپ کو صرف یہ بتانا ہے کہ سراج الامۃ امام اعظم اور ان کے تلمیذ ارشد امام محمد ہر دو کا مذہب یہ ہے کہ بیوتِ مکہ کو فروخت کرنا جائز اور حلال نہیں جیسا کہ آپ طحاوی شریف کے حوالہ سے ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سلطنت فقاہت کے یہ دونوں تاجدار انہی روایات کو درست اور صحیح تر مانتے ہیں۔

اندریں صورت قاضی ابو یوسف علیہ الرحمۃ کا ان سے اختلاف مبنی بر صحت وصواب ہونے کے مستلزم نہیں ہوسکتا کیونکہ فقہ حنفیہ کے اصول ضوابط کے مطابق اگر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے کسی قول سے اختلاف کی صورت پیدا ہو جائے تو صاحبین کرام یعنی امام محمد اور امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہما کی ایک رائے ہونا ضروری ہے اور اگر سیدنا امام اعظم کے کسی قول کی تائید قاضی ابو یوسف کر دیں تو اکیلے امام محمد کا اجتہاد نا قابل قبول ہوگا اور ایسے ہی اگر امام اعظم کے کسی قول کی تائید امام محمد کر دیں تو اکیلے قاضی ابو یوسف کا اجتہاد حجت قرار نہیں پائے گا۔

آخر پر آپ اس روایت کا آسان ترین خاکہ ملاحظہ فرمائیں جس سے ہر بات نہایت آسانی سے سمجھ میں آجائے گی۔ یہ نقشہ روایت کی ترتیب کے عین مطابق ہے۔

عام فہم اور آسان نقشہ

روایت نمبر ا:۔ راویان اصبغ ، ابن وھب ، یونس ، ابن شہاب علی بن حسین عمر بن عثمان اسامہ بن زید،

اُسامہ بن زید کا سوال

یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ معظمہ میں آپ اپنے مکانوں میں کہاں ٹھہریں گے ؟

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جواب

کیا عقیل نے ہمارے لئے سراؤں اور مکان سے چھوڑا ہے۔

روایت کے راوی کہتے ہیں عقیل اور طالب ابو طالب کے وارث تھے وراثت سے جعفر اور علی رضی اللہ عنہما نے کوئی چیز نہیں لی کیونکہ یہ دونوں مسلمان تھے اور عقیل اور طالب کافر، حضرت عمر کا قول! نہیں مومن وارث کافر کا،

شہاب زُہری کی رائے

سلف نے تفسیر کی ہے اس آیت کی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اللہ کی راہ میں مہاجر ہوئے جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی اور وہ ایک دوسرے کے وارث ہیں۔

ابوعبداللہ بخاری کا قول

مکانوں کی نسبت عقیل کی طرف ہے ان کی خرید و فروخت کے وہ وارث تھے۔

روایت نمبر۲

راوی سلیمان بن عبدالرحمٰن سعدان ابن یحییٰ، محمد ابی حفصہ زہری، علی بن حسین، عمر بن عثمان، اسامہ بن زید،

سوال اُسامہ بن زید کا:۔ فتح مکّہ کے زمانہ میں حضرت اُسامہ بن زید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ کہاں قیام فرمائیں گے ؟

جواب رسول اللہ کا:۔ کیا چھوڑا عقیل نے ہمارے قیام کے لئے پھر فرمایا نہیں وارث مومن کا اور نہ ہی کافر مومن کا۔

زہری کا قول:۔ اور کہا زہری نے کہ ابو طالب کا ورثہ عقیل اور طالب کو ملا،

معمر کا قول:۔ فرمایا اور یونس نے نہ زمانہ حج اور زمانہ فتح مکہ کے الفاظ نہیں بیان کیئے۔

امام بخاری کے اپنے الفاظ ہی میں ہم نے ہر دو روایت کا مکمل خاکہ

قارئین کی خدمت میں پیش کر دیا ہے روایت کے ضعف وصحت کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ صرف یہ حساب لگائیں کہ ان روایتوں میں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مرفوعاً کتنے الفاظ ہیں صحابہ کے اقوال موقوف کے کتنے لفظ ہیں۔

امام بخاری اور ابن شہاب زہری کی اپنی محنت وکاوش اور سعی وجہد سے ملوط کئے ہوئے کتنے جملے ہیں پورا پورا حساب کر چکنے کے بعد آپ کے دل ودماغ اور ذہن خود راہنمائی کریں گے کہ آپ کو کیا کیا تسلیم کر لینا ہے اور کس کس بات کو محل نظر اور مخدوش قرار دینا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ روایات کا کثیر حصہ اس قسم کی تراکیب پر مشتمل ہے کہ راوی مختلف روایات کو اپنے گمان کے مطابق جمع کر کے ایک روایت بنا لیتے ہیں اگرچہ ان کے اس طریقہ کار پر طعن نہیں کیا جا سکتا اور نہ ہی ان کی نیت پر حملہ کیا جا سکتا ہے تاہم ایسی روایات محدثین کی نقد وجرح اور تعدیل و تنقید سے نہیں بچ سکیں چنانچہ اس روایت پر بھی محدثین کرام نے پوری بحث وتمحیص کے بعد اسے مخدوش اور باعث اختلاج بتایا ہے۔

روایت کی آیت کا شان نزول

قرآن مجید میں ارشاد ربانی ہے۔

اَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ اَنَّاۤ اَنۡزَلۡنَا

یعنی ان میں بعض کے بعض ولی ہیں۔

﴿سورۃ الانفال آیت ۷۲﴾

اس میں شک نہیں کہ اس آیت کریمہ میں ولی سے مراد وارث ہے مگر جناب زہری اور امام بخاری کا اسے حضرت ابو طالب کی وراثت کے سلسلہ میں استعمال کرنا قطعی طور پر غلط اور ناقابل فہم ہے کیونکہ اس آیت کریمہ سے قطعاً یہ استدلال نہیں کیا جاسکتا کہ حضرت طالب و عقیل اس لئے حضرت ابو طالب کے وارث ہوئے کہ وہ کافر تھے اور حضرت جعفر و علی رضی اللہ عنہما اس لئے وارث قرار نہ پائے کہ وہ مومن تھے۔

منقولہ بالا آیت کریمہ سورۃ انفال کی ہے اور سورۃ انفال مدنی ہے اور اس کا اکثر حصہ غزوۂ بدر کے موقع پر نازل ہوا علاوہ ازیں مفسرین کا اجماع ہے کہ یہ آیت مہاجرین و انصار کی وراثت کے متعلق نازل ہوئی ہے بلکہ آیت کریمہ کا سیاق و سباق پڑھ لینے سے ہی صحیح صورت حال سامنے آجاتی ہے ملاحظہ ہو۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَ
أَنفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالَّذِينَ آوَوا وَّنَصَرُوا أُولَٰئِكَ
بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَلَمْ يُهَاجِرُوا مَا لَكُم
مِّن وَلَايَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّىٰ يُهَاجِرُوا۔

﴿ترجمہ﴾ بے شک جو ایمان لائے اور اللہ کے لئے

مہاجر ہوئے اور اللہ کی راہ میں جانوں اور مالوں سے

لڑے اور جنہوں نے جگہ دی اور مدد کی وہ ایک

دوسرے کے وارث ہیں اور جو ایمان لائے اور مہاجر

نہ ہوئے تمہیں ان کا کوئی ترکہ نہیں پہنچتا حتیٰ کہ وہ

ہجرت کریں۔

﴿سورۃ الانفال آیت ۷۲﴾

مندرجہ بالا آیت کریمہ کا ربط مضمون اس قدر واضح اور صاف ہے کہ اس پر مزید کسی تبصرہ کی ضرورت باقی نہیں کیونکہ آیت کریمہ میں وارث اور ولی بننے کے لئے مومنین کو مہاجر ہونے سے بھی مشروط کیا گیا ہے اور جو مومن تو ہیں مگر مہاجر نہیں انہیں اس وراثت سے اس وقت تک الگ کر دیا گیا ہے جب تک کہ وہ ہجرت نہ کریں۔

قارئین خود بھی اندازہ فرمائیں کہ اس آیت کا حضرت ابوطالب کی وراثت سے تعلق پیدا کرنا راوی کا زبردستی سے کام لینا نہیں تو اور کیا ہے۔

اگرچہ اس آیت کریمہ کا شانِ نزول آیت ہی میں موجود ہے اور آیت کریمہ کا سیاق وسباق اور ربط پوری طرح روشن ہے تاہم چند مفسرین کے اقوال قرآن کریم کے محض اسی ایک جملہ کی تفسیر میں پیش خدمت ہیں جس جملہ سے وراثت ابوطالب کا قضیہ پیدا کیا گیا ہے اور جملہ ہے۔

أُولَٰئِكَ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ

﴿طبری ابن جریر ۵۔۱۰۔﴾

یعنی المہاجرین والانصار

﴿کشاف ۲۳۹۔۲۔﴾

وکان المہاجرین والانصار یتوارثون بالھجرۃ۔

﴿ابوسعود۔۵۱۱۔۲۔﴾

وقد کان لامہاجرون ولانصار یتوارثون بالھجرۃ۔

﴿درمنثور ۲۰۶۔۳۔﴾

عن ابن مردویۃ عن ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما

فی المیراث للمہاجرین والانصار۔

﴿تفسیر مظہری ۱۱۳۔۴۔﴾

وقال ابن عباس ھذا فی المیراث کانوا یتوارثون

بالھجرۃ وکان المہاجرون یتوارثون دون ذوی الا

رحام وکان من امن ولم یہاجر لا یرث من قریبھم

المہاجر حتی فتحت مکۃ وانقطعت الھجرۃ۔

یعنی مہاجرین اور انصار،

اور تھے مہاجرین اور انصار وارث ہوتے ہجرت کے

ساتھ۔

اور بیشک تھے مہاجرین اور انصار وارث ہوتے ہجرت
کے سبب سے،
ابن مردویہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے
روایت کرتے ہیں کہ مہاجرین اور انصار ایک
دوسرے کے وارث تھے۔
اور فرمایا ابن عباس نے کہ یہ یہ آیتِ میراث
کے متعلق ہے تھے وارث ہجرت کی وجہ سے مہاجرین
رحم کے رشتوں کے سوا اور جو مومن تھے مگر مہاجر نہ
ہوئے تو وہ وارث نہیں نزدیک مہاجرین کے یہاں
تک کہ مکہ معظمہ فتح ہو گیا اور ہجرت کا سلسلہ منقطع ہو
گیا۔

آپ کے ہاتھوں میں ہے یہ فیصلہ

مشہور تفاسیر کے یہی چند حوالہ جات پیش کرنے پر اکتفا کرتے
ہوئے ہم معزز قارئین سے التماس کریں گے کہ اگر کوئی شخص لَا تَقْرَبُوا
الصَّلٰوۃ کا ٹکڑا تلاوت کر کے یہ جواز پیدا کر لے کہ نماز کے قریب نہ جاؤ تو یہ
کہاں کا انصاف ہے۔
زیر بحث روایت میں راویان کرام نے تقریباً یہی کچھ

کیا ہے اُنہوں نے پوری آیت کریمہ کے سیاق وسباق اور پس منظر کو نظر انداز کر دیا ہے اور صرف ایک جملہ سے مطلب برآری کی کوشش کی ہے چونکہ ہمیں زیادہ تفصیل میں نہیں جانا ہے ورنہ اس آیت کریمہ کو مفسرین کرام نے ویسے ہی منسوخ قرار دیا ہے کیونکہ یہ حق وراثت مہاجرین وانصار میں صرف فتح مکہ سے پہلے پہلے آجانے والے مہاجرین میں تھا اور بعض مفسّرین مہاجرین وانصار میں صرف فتح مکہ سے پہلے پہلے آجانے والے مہاجرین میں تھا اور بعض مفسّرین نے لکھا ہے کہ یہ کل ۷۰ یا ۹۰ مہاجرین تھے جن کو انصار نے بحکم خدا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی وراثت میں شریک کیا۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے زمانہ میں مکہ معظمہ کے مکانات فروخت نہیں ہوا کرتے تھے جیسا کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں اس لئے خرید وفروخت کا مسئلہ بالا از فہم وادراک ہے اور اصل بات تو یہ ہے کہ اس واقعہ سے مسئلہ وراثت ابو طالب پیدا کرنا محض راوی کا گمان ہے ورنہ بات تو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مکانوں کی تھی جن کا عقیل کو متولی بنایا تھا۔

باب پانزدہم

☆ عمك شیخ الضّال قدمات

☆ بُوڑھا گمُراہ چچا یا وارفتۂ محبت رسول عمّ بزرگوار؟

☆ جنازہ کیوں نہیں پڑھا؟

☆ ابوطالب! رسول اللہ سے دُور بھاگتے تھے۔

☆ هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ کی ناقابلِ فہم تفسیر

☆ روایات پر محدثین کی جرح وتعدیل

عمک شیخ الضّال قدمات

اس روایت کا شاخسانہ اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ جب حضرت ابو طالب نے اِنتقال فرمایا تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم اس واقعہ کی اطلاع لے کر حضور رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو گئے اور عرض کیا کہ آپ کا بوڑھا گمراہ چچا مر گیا ہے حضرت علی کی زبانی یہ جانکاہ خبر سنی تو حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے رونا شروع کر دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم کرے انہیں جا کر غسل دو اور ان کی تجہیز و تکفین کرو اور اس کام سے فارغ ہو کر سب سے پہلے ہمیں ملو۔

چنانچہ حضور سرورِ کائنات صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے فرمان کے مطابق ان امور کو سرانجام دینے کے بعد حضرت علی کرّم اللہ وجہہ الکریم بارگاہِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ پہلے جا کر غسل کرو پھر آپ نے اتنی دعائیں دیں جو بقول حیدرِ کرّار علیہ السّلام دنیا ومافیہا سے بہتر تھیں۔

جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں وضاحت کر چکے ہیں کہ یہ روایت بخاری شریف کی اس روایت کے قطعی طور پر متضاد و متعارض ہے جس میں بتایا جاتا ہے کہ حضرت ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موجودگی میں انتقال فرمایا اور بجائے کلمہ پڑھنے کے آخری جملہ یہ ادا فرمایا کہ میں ملت عبدالمطلب پر یا دین آباء پر فوت ہوتا ہوں۔

بفرضِ محال اگر اس روایت کو درست بھی تسلیم کر لیا جائے تو حضرت علی سے منسوب جملہ عمک شیخ الضال قد مات کا ترجمہ مکروہ انداز میں کرنے کی بجائے یہ کیوں نہیں کیا جاتا کہ آپ کے وارفتۂ محبت بزرگ چچا انتقال فرما گئے ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک مقام پر فرمایا ہے ضالاً فھدی جس کا ترجمہ مفسرین کرام نے استغراقِ محبت کیا ہے اور ایسے ہی حضرت یعقوب علی نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان کے بیٹوں نے ضلالک القدیم کا جملہ کہا تھا اور یہ غلط بھی نہیں۔

اور جب یہ درست ہے تو پھر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے والہانہ عشق اور وارفتگی محبت کس دلیل کے محتاج ہیں۔

کیا حبہ حبا شدیدا کا ترجمہ وارفتگی محبت کے علاوہ بھی کسی جملہ میں ادا کیا جا سکتا ہے؟

علاوہ ازیں ہم کتاب ہذا کی جلد اوّل میں یہ حوالہ بھی نقل کر چکے ہیں کہ مفسّرین کرام قرآنِ مجید کی آیت کریمہ ضالاً فھدیٰ کے تحت فرماتے ہیں کہ نہ صرف حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محبّت میں وارفتہ تھے بلکہ خود امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابوطالب کی محبت میں مستغرق تھے۔

بہرکیف! اگر آپ عمك شیخ الضال قد مات کے جملہ کو حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ الکریم سے منسوب کرنا ہی چاہتے ہیں تو پھر کم از کم اس کے ترجمہ کو تو درست جگہ پر رہنے دیں۔

جب بغیر تاویلات میں جانے کے اس جُملہ کا ترجمہ آپ کی محبت میں وارفتہ اور مستغرق بزرگ عمّ محترم کا وصال فرما جانا ہو سکتا ہے تو پھر اس حقیقت آفریں رعایت لفظی سے نفع حاصل کرنے سے کون سا داعیہ مانع ہے۔

علاوہ بریں! تاجدارِ ھل اَتیٰ مشکل کشا شیرِ خدا حیدر کرار رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تو تربیت ہی اس اخلاق مجسّم کی آغوشِ رحمت و رافت میں ہوئی ہے جسے امام المرسلین ہونے کے ساتھ ساتھ امام المؤمنین ہونے کا شرف بھی حاصل ہے۔

اندریں حالات! پروردۂ آغوشِ رسول سیّد الاصفیاء جناب شیرِ خدا رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے مقدّس اور عظیم باپ کی شان میں کراہت و حقارت

آمیز الفاظ کیسے ادا کر سکتے تھے؟ اور پھر جناب علی علیہ السلام کو تو باب مدینۃ العلم کے خلعت سے سرفراز ہو کر اُسوۂ مصطفےٰ کی مکمل تصویر بن کر دنیا کے سامنے آنا تھا۔

یہی نہیں حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم تو خود اپنے والد گرامی کی محبت میں مستغرق تھے اُنہیں اپنے والدِ محترم سے والہانہ عشق تھا وہ اپنے عظیم باپ کی اتباع کو سعادتِ دارین خیال فرماتے تھے اور ان کے تمام تر احکامات کی تعمیل بلا چون وچرا کرتے تھے باوجود اس کے کہ انہیں تاجدار انبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آغوشِ رافت اور سایۂ دامانِ رحمت حاصل تھا وہ اپنے باپ کے وصال کے بعد اُن کے ہجر و فراق میں پوری پوری رات رو رو کر گزار دیتے تھے شفقتِ پدری کی محرومی نے آپ کا چین و قرار چھین لیا تھا اور جب آہ وزاری کرتے کرتے غم میں ڈوبے ہوئے اشکوں کا طوفان جذبات واحساسات کے سمندر کو طلاطم خیز کر دیتا تو آپ کے جگر خراش نالے اور جاں سوز و دلدوز آہیں دردناک الفاظ میں ڈھل ڈھل کر جناب ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مرثیوں کی صورت اختیار کر لیتے تھے اور وہ غم میں ڈوبے ہوئے مرثیے آج بھی آپ کے دیوان کی زینت ہیں۔

جناب شیرِ خدا علی علیہ السلام کے والدِ محترم سیدنا ابو طالب رضی اللہ عنہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھے کہ ان کا تذکرہ اس حقارت و تنفر سے کیا جاتا جو بعض لوگوں نے کم علمی کی بنا پر تصور کر رکھا ہے۔

بہر کیف! اگر یہ روایت دُرست بھی ہو تو اس کا ترجمہ صرف اور صرف یہی ہوسکتا ہے کہ یارسول اللہ آپ کی محبت میں مُستغرق آپ کے بزرگ عمِ محترم انتقال فرما گئے۔

روایت کے باقی حصّے

اس وضاحت کے بعد ضروری معلوم ہوتا ہے روایت کے باقی حِصص بھی زیرِ تبصرہ لے آئیں چنانچہ مزید عبارت ہے کہ،

جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو اپنے والدِ محترم کے انتقال کی خبر سنائی تو آپ رونے لگے اور حضرت علی کو فرمایا کہ انہیں غسل دے کر تکفین وتدفین کا انتظام کرو اللہ تبارک وتعالیٰ ان پر رحم کرے اور ان کی مغفرت فرمائے اور ان امور سے فارغ ہوکر سب سے پہلے میرے پاس آنا چنانچہ آپ کے حکم کے مطابق حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم حاضرِ خدمت ہو گئے تو آپ نے انہیں بھی غُسل کرنے کا حکم دیا اور پھر انہیں اسقدر دعائیں دیں جو دُنیا ومافیہا سے بہتر تھیں۔

منقولہ بالا عبارت کو اس طرح تقسیم کیا جاسکتا ہے،

اوّل! حضرت ابوطالب کی وفات کی خبر سن کر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے رونا شروع کر دیا اور ان کے لئے رحمت ومغفرت کی دعا فرمائی۔

دوم! حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اپنے باپ کی تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر سب سے پہلے میرے پاس آؤ۔

سوم! حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کے حکم کے مطابق ان امور سے فارغ ہو کر آپ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ علی پہلے غسل کر آؤ اور پھر دوبارہ حاضر ہونے پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو بیشار دعائیں دیں۔

روایت ہذا کے ان تینوں ٹکڑوں میں کوئی ایک لفظ بھی ایسا تلاش نہیں کیا جا سکتا جس سے حضرت ابو طالبؑ کے صاحب ایمان ہونے کی نفی ہوتی ہو بلکہ ان کا ایک ایک لفظ ان کے مومن اور صحابی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔

چنانچہ اگر یہ روایت درست ہے اور حضور رسالت پناہ علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وفات پر اشکبار ہوئے ہیں تو پھر درج ذیل روایات پر غور و فکر فرمائیں۔

کافر کی موت پر رونا

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ، خدا کی قسم! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ ہرگز نہیں فرمایا کہ مومن پر اس کے عزیز و اقارب کے رونے سے اللہ تعالیٰ عذاب کرتا ہے

بلکہ آپ نے فرمایا ہے کہ کافر پر اس کے اعزّہ کے رونے سے عذاب زیادہ کیا جاتا ہے۔

متن ہے۔

"عن عائشة رضی اللہ عنها واللہ ما حدث رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہ و سلم ان اللہ لیعذب المومن ببعض البکا اهله علیه لکن رسول اللہ صلی اللہ علیه وآلہ و سلم قال ان اللہ لیزید الکافر عذابا ببکا اهله علیه۔

﴿تجرید البخاری ص ۲۵۹ جلد اول﴾

اس مضمون کی دُوسری حدیث حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالی عنہا سے اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک یہودی عورت کی قبر کے قریب سے گذرے جس پر اس کے قریبی رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا یہ لوگ اس کے لئے رو رہے ہیں حالانکہ ان کے رونے سے قبر میں اس کا عذاب زیادہ ہو رہا ہے۔

عن عائشه رضی اللہ عنها قالت مر النبی صلی اللہ علیه وآلہ و سلم علی یهودیة یبکی علیها اهلها فقال انهم لیبکون علیها وانها لتعذب فی قبرها

﴿تجرید البخاری ج ۱ ص ۲۵۹﴾

مومن کی موت پر رونا

منقولہ بالا روایات کو ذہن میں رکھیں اور ملاحظہ فرمائیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مومنوں کے مرنے پر خود روتے ہیں۔

بنت رسول سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے صاحبزادے پر نزع کا عالم طاری تھا حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بچے پر سکرات موت طاری دیکھی تو آپ کے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ کو روتے دیکھا تو عرض کیا یارسول اللہ یہ کیا ہے سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا یہ رحمت ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے رکھی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے انہیں بندوں پر رحم فرماتا ہے جو رحمدل ہوں۔

فقال سعد یا رسول اللہ ما ھذا قال ھذا رحمۃ جعلھا اللہ فی قلوب عبادہ و انما یرحم اللہ من عبادہ الرحمۃ

﴿تجرید البخاری ج ا ص ۲۵۸﴾

اسی طرح جب بنت رسول العالمین سیدہ اُم کلثوم صلوٰۃ اللہ علی ابیہا و علیہا کا وصال ہوا تو آپ ان کی قبر کے پاس بیٹھ کر رو رہے تھے۔

حضرت انس کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قبر کے

پاس تشریف فرماتھے اور آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جالس

عند القبر قال فرایت عینیہ تدمعان۔

﴿تجرید البخاری ج۱ص ۲۵۸﴾

اب جب کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ایک طرف تو اس قسم کے ارشادات موجود ہیں کہ کافر کے اقرباء واعزہ کا اس کی موت پر رونا باعثِ زیادتی عذاب ہے اور مسلمانوں کے مرنے پر ان کے لواحقین کا آنسو بہانا جذبہ رحم کا اظہار ہے تو پھر آپ ابو طالب کے فوت ہو جاتے پر اس کو کیا سمجھ کر روئے تھے کیا آپ انہیں کافر سمجھتے ہوئے ان کا عذاب بڑھانے کے لئے روتے رہے۔ ان کو مسلمان سمجھ کر اپنے جذبۂ رحمت کا اظہار فرماتے تھے یہ فیصلہ قارئین خود بھی کر سکتے ہیں اور خود بھی اندازہ کر سکتے ہیں کہ دوسروں کو کفار کی موت پر رونے سے منع کرنے والے مقدس رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خود وہی کام کیسے کر سکتے تھے اور پھر اللہ تبارک وتعالیٰ سے حضرت ابو طالب کے لئے رحمت ومغفرت طلب فرمانا ان کے ایمان پر مُہرِ تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔

دوسری بات اس روایت میں ہے کہ آپ نے حضرت علی کو تجہیز و تکفین کا حکم فرمایا تو اس میں بھی کوئی ایک لفظ ایسا نہیں جس سے انتقال کرنے والے کا کافر ومشرک ہونا ثابت کیا جا سکے البتہ معترضین یہ نہایت ناقص اور

خام سی دلیل پیش کرتے ہیں کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خُود یہ فریضہ کیوں انجام نہیں دیا چونکہ آپ نے اپنے ہاتھوں سے انہیں غسل کفن نہیں دیا اس لئے کافر و مشرک تھے۔

سُبحان اللہ! ایسی دلیل بے دلیل بھی کس کے پاس ہو گی اس لایعنی اعتراض پر ہم زیادہ بحث نہیں کریں گے صرف ان لوگوں کے لئے ایک سوال چھوڑے دیتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اقربا میں سے فوت ہونے والے اور دیگر جمیع مومنین میں سے کتنے لوگوں کو غسل دیا ہے جب یہ اعداد و شمار جمع ہو جائیں گے تو مسئلہ خود بخود سمجھ میں آجائے گا۔

اور دوسری بات یہ ہے کہ اگر سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت ابو طالب کی میت کو ان کی کفریہ شرکیہ نجاست کی وجہ سے ہاتھ لگانے سے گریز کرنا مقصود ہوتا تو آپ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ایسا قبیح کام کرنے کا حکم ہرگز نہ فرماتے۔

کیا امام الانبیاء صلّی اللہ علیہ وآلہ وسلّم امام الاولیاء علیہ الصّلوٰۃ والسلام کو کسی نجس کام کو سرانجام دینے کے لئے مامور فرما سکتے تھے؟ جب کہ بقول اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان و دیگر فقہا کے نزدیک یہ اَمر مسلّم ہے کہ اگر کافر و مشرک میت کے ورثا میں سے کوئی شخص کافر و مشرک موجود ہو تو میت اس کے حوالے کر دی جائے اور مومن لوگ اسے ہاتھ نہ لگائیں جب کہ

یہاں حضرت ابو طالب کی میت کو غسل دینے کے لئے بجائے حضرت عقیل اور طالب کے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا انتخاب کیا گیا ہے۔

اور یہ دلیل کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے اپنے باپ کو غسل دیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں خود بھی غسل کر لینے کا حکم فرمایا تھا لہذا ثابت ہو گیا کہ حضرت ابو طالب کافر تھے تو یہ دلیل تارِ عنکبوت سے بھی کمزور ہے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسی ارشاد کے پیش نظر حضرت علی کرم اللہ وجہہ لاکریم ہر میت کو غسل دینے والے کو خود بھی غسل کرنے کا حکم فرماتے تھے خواہ وہ میت کسی بڑے سے بڑے صحابی کی ہی کیوں نہ ہو۔

چنانچہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ ارشد امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ روایت نقل فرماتے ہیں۔

حضرت علی ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ میت کو غسل دینے کے بعد خود بھی غسل کرنے کا حکم فرماتے تھے۔

محمد قال اخبرنا ابو حنفیہ عن ابراھیم ان علی بن ابی طالب کان یامر بالغسل من غسل المیت۔

﴿کتاب الآثار ص ۱۱۸﴾

منقولہ بالا روایت کتاب الآثار کے علاوہ تاریخ خمیس میں اس طرح ہے کہ،

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھے میت کو غسل کر دینے کا حکم فرمایا اور حضرت علی علیہ السلام جب بھی میت کو غسل دیتے خود بھی غسل فرما لیتے۔

وقال علی فامرنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم فاغسلت و کان علی اذا غسل المیت اغتسل،

﴿تاریخ الخمیس ج۱ ص۳۰۱﴾

اس ضمن میں ایک مرفوع حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ علی برہان الدین حلبی سیرت حلبیہ میں فرماتے ہیں۔

اقول لا نہ غسلہ وبہ یقولہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم من غسل میتا فلیغتسل۔

﴿سیرت حلبیہ ج۲ ص۴۷﴾

امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مذہب میں یہ بھی ہے کہ اگر میت کے غسل کا پانی تمہارے کپڑوں پر پڑ جائے تو کپڑوں کو دھو ڈالو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل دے کر غسل کر لینے کا ارشاد جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو فرمایا تھا اسی کے پیش نظر مولائے کائنات حیدر کرار دوسروں کو بھی ایسا ہی کرنے کا حکم فرماتے جس کا حوالہ آپ پڑھ چکے ہیں۔

روایت کا آخری جملہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو غسل

میت فرمانے پر بے شمار دعائیں دیں تو اس کا مطلب اور کیا ہو سکتا ہے کہ اے علی تم نے بہت ہی نیک کام کو سرانجام دیا ہے اور بہت بڑی سعادت حاصل کر کے آئے ہو ورنہ کسی کافر و مشرک کے ساتھ ایسا سلوک کرنا محض اخلاق اسلامی کا نمونہ تو ہو سکتا تھا لیکن کوئی کار خیر یا عظیم کارنامہ نہیں کہلا سکتا تھا اور رسول اکرم کا حضرت علی کو اس وقت دعائیں دینا اس وجہ سے بھی تھا کہ حضرت علی علیہ السّلام کے غم کو کم کیا جاتا اور ان کی تالیفِ قلبی فرمائی جاتی نیز ان کے باپ کی رحلت کے صدمہ کے اثرات کی تخفیف کی جاتی۔

اس مشکل کو حل فرمائیں

جیسا کہ ہم سابقہ اوراق میں فقہائے کرام کا یہ استدلال کنائۂ پیش خدمت کر چکے ہیں کہ اگر کوئی کافر و مشرک شخص کسی مسلمان رشتہ دار کے گھر میں فوت ہو جائے تو اس کی میت کو مسلمان ہاتھ نہ لگائیں بلکہ اس کے کسی کافر رشتہ دار کے حوالے کر دیں تاکہ وہ اس کا گور گڑھا کرے۔

اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خاں صاحب نے بھی ایک عیسائی عورت کی میت کے سلسلہ میں انہی بنیادوں پر فتویٰ صادر فرمایا ہے جس کی پوری عبارت حسب ذیل ہے۔

سوال! اگر ایک شخص نے گرہستی عورت کے ساتھ نصاریٰ کے گرجے میں نکاح کیا پھر اسلامی طریقہ کے مطابق نکاح کیا اور وہ عورت

اپنے نصاریٰ کے گرجے میں پُوجا کرنے کو جاتی ہے آیا اگر اس عورت کا اِنتقال ہو جائے تو اس کے دفن کفن کا کیا حکم ہے؟

جواب! صرف اتنی بات کہ اس نے مُسلمان سے نکاح کرلیا اسے مُسلمان نہ کردے گی کہ مرتدہ ٹھہرے وہ بدستور نصرانیہ ہے لہٰذا اس کے نصرانی رشتہ داروں کو دے دی جائے کہ وہ اس کا گور گڑھا کریں۔

ہدایہ میں ہے،

اذامات الکافر وله ولی مسلم یغسل غسل الثوب النجس ویلف فی خرقة تحفر حفیرة من غیر مراعاة سنة التکفین واللحد ولا یوضع فیها بل یلقی۔

فتح القدیر میں ہے۔

مقید بما اذا لم یکن قریب کافر فان کان فخلی بینه وبینهم هذا اذا لم یکن کفره۔

یعنی جب کوئی کافر مر جائے اور اس کا کوئی رشتہ دار مُسلمان ہو تو وہ اسے سنّت طریقہ کی رعایت دیئے بغیر ایسا غسل دے جیسے ناپاک کپڑے کو دھوتے ہیں اور ایک چیتھڑے میں لپیٹ کر ایک تنگ گڑھے میں پھینک دے آہستگی سے نہ رکھے بلکہ اوپر سے

ڈال دے۔

اور یہ بھی اس صورت میں ہے کہ اس کا کوئی کا
فر رشتہ دار موجود نہ ہو ور نہ اس کا فر کے حوالے
کرے۔

﴿فتاویٰ افریقہ ص ۱۰۵﴾

مندرجہ بالا عبارت میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے واضح طور پر یہ فتویٰ صادر فرمایا ہے کہ اگر کسی مُسلمان کا کافر رشتہ دار فوت ہو جائے تو اس کی میّت اس کے کافر رشتہ دار کے حوالے کر دی جائے مُسلمان صرف اسے غلیظ کپڑے کو دھونے کی صورت میں غسل دے سکتا ہے اور یہ اس وقت ہے جب اس کا کوئی کافر رشتہ دار سرے سے ہی موجود نہ ہو۔

اس فتویٰ کی روشنی میں اب یہ مسئلہ حل فرمائیں کہ جب حضرت ابو طالب کے وصال کے وقت ان کے دو بیٹے جناب طالب اور حضرت عقیل رضی اللہ تعالیٰ عنہ بحالتِ کفر موجود تھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بطورِ خاص ان کے غسل کفن کے لئے حضرت علی شیر خدا کرم اللہ وجہہ الکریم کا انتخاب کیوں فرمایا۔

کیا فرماتے ہیں مفتیانِ دین اور حامیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جب حضرت ابو طالب کی وراثت کے حق دار حضرت طالب اور عقیل محض اس وجہ سے بتائے جاتے ہیں کہ وہ بھی کافر تھے اور ان کا باپ

بھی کافر تھا اور کافر ہی کافر کا وارث ہو سکتا ہے تو اس مقام پر یہ وراثت کہاں چلی گئی جب کہ یہاں اس سے بھی سخت معاملہ در پیش ہے کیونکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم محض اس وقت انہیں غسل دینے کے مجاز تھے جب ان کے کافر بیٹوں یا رشتہ داروں میں سے کوئی بھی موجود نہ ہوتا۔

علاوہ ازیں بقول اعلیٰ حضرت کافر میت کا اگر کافر رشتہ دار نہ مل سکے تو بحالت مجبوری مسلمان صرف یہ کر سکتا ہے کہ کافر کی میت کو نجس کپڑے کی طرح غسل دے کر تنگ سا گڑھا کھود کر اس میں اوپر سے پھینک دے۔

مگر اس طرف صورت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہ تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو یہ فرماتے ہیں کہ اپنے باپ کو اس کے کافر بیٹوں طالب و عقیل کے حوالے کر دو اور نہ ہی یہ فرماتے ہیں کہ اپنے باپ کو گندے کپڑے کی طرح غسل دے کر چیتھڑے میں لپیٹ کر تنگ گڑھے میں پھینک آؤ۔

بلکہ اس کے برعکس آپ روتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ علی اپنے باپ کو خود غسل دو ان کو کفن پہناؤ اور ان کی تدفین کرو اور ان امور سے فارغ ہو کر سب سے پہلے مجھ سے ملاقات کرو اور پھر جب حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم آپ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوتے ہیں تو آپ انہیں اپنی شفقت آمیز دعاؤں کی وہ قیمتی متاع عطا فرماتے ہیں جو بقول حیدر کرار ان کے لئے دنیا و مافیہا سے زیادہ قیمتی تھی۔

کتنی جہتیں کتنے زاویے

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت قدس سرہ العزیز اپنے منقولا بالا فتویٰ کی مضبوطی کیلئے مزید ارشاد فرماتے ہیں کہ ہدایہ میں ہے کہ اس کو غسل دو اور اس کی تکفین وتدفین کرو جیسا کہ رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے باپ جناب ابو طالب کے متعلق ارشاد فرمایا تھا لیکن یہ غسل ایسے ہی جیسے ناپاک کپڑے کو دھویا جاتا ہے۔

وقول الهداية يغسله ويكفنه ويدفنه بذالك امر علی رضی الله تعالیٰ عنه فی حق ابيه ابی طالب لكن يغسل غسل الثوب النجس فاقول انما الثابت فی حديث ابی داؤد ان عليا كرم الله وتعالیٰ وجهه قال يارسول الله ان عمك الشيخ الضال قدمات۔ قال ! اذهب فواره اياك ليس فيه ذكر غسل ولا تكفين والفوارة ليست للاكرام بل لدوء الذی وكذاهوعند الشافعی وابی داؤد الطيالسی وابن راهوية وابی يعلی والبيهقی نعم فی رواية ابن ابی شيبة اری ان تغسله وكفنه وواره قال البيهقی حديث باطل واسناده كلا ضعيفة۔

واقول صححه ابنخزيمة كمافی الاصابة من ترجمة ابی طالب واقره الحافظ لكنه فی الفوارة فقط نعم الواقدی ثقة عندنا فصدق قول الهداية بذالك امر علی ومع هذا هی واقعته عين العموم لها وقد خفف عن ابی طالب عذاب النار اكراما لرسول الله صلی الله عليه وآله وسلم فليكن غسله وتكفينه ايضاً من هذا بعد كل ذالك فالمذهب مانص عليه وليس لنا مقابهديه ، والله اعلم ،

﴿فتاویٰ افریقہ ص ۱۰۷﴾

اور بے شک ابو داؤد کی حدیث سے ثابت ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا کہ ان عمك الشيخ الضال قد مات تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جا کر انہیں دبا دو اس روایت میں نہ تو غسل دینے کا ذکر ہے اور نہ ہی تکفین وتدفین کا اور یہ ان کے اکرام کے لئے نہیں ہے اور ایسا ہی شافعی ابوداؤد طیالسی ابن راہویہ ابویعلٰی اور بیہقی نے کہا ہے ہاں البتہ ابن ابی شیبہ کی روایت میں ہے کہ ان کو غسل دے کر تکفین وتدفین کرو بیہقی کہتے ہیں کہ یہ حدیث باطل ہے اور اس کی تمام اسناد ضعیف ہیں۔

اور ابن خزیمہ نے صحت کے ساتھ بیان کیا جیسا کہ الاصابہ میں حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعات میں بیان ہوا اور اقرار کیا اس کا حافظ ابن حجر عسقلانی نے لیکن اس میں صرف دفن کرنے کا ذکر ہے اور واقدی ثقہ ہے۔

ہمارے نزدیک صاحب ہدایہ کا قول صادق ہے اور وہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو غسل وغیرہ دینے کا ارشاد فرمایا اور اس کے ساتھ ہی اس واقعہ میں ان کے لئے تعمیم ہے اور بیشک حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اکرام کے لئے تخفیف عذاب ہوئی ولیکن ان کو غسل دینا اور کفن دینا ان تمام سے بعد کی بات ہے اور

مذہب وہ ہے جس پر نص ہو اور ہمارے نزدیک اس کی تقلید کوئی چیز نہیں۔

تقسیم روایت

مندرجہ بالا عبارت کو تقسیم اس طرح ہو گی۔

اول! ہدایہ میں ہے کہ کافر میت کا کافر وارث نہ ملنے کی صورت میں اسے غسل دو اور اس کی تکفین و تدفین کرو جیسا کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو ان کے باپ کی میت کے لئے حکم فرمایا مگر یہ غسل ناپاک کپڑے کو دھونے کی طرح ہے۔

دوم! ابوداؤد کی حدیث میں صرف یہ ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

علی جا کر اپنے باپ کو دبا دو اس میں غسل کفن اور تدفین کا ذکر نہیں اور نہ ہی یہ دبانا حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ کے اکرام کے لئے ہے۔

سوم! ابن شیبہ کی روایت میں تجہیز و تکفین اور تغسیل و تدفین کا ذکر موجود ہے مگر یہ روایت بیہقی کے نزدیک باطل ہے اور اس کی سندیں ضعیف ہیں۔

چہارم! ابن خزیمہ واقدی اور ابن حجر عسقلانی کے نزدیک دبادو کی بجائے دفن کرو۔

پنجم! اعلیٰ حضرت کے نزدیک صاحب ہدایہ کا قول صادق ہے کہ

ان کو غسل دو اور ان کی تکفین و تدفین کرو مگر اس میں عمومیت ہے۔

جب کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عذاب میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اکرام کے لئے تخفیف ہوئی۔

ابو داؤد کا اعترافِ اختصار

امام ابو داؤد رحمۃ اللہ علیہ مکہ معظمہ زاد اللہ شرفہا سے آئے ہوئے ایک سوال کے جواب میں خود تحریر فرماتے ہیں کہ میں بعض وقت حدیث کو اختصار کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔ چنانچہ نواب صدیق حسن بھوپالی اپنی کتاب "الحطہ فی ذکر اصحاح ستہ" میں اس خط کا تذکرہ کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ امام ابو داؤد نے فرمایا۔

ایسی حدیثیں جو دو صحیح طریقوں سے مروی ہوں اور ان میں ایک کا راوی اسناد میں مقدم ہو اور دوسری کا حفظ میں بڑھا ہوا ہو تو ایسی صورت میں کبھی پہلی کو لکھ دیتا ہوں۔

اور بعض دفعہ میں نے ایک طویل حدیث کو مختصر اذکر کیا ہے کیونکہ اگر میں اس کو پوری نقل کرتا تو بعض سامعین کو پتہ بھی نہیں چلتا اسی بناء پر میں نے اختصار کیا ہے۔

﴿الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۱۹۱ امام اعظم اور علم حدیث ص ۴۷۱﴾

منقولہ بالا عبارت سے قارئین کے لئے یہ نتیجہ اخذ کرنا مشکل نہیں

کہ ابو داؤد شریف میں بعض احادیث ایسی یقیناً موجود ہیں جنہیں امام ابوداؤد نے اپنی صوابدید سے اختصار کے ساتھ نقل فرمایا ہے اندریں حالات اِس پوری حدیث کی اسناد کو محض امام بیہقی کے فرما دینے سے ضعیف نہیں قرار دیا جا سکتا جسے امام بیہقی کے اساتذہ کے بھی اُستاد اور ثِقہ موزخ و محدّث امام ابن سعد نے طبقات ابن سعد میں صحیح اسناد کے ساتھ نقل فرمایا ہے۔

علاوہ بریں صاحب ہدایہ کا ابوداؤد کی مختصر حدیث کی بجائے طبقات اور الاصابہ وغیرہ کی پُوری حدیث کی توثیق فرما دینا ہی اس کی صحت و ثقاہت کی بہت بڑی دلیل ہے یہی وجہ ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت امام بیہقی کا قول نقل فرمانے کے باوجود آخر پر صاحب ہدایہ کی بیان کردہ روایت کو صادق اور صحیح تر مانتے ہیں اور یہ ضروری بھی ہے کیونکہ فقہائے احناف روایت قبول کرنے کے معاملہ میں دوسرے حضرات سے کہیں زیادہ احتیاط سے کام لیتے ہیں یہ الگ بات ہے کہ خود امام داؤد محض تعصّب کی وجہ سے امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی تلامذہ کی بیان کردہ روایات کو بے نُور کہتے ہیں اور واضح طور پر فرماتے ہیں کہ کوفیوں کی حدیث بے نُور ہے۔

احناف کے نزدیک حُجّت ہے

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اس امر کی خود وضاحت فرماتے ہیں کہ احناف کے نزدیک مرسل روایت اور صحابی کا قول بھی حجت

ہے بلکہ فضائل میں ضعیف حدیث بھی قابل قبول ہے جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کا بطور خاص حضرت ابو طالب کی تجہیز و تکفین کرنا حضرت ابوطالب کے فضائل و منقبت پر مشتمل ہے۔

ہمارے آئمہ کرام حنفیہ و جمہور ائمہ کے نزدیک حدیث مُرسل غیر متصل الاسناد بھی حُجت ہے ہمارے امام اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے نزدیک حدیث موقوف غیر مرفوع قولِ صحابی بھی حُجت ہے کہ یہ سب مسائل ادنیٰ طالب علم پر بھی روشن ہیں اور حدیث صحیح کا ان چھ کتب میں محصور نہ ہونا بھی علمِ حدیث کے ابجد خوانوں پر بیّن و مبرہن ہے۔

﴿ایتان الارواح ص ۴﴾

تو اوّلاً یہ کہ سیر و مغازی و مناقب کے یہ معلوم سب کاؤ خورد و دریا بُرد ہو جائیں، حالانکہ علماء تصریح فرماتے ہیں کہ اِن علوم میں صحاح تو در کنار ضعاف بھی مقبول ہیں۔"

لا یخفیٰ ان السیر تجمع الصحیح والسقیم والضعیف والبلاغ والمرسل المنقطع والمعضل دون الموضوع وقد قال الاحمد وغیرہ من الائمة اذا روینا فی الحلال والحرام شددنا واذا روینا فی الفضائل ونحوها تساهلنا

﴿ایتان الارواح ص ۱۰﴾

یعنی یہ امر مخفی نہیں کہ کتب سیر میں سوائے موضوع حدیث کے صحیح و سقیم، ضعیف و بلاغ، مُرسل و منقطع اور معضل ہر قسم کی احادیث جمع کی ہوتی ہیں۔ جیسا کہ ائمہ حدیث میں سے امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے فرما رکھا ہے کہ ہم حلت و حُرمت کے مسائل میں تو سختی کرتے ہیں مگر جب فضائل اور اِس جیسی دوسری روایات آتی ہیں تو اس کو آسانی سے قبول کر لیتے ہیں۔

ظاہری باطنی نجاست

علاوہ ازیں فقہائے کرام کے نزدیک کافر کی میت کو تو گندے چیتھڑے کی طرح دھونے کا حکم ہے لیکن کفّار کے پکائے ہوئے کھانے کی نجاست اس سے کہیں بڑھ کر ہے اس ضمن میں اعلیٰ حضرت بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک فتویٰ پیش کرنے سے پہلے ہم قارئین کو اس امر کی یاد دہانی کرا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حیاتِ ظاہری کا اکثر حصہ حضرت ابو طالب کے دستر خوان سے کھانا کھایا ہے اندریں حالات یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی میت ان نجاستوں سے پاک تھی جو کسی بھی کافر کے لئے مختص ہے ورنہ حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم کو کبھی نہ فرماتے کہ ان کو غسل دے کر تجہیز و تکفین کرو بہر کیف حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

آیت کریمہ "اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ" ان کی نجاست قلب اور نجاست دین کے بارے میں ہے اجسام اگر ملوث بہ نجاست ہیں تو نجس ہیں ورنہ نہیں۔ تمام کتب فقہ متون و شروح و فتاویٰ اس کی تصریحات سے مالا مال ہیں ان کے یہاں کا گوشت تو ضرور حرام ہے مگر اس حالت میں کہ مسلمان نے اللہ عزوجل کے لئے ذبح کیا اور بنانے پکانے لانے کے وقت مسلمانوں کی نگاہ سے غائب نہ ہوا یعنی کوئی نہ کوئی مسلمان اسے دیکھتا رہا تو اس وقت حلال ہے ورنہ حرام اور باقی اشیاء جن میں نجاست یا حرمت متحقق و ثابت ہو نجس و حرام ہیں ورنہ طاہر و حلال کی اصل اشیاء میں طہارت و حلت ہے۔

قال اللہ تبارک وتعالیٰ

"خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا"

جب تک کسی عارض سے اس اصل کا زوال ثابت نہ ہو

حکم اصل کے لئے ہی رہے گا،

محرر المذہب سیدنا امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں۔

بہ ناخذ مالم نعرف شیئا حراما بعینہ مگر اس میں شک نہیں کہ ہنود بلکہ تمام کفار اکثر ملوث بہ نجاست رہتے ہیں بلکہ اکثر نجاستیں ان کے نزدیک پاک ہیں بلکہ بعض نجاستیں ہنود کے خیال میں پاک کنندہ ہیں تو جہاں تک ضرورت نہ ہو ان سے بچنا اولیٰ غرض فتویٰ جواز اور تقویٰ احتراز،

(فتاویٰ رضویہ کتاب الطہارۃ باب الانجاس جلد دوم ص ۱۳۵)

هُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ

یعنی خود بھی انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی منع کرتے ہیں۔

بعض مفسرین کرام نے اس آیت کا شانِ نزول بھی حضرت ابو طالب کے متعلق بیان کیا ہے اب جبکہ بفضلِ اللہ تعالیٰ تمام تر روایات کی حقیقت ہدیہ قارئین کر ہی چکے ہیں۔

تو مناسب یہی ہے کہ یہ آخری اعتراض بھی رفع کر دیا جائے مفسرین فرماتے ہیں کہ حضرت ابو طالبؑ چونکہ دوسروں کو ایذائے رسول سے منع کرتے تھے لیکن خود ان کا حکم نہیں مانتے تھے اس لئے یہ آیتِ کریمہ نازل ہوگئی۔

بہتر یہ ہے کہ آپ یہ پوری آیت مع سیاق و سباق ملاحظہ فرمالیں بعد میں مفسرین کے متفرق اقوال اور دیگر روایات پیش کی جائیں گی۔

پوری آیات یہ ہیں

حَتّٰى إِذَا جَاءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا إِنْ هٰذَا إِلَّا أَسَاطِيْرُ الْأَوَّلِيْنَ ○ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ وَإِنْ يُهْلِكُوْنَ إِلَّا أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ○

یہاں تک کہ جب تمہارے حضور تم سے لڑتے
جھگڑتے حاضر ہوں تو کافر کہیں یہ تو پہلوں کی
داستانیں ہیں اور وہ اس سے روکتے اور اس سے دُور
بھاگتے ہیں اور ہلاک کرتے ہیں اپنی جانیں اور انہیں
شعور نہیں۔

﴿سورۃ الانعام آیت ۲۶،۲۵﴾

یہ کیسی تفسیر ہے

یہ واضح اور روشن ترین ہر دو آیات بیّنات نہ تو کسی تبصرے کی محتاج ہیں اور نہ ہی مزید وضاحت کی متحمل ہم اسے مفسّرین کے ذوقِ تفسیر کا نام دے سکتے ہیں اور بس؟ کیونکہ آیت کا جو ٹکڑا حضرت ابو طالب کے لئے تجویز کیا جاتا ہے اس کا تو آپ کی ذات کے ساتھ دور سے بھی کوئی تعلق اور ربط پیدا نہیں کیا جا سکتا۔

پہلی بات تو یہ ہے کہ آیت کریمہ کا پہلا حصہ ہے کہ کفّار جب بھی آپ کے پاس آتے ہیں لڑائی جھگڑے کو آتے ہیں اور آپ سے قُرآن مجید سن کر کہتے ہیں کہ یہ تو کچھ بھی نہیں یہ تو پہلوں کی داستانیں ہیں۔

اور پھر فرمایا کہ یہ لوگ آپ کے پاس آنے سے دوسروں کو بھی روکتے ہیں اور خُود بھی آپ سے دُور بھاگتے ہیں اور ایسا کرنے سے یہ لوگ

اپنی جانوں کو نا سمجھی کی وجہ سے ہلاکت میں ڈالتے ہیں۔

اب جس طریقہ سے بعض مفسّرین نے آیت کے اس ٹکڑا کو حضرت ابو طالب کے ساتھ منسوب کرنے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ ابو طالب لوگوں کو ایذائے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منع کرتے تھے مگر خود ان کا حکم نہیں مانتے تھے حالانکہ اس قسم کی تفسیر اور ترجمہ کی تبدیلی فصاحتِ قرآنی کے سراسر خلاف اور نا قابل فہم بات ہے۔

کیونکہ پوری کی پوری دونوں آیتیں کفّار و مشرکین کے پورے گروہ کی نشاندہی کرتی ہیں لہٰذا انہیں کسی فردِ واحد کے نام منسوب کیا ہی نہیں جا سکتا اور پھر دوسری سیدھی سی بات یہ ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کب اور کس وقت سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور بھاگے تھے اور کب آپ نے کفار کو آپ سے دُور رکھنے کی کوشش کی اور کس وقت لڑائی جھگڑا کرنے کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آئے۔

کیا اس سے بڑھ کر بھی کسی طریقہ سے حقائق کو مسخ کیا جا سکتا ہے آخر آپ خود ہی بتایئے کہ اس بوالعجبی کو کیا سمجھا جائے اور اس ستم ظریفی کا کیا نام رکھا جائے۔

جبکہ اس کے برعکس حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے متعلق اپنے پرائے سبھی جانتے ہیں کہ وہ زندگی کے آخری سانس تک اِمام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ سائے کی طرح رہے بچپن سے لیکر جوانی

تک ایک لحہ کی جدائی کو برداشت نہ کیا آپ کے غم جانتے رہے آپ کی خوشی کو اپنی خوشی سمجھتے رہے آپ کی اتباع و پیروی کے لئے تمام بنو ہاشم کو تبلیغ کرتے رہے کفار و مشرکین مکہ سے محض آپ ہی کے لئے ہر وقت اور ہر مقام پر نبرد آزما رہے اور پروانہ وار شمعِ رسالت کا طواف کرتے رہے کس قدر مقام حیرت و استعجاب ہے کہ ان کے متعلق یہ بدگمانی پیدا کر دی گئی کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم سے دُور بھاگتے تھے اور لوگوں کو دُور رہنے کی تلقین کرتے تھے۔

امام الانبیاء صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ان کے جنازہ کے ساتھ جاتے ہوئے یہ ارشاد فرماتے ہیں کہ اے چچا آپ نے میرے حق میں کوئی تقصیر نہ کی اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

لیکن امتی یہ کہتے ہیں کہ وہ آپ کا حکم نہ مان کر اور آپ سے دور رہ کر آپ کو اذیت دیتے رہے۔

"ایں تفاوت راہ از کجا تا بکجا است"

اس روایت کا ماخذ کہاں ہے

زیر بحث روایت کتب احادیث میں شاید ہی کہیں ہو البتہ کتب تفاسیر میں مع اسناد یہ روایت موجود ہے یہ الگ بات ہے کہ اصول رجال کے مطابق یہ اسناد انتہائی کمزور ہوں۔

کتاب اعلانِ ضخامت سے تقریباً دو گنی ہو چکی ہے لہٰذا مزید طوالت سے گریز لازمی ہو گیا ہے۔

چنانچہ بجائے اس کے کہ تمام کی تمام تفاسیر کے حوالے پیش کیے جاتے اور لمبی چوڑی بحث کے بعد آپ پر واضح کیا جاتا ہم نہایت اختصار سے چند تفاسیر کی مختصر عبارات پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں۔

تفسیر ابنِ کثیر

تفسیر ابن کثیر میں ہے:۔

یَنْھَوْنَ کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ اتباعِ حق اور تصدیقِ رسول اور انقیادِ قرآن سے لوگوں کو بھی روکتے ہیں اور خود بھی ان سے دور رہتے ہیں گویا وہ فعلِ قبیح کرتے ہیں نہ خود فائدہ اُٹھاتے ہیں اور نہ دوسروں کو فائدہ اُٹھانے دیتے ہیں۔

اور دوسرا قول یہ ہے کہ ینھون سے مراد یہ ہے کہ لوگ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف پہنچانے کی کوشش کرتے تھے تو ابوطالب انہیں روکتے تھے ان کے متعلق یہ آیت اُتری۔

سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ حضرت کے دس چچا تھے بظاہر آپ کے بڑے ہمدرد لیکن باطن میں آپ کے بڑے برخلاف یہ سب قتل نبی سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن افسوس کہ ایمان کی برکت حاصل کرنے سے خود محروم

رہ جاتے تھے۔

تفسیر ابن کثیر کے علاوہ دیگر تفاسیر میں بھی یہی دو قول اس آیت کریمہ کے شانِ نزول میں بتائے جاتے ہیں چنانچہ تفسیر قرطبی میں ہے کہ:۔

قولہ تعالیٰ وھم ینھون عنہ وینئون عنہ وھو عام فی جمیع الکفار ای ﴿ینھون﴾ عن اتباع محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ﴿وینئون عنہ﴾ وقیل ھو خاص بابی طالب ینھی الکفار عن اذایۃ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ویتباعد عن الایمان بہ

ارشاد اللہ تعالیٰ کا ﴿وھم ینھون عنہ﴾ اور یہ آیت عام ہے تمام کافروں کے لئے جو لوگ منع کرتے تھے محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع سے اور خود بھی نہیں مانتے اور کہتے ہیں کہ یہ ابو طالب کے لئے خاص ہے جو لوگوں کو ایذائے محمد سے روکتے تھے لیکن خود ایمان نہیں لاتے تھے۔

شانِ نزول کے یہ اختلافات

دیگر مفسرین کرام نے بھی اس آیت کے شانِ نزول میں تقریباً ان ہر دو وجوہات کا اظہار فرمایا ہے بلکہ متعدد مفسرین اس آیت کو عام کفار کے لئے بیان کرتے ہیں اور وہ ہرگز اس کو حضرت ابو طالب کے لئے خاص نہیں

کرتے جیسا کہ ہم عرض کر چکے ہیں کتاب کے باقی صفحات میں زیادہ حوالوں کو نقل کرنے کی گنجائش نہیں اس لئے آپ محض مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں۔

پہلی وجہ

شانِ نزول کی جو پہلی وجہ مفسّرین کرام نے بیان کی ہے وہ اس آیت کے سیاق و سباق کے عین مطابق اور مبنی بر حقیقت یہ ہے یعنی یہ آیت عام ہے اور ان تمام جمیع کفّار کیلئے ہے جو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں لڑائی جھگڑے کے لئے آتے اور قرآنی آیات سننے کے بعد ان کا مذاق اُڑاتے اور یوں کہتے کہ یہ تو کچھ بھی نہیں محض پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں اور پھر خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی باتیں سننے سے گریز کرتے اور دوسروں کو بھی منع کرتے۔

دُوسری وجہ

جیسا کہ پہلے بتایا جاچکا ہے کہ شانِ نزول کی دوسری وجہ یہ کہ حضرت ابو طالب چونکہ لوگوں کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایذاء پہنچانے سے روکتے تھے لیکن اتباعِ مُصطفےٰ نہیں کرتے تھے قطعی طور پر بے بنیاد اور مفہوم قرآنی کو مہمل کر دینے کے مترادف ہے۔

کیونکہ آیت کا مفہوم ہے کہ وہ لوگ خود بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کے ارشادات سننے سے پہلوتہی کرتے تھے اور لوگوں کو بھی قریب ہونے سے روکتے تھے اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ان ہر دو آیات میں جن لوگوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے مخاطب فرمایا ہے ان کے لئے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے اس لئے کسی بھی فرد واحد پر اس کا اطلاق عجیب سا معلوم ہوتا ہے۔

دوسری وجہ کا پس منظر

اب آپ وہ واقعہ ملاحظہ فرمائیں جسے بعض مفسرین کرام نے اس آیت کے حضرت ابوطالب کے حق میں ہونے کے متعلق تحریر فرمایا ہے۔

وروی اهل السیر قال کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قد خرج الی الکعبة یوما واراد ان یصلی فلما دخل فی الصلوٰة قال ابو جهل (لعنة اللہ) من یقوم الی هذا الرجل ویفسد علیه صلوٰة فقام ابن الزبعری فاخذ فرثا ودما فلطخ به وجه النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

ثم اتی ابا طالب عمه فقال یا عم الا تری الی ما فعل هذا بی؟

فقال ابو طالب ! من فعل هذا بك ؟ فقال النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اعبد اللہ الزبعری فقام ابو

طالب ووضع سيفه على عاتقه و مشى معه حتى اتى

القوم فقال ابو طالب والله لئن قام رجل لجللته

بسيفي فقعدوا حتى دنا اليهم فقال يا بني من

الفاعل بك هذا؟ فقال عبد الله بن الزبعرى فاخذ

ابو طالب فرثا و دما فلطخ به وجوههم و لحاهم و

ثيابهم۔

فنزلت هذه الآية ﴿وهم ينهون عنه وينئون عنه﴾

اور اہل سیر روایت بیان کرتے ہیں کہ ایک روز رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کعبہ شریف کی طرف تشریف

لائے پھر آپ نے نماز پڑھنے کا ارادہ فرمایا اور نماز

پڑھنا شروع کر دی ابوجہل لعین نے اپنی قوم سے کہا

کہ کون ہے جو ان کی نماز کو توڑ دے تو عبداللہ بن

زبعری اٹھا اور اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

چہرۂ اقدس پر گوبر اور خون مل دیا۔

اس اثناء میں وہاں آپ کے چچا ابوطالب آ گئے تو آپ

نے فرمایا اے چچا آپ دیکھتے ہیں کہ میرے ساتھ کیا

سلوک کیا گیا ہے۔

ابوطالب نے پوچھا آپ کے ساتھ ایسا کس نے

کیا۔ تو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابن زبعری نے پس حضرت ابوطالب اُٹھے اور تلوار کھینچ کر آپ کو ساتھ لے کر ان لوگوں کے پاس آ گئے اور نہایت غصّہ سے فرمانے لگے کہ اللہ کی قسم میری تلوار کی جلالت جس نے دیکھنی ہو وہ اُٹھے حتی کہ ان کے قریب آ گئے اور کہا کہ اے میرے بیٹے کون ہے وہ جس نے تیرے ساتھ یہ زیادتی کی۔

آپ نے فرمایا عبداللہ بن زبعری نے پس حضرت ابوطالب نے گوبر اور خُون لیا اور ان کے چہروں اور کپڑوں وغیرہ پر مل دیا۔

پس یہ آیت نازل ہو گئی کہ خود بھی دُور بھاگتے ہیں اور لوگوں کو بھی منع کرتے ہیں۔

﴿تفسیر قرطبی ج ٦ ص ٤١٦ وغیرہم متفق علیہ﴾

اس واقعہ کے بعد بعض تفسیروں میں لکھا ہے کہ

فقال النبی صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم یا عم نزلت فیک آیۃ قال وما ھی قال تمنع القریش ان تو ذینی و تابی ان تو من بی۔

پس نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اے چچا تیرے

لئے آیت نازل ہوئی ہے ابوطالب نے کہا وہ کیا تو

آپ نے فرمایا قریش کی میری کا ایذاء سے منع کرتے

ہو اور خود میرے ساتھ ایمان نہیں لاتے۔

جواب میں حضرت ابوطالب نے کئی شعر پڑھے جن میں ہے۔

ودعوتنی و زعمت انک ناصحی

فلقد صدقت و کنت ثم امینا

﴿واحدی﴾

اس واقعہ کے ساتھ اس آیت کے ربط و تعلق کے متعلق اور اس روایت کے راویان پر نقد و جرح بھی جلدی پیش خدمت کی جائے گی پہلے آپ شانِ نزول کی تیسری شق کے متعلق معلومات حاصل کریں۔

تیسری وجہ

جیسا کہ آپ تفسیر ابن کثیر کی عبارت ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ

سعید بن ہلال کہتے ہیں کہ

حضور صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے دس چچا تھے بظاہر آپ کے بڑے ہمدرد لیکن باطن میں آپ کے برخلاف یہ سب قبل نبی سے لوگوں کو روکتے تھے لیکن افسوس کہ ایمان کی برکت حاصل کرنے سے خود محروم رہ جاتے تھے ارشاد ہوتا ہے کہ وہ غیر شعوری طور پر اپنے ہی نفوس کو ہلاک کر رہے ہیں اور اس

بات کو سمجھتے ہی نہیں کہ اپنی ہی ذات کو نقصان اور حضرت پہنچا رہے ہیں۔

﴿تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۵۳﴾

مندرجہ بالا روایت کے مطابق جو اکثر مفسرین نے اسناد کے ساتھ بیان کی ہے بات ایک سے بڑھ کر دس چچاؤں تک پہنچ گئی ہے اب اگر اس شانِ نزول کو تسلیم کر لیا جائے اور قرآن مجید کے ترجمہ کو یہ نیا مفہوم دیدیا جائے تو بھی حضرت ابو طالب کا خاتمہ بالکفر ثابت نہیں ہوتا بلکہ اس سے ایک بالکل ہی نئے اور واضح ایمانی راستہ کی نشاندہی ہوتی ہے۔

مگر اس روایت کا واہی اور لغو ہونا تو اس امر سے ہی ثابت ہے کہ بعثت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وقت دس چچا نہیں بلکہ آپ کے صرف چار چچا بقید حیات تھے۔

حضرت حمزہ اور حضرت عباس کا ایمان

بالفرض اس آیت کو حضور ﷺ کو دشمنوں سے بچانے والے چچاؤں کے حق میں مان لیا جائے تو ان دس میں سے سید الشہداء امیر حمزہ اور سیدنا عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا ایمان لے آنا تو سورج کی طرح روشن ہے اور جب یہ دونوں ذی وقار اصحاب رسول اس آیت کی زد میں آنے کے بعد ایمان کی دولت سے مشرف ہو سکتے ہیں تو پھر حضرت ابو طالب اگر اس آیت کے نازل ہونے کے بعد ایمان لے آئیں تو کونسا اعتراض باقی رہ جاتا ہے۔

ہمارا موقف حقائق کی روشنی میں

اگر چہ ہم نے زیر بحث آیت کے متعلق مفسرین کی آراء کو بلاکم و کاست نقل کردیا ہے لیکن ہمارا موقف وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ آیت فی الواقع ان کفار کے لئے ہے جن کی پوری تصویر مکمل طور پر ان آیات ہی میں کھینچ دی گئی ہے کیونکہ قرآن کے اپنے الفاظ یہ ہیں کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کلام خداوندی کا خود بھی انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی سماعت سے منع کرتے ہیں اور یہ آیت ابوطالب کے حق میں اس لئے نہیں ہوسکتی لوگ لڑائی جھگڑے کے لئے حضور کے پاس آتے ہیں اور قرآن مجید کا کوئی واقعہ سننے کے بعد یہ کہتے ہوئے بھاگ جاتے ہیں کہ یہ تو اساطیر الاولین ہیں۔

اور یہ روایت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دس چچاؤں کے لئے بھی نہیں ہوسکتی کیونکہ ان دس میں ابولھب بھی شامل ہے جو حضور کا ہر حال میں دشمن تھا اور اس کے بے شمار شواہد معتبر کتب میں موجود ہیں اور آپ کے چھ چچا دنیا ہی سے انتقال فرما چکے تھے۔

جبکہ روایات میں ہے کہ یہ دس کے دس بظاہر حضور سے محبت کرتے تھے اور لوگوں کو ایذائے مصطفٰے سے منع کرتے تھے لیکن باطن میں آپ کے برخلاف تھے حالانکہ جس زمانہ میں اس آیت کا نزول ہوتا ہے ابولہب کی

آپ سے ظاہری باطنی عداوت اور دشمنی عروج پر تھی۔

ایثار اور دشمنی کا صلہ

عبداللہ بن الزبعری کا واقعہ آپ پڑھ ہی چکے ہیں سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور میں اس سے بڑی گستاخی اور کیا ہو سکتی ہے کہ عین نماز پڑھتے وقت آپ پر اوجھڑی کی غلاظت اور خون ڈال دیا جائے لیکن یہی عبداللہ اتنے بڑے جرم کا ارتکاب کرنے کے بعد فتح مکہ کے وقت اسلام لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے صحابی بنتے ہیں اور دربار رسالت کے شاعر بنتے ہیں۔

لیکن جو شخص اس گستاخی کا انتقام لینے کے لئے تلوار کھینچ لیتا ہے اور بغیر اپنی جان کی پرواہ کیے ہوئے قریش کے پورے گروہ کو للکارتا ہے اور ان سے پورا پورا بدلہ لینے کے بعد چین سے بیٹھتا ہے اس کے لئے یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ اسے دربار خداوندی سے اس ایثار کا یہ بدلہ ملا کہ وہ غیر شعوری طور پر اپنی جان کو ہلاکت میں ڈالے ہوئے ہے ہماری سمجھ میں یہ بات بالکل نہیں آئی کہ خدائے رحیم وکریم کے دربار اقدس سے اس کے محبوب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جان کی بازی لگا دینے کا نام جان کو ہلاکت اور تباہی میں ڈالنا رکھا جائے۔

العجب ثم العجب ثم العجب

بفرضِ محال یہ آیت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں
تھی اور روایت کے مطابق سرکار دو عالم نے اُن کو بتا دیا تھا کہ چچا تُمہارے
لئے تو اسی اس طریقہ سے وعید خُداوندی آچکی ہے تو پھر حضرت ابوطالب
اس واقعہ کے کئی سال بعد تک،

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے اپنی زندگی کو کس خوش
فہمی کی بنا پر داؤ پر لگاتے رہے دنیا میں کون ایسا شخص ہے جسے بتا دیا جائے کہ
تمہاری ان خدمات کا صلہ ہلاکت اور تباہی ہے تو وہ پھر بھی ہمہ وقت پیکر ایثار
وخدمت بنا رہے۔

معتبر تواریخ کے حوالے سے یہ واقعہ آپ کے جلد اول میں پڑھ چکے
ہیں کہ جب حضرت ابوطالب نے قریش کے اصرار پر تبلیغ اسلام نہ کرنے کا
مشورہ دیا تو امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا کہ چچا ہم تو ہر
حال میں یہ فریضہ ادا کریں گے چاہے آپ ساتھ دیں یا نہ دیں اور اگر آپ
ساتھ دیں گے تو یہ آپ کی اپنی ہی خوش بختی اور سعادت ہے اس روشن ترین
بشارت مُصطفےٰ اور مژدہ جانفزا کے بعد کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ ابوطالب کو
حمایت مُصطفےٰ کا صلہ ہلاکت تباہی کی وعید ہو سکتی ہے۔

ابنِ عباس کا ارشاد

مفسّرین کرام بتاتے ہیں کہ یہ قول حضرت عبداللہ ابن عباس رضی

اللہ تعالیٰ عنہما کا ہے کہ ینھون عنہ سے مراد حضرت ابو طالب ہیں حالانکہ
تفسیر ابن عباس میں پہلا قول وہی ہے کہ یہ آیت ان تمام کافروں کے لئے
ہے جو نہ تو خود سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قرآن سنتے تھے اور نہ ہی
دوسروں کو سننے دیتے تھے اور آپ کی سخت مخالفت کرتے تھے۔

ھم ینھون اور تاریخ اسلام

اس سے قبل کہ زیر بحث آیت کریمہ ھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْہُ وَھُمْ
یَنْئَوْنَ عَنْہُ کے متعلق مزید چند تفاسیر کے حوالے کئے جائیں چند ایسے
تاریخی شواہد پیش کئے جاتے ہیں جن کی روشنی میں قطعی طور پر واضح ہو جائے گا
کہ اس آیت کریمہ کا اطلاق حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کسی بھی
صورت میں نہیں ہو سکتا کیونکہ ان تاریخی واقعات میں اس امر کی پورے طور
پر نشاندہی موجود ہے کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ حضور رسالت
مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات سن کر بھاگنا تو درکنار آپ کے ساتھ
سائے کی طرح لگے رہتے تھے اور دوسروں کو آپ کے قریب ہونے سے منع
کرنا تو ایک طرف تمام بنو ہاشم کو آپ کی حفاظت و نصرت پر آمادہ کرنے کے
لئے پوری قوت خرچ کر دیا کرتے تھے۔

چنانچہ اس ضمن میں سب سے پہلے عباسی وغیرہ کے نزدیک بھی ثقہ
مورخ علامہ ابن جوزی کی ایک عربی عبارت دیکھیں اور پھر اس کے بعد اس

عبارت کا اردو ترجمہ متعدد ثقہ کتب تواریخ کا حوالہ سے ملاحظہ فرمائیں،

لما اجمع المشرکون علی خلاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم منعمہ عمہ ابو طالب فمشی جماعۃ من اشرافہم کعتبۃ و شیبۃ وابی جہل الیٰ ابی طالب فقالوا ان ابن اخیك قد سب آلھتنا وعاب دیننا و سفہ احلامنا و ضلل آباءنا فاما ان تکفہ عنا واما ان تخلی بیننا وبینہ فانك علی مثل ما نحن علیہ من خلافہ فنکفیہ فقال لھم ابو طالب قولا رقیقا ورد ھم ردا جمیلا فانصرفوا۔

ومضی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم ما ھو علیہ فشری الامر بینہ وبینھم فحض بعضھم بعضا علیہ ثم عادوا الی ابی طالب فقالوا الا نصبر علی ھذا۔

فقال لہ یا ابن اخی ان قومك قد جاءونی وقالوا اکذا وکذا فلا تحملنی من الامر ما لا اطیق،

فقال یا عماہ واللہ لو وضعوا الشمس فی یمینی والقمر فی یساری علی ان اترك ھذا الامر ما ترکتہ حتی یظھرہ اللہ او اھلك فیہ،

ثم بکی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ و سلم وقام فلما ولی ناداہ ابو طالب اقبل الی یا ابن اخی فاقبل

فقال اذهب فقل ما احببت فو الله لا اسلمك لشی ابدا

﴿الوفا فی احوال المصطفےٰ ابن جوزی ص ۱۹۱﴾

﴿سیرت حلبیہ ج ۱ ص ۲۶۲﴾

فبعد الحرب و ثبت کل قبیلۃ علی من فیھا من

المسلمین یعذبونھم ویفتنونھم من دینھم وقام

ابو طالب فی بنی ھاشم و بنی عبد المطلب الی

المنع من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم۔

﴿الوفا ابن جوزی ص ۱۹۱﴾

حضرت ابوطالب کا وعدہ

نبوت کے ساتویں سال حضرت عمر اور حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما بھی اسلام کی دولت سے مشرف ہو گئے اور اسلام کی عزت وقوت بڑھ گئی تو کفار مکہ حسد وعداوت کی آگ میں جل بھن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے قتل وہلاکت پر کمربستہ ہو گئے۔

چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حمایت اور کفالت میں تھے۔ اس لئے اُن کے لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ آپ پر دست ستم دراز کریں وہ ابوطالب کے پاس آئے اور اُن سے کہنے لگے کہ وہ آپ پر دست ستم دراز کریں وہ ابوطالبؓ کے پاس آئے اور اُن سے کہنے لگے کہ یا تو اپنے بھتیجے کو ہمارے سپرد کردیں یا ہم سے جنگ کے لئے آمادہ

ہو جائیں یا پھر اُن سے کہیں کہ ہمارے معبودوں کو برا بھلا نہ کہیں۔ ان کے جانے کے بعد حضرت ابو طالبؑ نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بلایا اور آپ سے عرض کیا کہ آپ کی قوم آئی تھی اور ایسا کچھ کہہ رہی تھی۔ اب آپ اپنی جان کو بخشئے کیونکہ ہم اور آپ ان سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ اس پر سیدِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا!

اے چچا جان ! کیا آپ نے یہ خیال کیا ہے کہ میں آپ کی حمایت کے بھروسہ پر ایسا کر رہا ہوں۔ ایسا نہیں ہے بلکہ میرا حامی ربّ تعالیٰ ہے اور میں اس کے حکم سے اس وقت تک ایسا کرتا رہوں گا جب تک کہ یہ کام آخر کو نہ پہنچے۔

میں اس کام سے نہ ہاتھ روک سکتا ہوں اور نہ اپنے پاؤں پر بیٹھ سکتا ہوں۔ اگر آپ میری تقویت فرما سکیں اور میری موافقت کر سکیں تو یہ آپ کی سعادت و نیک بختی ہے ورنہ نصرتِ الٰہی اور تائیدِ آسمانی میرے لئے کافی ہے۔ یہ فرما کر اُن کی مجلس سے اُٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان باتوں سے گونہ تقویت و ہمت پیدا ہوئی اور کہنے لگے آپ اپنا کام کئے جائیں۔ ربِّ کعبہ کی قسم ! جب تک میں زندہ ہوں آپ کو کوئی پابند نہیں کر سکے گا۔ اور کوئی آپ کے دستِ مبارک کو باز نہیں رکھ سکے گا۔

اس ضمن میں ایک شعر کہا جس کا مضمون یہ ہے کہ !

"خدا کی قسم! کبھی بھی آپ کی طرف کوئی اپنی قوت
کے ساتھ نہ دیکھ سکے گا۔ جب تک میں دفن نہ کر دیا
جاؤں۔ آپ اپنے دین کو علی الاعلان پھیلائیے اور
کوئی اندیشہ نہ کیجئے اور خوش رہیے اور اس کی وجہ سے
اپنی آنکھیں ٹھنڈی رکھئے۔

﴿مدارج النبوۃ جلد دوم ص ۴۷﴾

سیرت ابنِ ہشام

سیرت ابن ہشام میں یہ واقعہ اس طرح ہے کہ !

قریش نے جب دیکھا کہ آپ کے رویہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی تو دوبارہ ابو طالبؑ کے پاس پہنچے اور اُن سے کہا کہ تمہارا بھتیجا ہمارے معبوودوں کو بُرا کہتا ہے ہمارے مذہب کی مذمت کرتا ہے۔ ہمارے معززین کو نا سمجھ بتاتا ہے اِس لئے یا تو تم درمیان سے ہٹ جاؤ پھر میدان میں آجاؤ تا کہ ہم فیصلہ کرلیں۔

یہ صُورت حال دیکھ کر ابوطالب نے رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بلا کر سمجھایا کہ بیٹا چچا پر نا قابلِ برداشت بار نہ ڈال اور اپنی قوم کی مخالفت چھوڑ دے۔

آپ کا ظاہری سہارا جو کچھ تھے "ابوطالب تھے" ان سے اسقسم کی ،

باتیں سُن کر آپ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا چچا جان خدا کی قسم ! اگر یہ لوگ میرے ایک ہاتھ پر ماہتاب لاکر رکھ دیں تو بھی میں اس فریضہ سے دستکش نہیں ہو سکتا تا آنکہ میں کامیاب ہو جاؤں یا اسی راہ میں میرا خاتمہ ہو جائے۔ ابو طالبؑ یہ جواب سُن کر سخت متاثر ہوئے اور کہا جاؤ جو دل میں آئے کرو۔ میں کسی حالت میں تمہارا ساتھ نہیں چھوڑ سکتا۔

﴿سیرت ابن ہشام جلد اص ۸۹﴾

عجیب سودا

تاریخ طبری و دیگر تاریخ و سیر میں یہ بات متفقہ علیہ ہے کہ،

جب قریش مکہ کو قطعی طور پر معلوم ہو گیا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نصرت و حمایت سے باز نہیں آئیں گے اور وہ اس بات پر تل گئے ہیں کہ وہ تمام قریش سے مقاطعہ اور ترک تعلق تو کر سکتے ہیں اور تمام عرب کی دشمنی تو مول لے سکتے ہیں لیکن اپنے بھتیجے کا ساتھ ہرگز ہرگز نہیں چھوڑ سکتے تو انہوں نے ایک نیا حربہ استعمال کرنا چاہا۔

وہ عمارہ بن ولید بن مغیرہ کو لیکر آپ کے پاس آئے اور یوں گویا ہوئے کہ:۔

اے ابو طالب یہ عمارہ بن ولید ہے یہ قریش کا سب سے زیادہ تنومند

ہے وجیہہ اور خوبصورت جوان ہے اس کو تم لے لو اس کی عقل اور طاقت سے فائدہ اٹھاؤ اس کو اپنا بیٹا بنا لو ہم یہ آپ کو دے دیتے ہیں اور آپ اپنے بھتیجے کو ہمارے حوالے کر دیں ایک آدمی کے بدلے ایک آدمی موجود ہے۔

قریش کا یہ عجیب و غریب مشورہ سن کر حضرت ابو طالب کا چہرہ سُرخ ہو گیا اور آپ نے غضب ناک ہو کر فرمایا کہ خُدا کی قسم یہ بہت برا سودا ہے جو تم لوگ مجھ سے کرنا چاہتے ہو۔

تم اپنے بیٹے کو مجھے دیتے ہو کہ میں تمہارے لئے اسے لئے پھروں اور اس کی پرورش کروں اور اپنے بیٹے کو تمہارے سپرد کر دوں کہ تم اسے قتل کر دو واللہ یہ ہرگز نہ ہوگا۔

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اِس فیصلے سے آگاہ ہو کر مطعم بن عدی بن نوفل نے کہا کہ اے ابو طالب تمہاری قوم نے یہ نہایت انصاف کی بات کی ہے لیکن یوں معلوم ہوتا ہے کہ تم اِن کی کسی بات کو بھی ماننا نہیں چاہتے تو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مطعم کو فرمایا کہ انہوں نے ہرگز میرے ساتھ انصاف نہیں کیا بلکہ تم میرا ساتھ چھوڑنے کا فیصلہ کر چکے ہو اور ان سب کو میرے اوپر چڑھا لائے ہو اب تمہارا جو بھی دل چاہے کرو مجھے اس کی ہرگز پرواہ نہیں لیکن میں اپنے بھتیجے کا ساتھ نہیں چھوڑوں گا۔

﴿تاریخ طبری ج ۱ ص ۹۴﴾ ﴿طبقات ج ۱ ص ۱۳۰﴾

رفاقتِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قریش مکہ کے اس مشورہ کو قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کسی بھی صورت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے حوالے کرنے پر رضا مند نہ ہوئے تو اس معاملہ نے جھگڑے کی انتہائی صورت پیدا کر دی معاملہ سب وشتم اور لڑائی تک پہنچ گیا۔

پھر قریش نے اپنے قبائل کے ان مسلمانوں کے خلاف جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں تھے آپس میں معاہدہ کیا کہ ہر قبیلہ اپنے اپنے ان آدمیوں کو قتل کر دے جو اسلام قبول کر چکے تھے چنانچہ ایسا ہی عمل ہونے لگا۔

ہر قبیلہ نے اپنے قبیلہ کے اہل اسلام کو طرح طرح سے عذاب دینا اور ستانا شروع کر دیا تا کہ وہ اسلام سے منحرف ہو جائیں۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت و صیانت کیلئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو منتخب فرمالیا۔

جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ قریش یہ حرکتیں کر رہے ہیں تو انہوں نے بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب کو جمع فرما کر ان کے سامنے نہایت زوردار تقریر فرمائی جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدافعت اور رفاقت کی دعوت اور آپ کی حفاظت ونصرت کا پیغام تھا۔

چنانچہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سوائے ابولہب کے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت واستعانت کے لئے تیار ہو گئے۔

جب حضرت ابو طالب نے دیکھا کہ ان کی قوم دل و جان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کی مدافعت اور رفاقت کے لئے پورے طور پر تیار اور آمادہ ہو چکی ہے اور آپ کے لئے سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح متحد ہو چکی ہے اور سپر بنی ہوئی ہے تو آپ بے حد خوش ہوئے اور اپنی قوم کی نہایت تعریف کی اور ان کی رائے کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی موافقت میں زیادہ راسخ کرنے کے لئے ان پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت اور فوقیت بیان کی۔

﴿ تاریخی طبری ج ۱ ص ۹۴ ﴾

کفار کا معاہدہ

حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی قوم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت ونصرت کے لئے پورے طور پر تیار فرما چکے تھے اور قریش پر یہ ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ایما پر تمام بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پورا پورا ساتھ دینے کا عہد کر چکے ہیں تو انہوں نے آپس میں فیصلہ کیا کہ جو لوگ بھی رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ دینے پر آمادہ ہو چکے ہیں ان سے پورے طور پر ترک تعلق کرلیا جائے اور ان کا سوشل بائیکاٹ کر دیا جائے چنانچہ اُنہوں نے باضابطہ ایک تحریری معاہدہ لکھ کر کعبے کے اندر لٹکا دیا جس پر مرقوم تھا کہ آئندہ کوئی شخص بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب سے نہ مناکحت کرے نہ تجارت کرے اور نہ ہی ان کے ساتھ کسی قسم کا ربط وضبط رکھا جائے ان کا یہ معاہدہ نہایت شدید شرائط پر مبنی تھا،

﴿کتب تواریخ وسیر متفقہ علیہ﴾

کفار کے اس معاہدہ کا نقشہ مشہور مؤرخ امیر علی بی اے اپنی کتاب تاریخ اسلام میں اس طرح کھینچتے ہیں کہ یہ واقعہ ۶۱۶ـ۶۵۵ کا ہے جبکہ دشمنان اسلام نے اپنی مادی قوت زور اور اپنی زبردست اکثریت کے گھمنڈ پر ہادی اسلام کے ساتھ بنی ہاشم اور تمام مسلمانوں کو فنا کر دینے اور بھوک پیاس سے عاجز کر دینے کا تہیہ کرلیا تھا۔

جب حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور بنی ہاشم کو اس مقاطعہ کی خبر ہوئی تو سخت پریشان ہوئے۔

کیونکہ تمام مکہ نہ صرف تعلقات شہری ہی ختم کر رہا ہے بلکہ ایک خاندان کے اوپر رزق اور اس کی ضروریات کے دروازے بند کر رہا ہے چنانچہ اس مقاطعہ کو دیکھ کر حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ مع آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور خاندان کے اپنی حفاظت کے لئے پہاڑ کی ایک

گھاٹی میں رہنے لگے جس کو اب تک شعب ابی طالب کہتے ہیں۔

﴿تاریخ اسلام ج ۱ص ۳۸﴾

ساکنانِ شعب ابی طالبؑ

قارئین! جب اشیاء خوردنی میسر نہ ہوتیں تو شعب ابی طالب کے یہ محصورین اکثر اوقات جنگلی بوٹیاں اور درختوں کے پتے کھا کھا کر زندگی کے دن کاٹتے یہاں تک کہ خشک چمڑے کو بھی نعمتِ غیر مترقبہ سمجھ کر کھا لیتے جن مصائب کو کسی انسان نے کانوں سے نہ سنا ہو اور جن تکالیف کے دیکھنے کا کسی آنکھ کا یارا نہ ہو وہ تین سال کے عرصہ میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے متوسلین نے نہایت استقلال کے ساتھ برداشت کیں۔

ماؤں کی چھاتیاں خشک ہو جانے پر ننھے شیر خوار بچے بھوک سے چلاتے کمزور اور ضعیف العمر نقاہت سے کراہتے جوان اور مضبوط بھوک سے تڑپ تڑپ کر بیہوش ہو جاتے لیکن سنگدل اور بے رحم کفار مکہ ان تکالیف کو دیکھ کر بہت خوش ہوتے۔

اہل مکہ نے بیع وشراکت خرید وفروخت میل جول اور جملہ کاروباری تعلقات جو متمدن انسان کے لئے ضروری ہیں قطعی طور پر بند کر دیئے تھے لیکن سید المرسلین اور آپ کے رفقاء کے اس صبر واستقامت کی بھی دنیا تمام تا قیام قیامت دیتی رہے گی جنھوں نے معصوم بچوں کو دودھ نہ ہونے سے

بلکتے ہوئے دیکھا جنہوں نے ضعیف اور عمر رسیدہ مرد اور عورتوں کو بھوک کی نقاہت سے فرشِ خاک پر کراہتے ہوئے پایا جنہوں نے جوانوں کو پیٹ سے پتھر باندھے ہوئے دیکھا اور جنہوں نے اس چھوٹی سی اللہ والی جماعت کو ہولناک مصائب اور آفات میں مبتلا پایا لیکن کسی کافر کی طرف دستِ اِستعانت کبھی دراز نہ کیا گیا اور ہمیشہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے رہے۔

﴿تاریخ اسلام ج ا ص ۳۹﴾

حضرت ابوطالب رض کا حُسنِ سلوک

شعب ابی طالب میں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کے لئے جس جذبۂ ایثار کا اظہار حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا ہے اس کی مثال پوری تاریخ اسلام میں ناپید ہے چنانچہ سیرت نگاروں نے لکھا ہے کہ جب آمنہ کے چاند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رات کو بسترِ استراحت پر آرام فرما ہو جاتے تو جناب ابوطالب تلوار گردن میں حمایل کر لیتے اور آپ کے بیت الشرف کے گرد یوں چکر لگاتے جیسے پَروانہ شمع کا طواف کرتا ہے۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جناب ابوطالب کا یہ حُسنِ سلوک اور قلبی وابستگی اس تصوّر کی ہرگز اجازت نہیں دیتے کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے خود بھی دور بھاگتے تھے اور آپ کے قریب

ہونے سے دوسروں کو بھی منع کرتے تھے وغیرہ وغیرہ چنانچہ آیت کریمہ "هم ينهون عنه" اور" هم ينئون عنه" کو حضرت ابوطالب کے حق میں ثابت کرنا محض روایت پرستی حقائق سے گریز اور تخیلاتی قلابازیوں کے سوا کچھ بھی نہیں۔

اسلام کا حصار

تمام بنی ہاشم اور بنی عبدالمطلب محض ابوطالب کے ایما پر ہی شعب ابی طالب میں محصور ہوئے اور حضرت ابوطالب کے کہنے پر ہی انہوں نے ان مصائب کو برداشت کرنا گوارا کیا تھا یہ صرف اور صرف حضرت ابوطالب کی ہی ذات اقدس تھی جس نے تمام خاندان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمایت وحضرت آمادہ کیا تھا لب ان سب پر جو مصائب کے پہاڑ ٹوٹ رہے تھے ان سب کا بوجھ درحقیقت حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر ہی تھا شعب ابی طالب کے محصورین میں سے جس شخص کو بھی کوئی تکلیف ہوتی تھی اس کے پورے پورے اثرات براہ راست حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر مرتب ہوتے تھے بوڑھوں جوانوں بچوں اور عورتوں میں سے جس کسی کو بھی کسی مشکل کا سامنا کرنا پڑتا تھا اس کی پوری پوری ذمہ داری حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر تھی ان حالات میں حضرت ابوطالب کے دل کی جو حالت ہوتی ہوگی وہ کسی درد دل رکھنے والے سے پوشیدہ نہیں رہ

سکتی اور یہ سب مصائب و تکالیف حضرت ابو طالب محض اور محض رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کے لئے ہی برداشت کرتے تھے اور یہ سب کچھ اسلام کی ترقی و ترویج بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ اسلام کی شمع کو کفر و ضلالت کی پرزور آندھیوں کے درمیان روشن رکھنے کیلئے تھا اس کا صلہ انہیں اسلام نے کیا دیا یہ آپ خود سوچیں۔

رسول اللہ سے دور بھاگتے تھے؟

صاحب سیرت حلبیہ علامہ برہان الدین حلبی اس واقعہ کو معمولی تغیر لفظی سے اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ شعب ابو طالب میں داخل ہوتے ہی حضرت ابو طالب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کی مزید احتیاطی تدابیر اختیار کرلیں اور اپنا روز مرہ کا یہ معمول بنا لیا کہ جب رات کا وقت ہوتا تو آپ بارگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں عرض کرتے کہ آپ میرے پاس ہیں اور میرے ہی بستر پر استراحت فرمائیں۔ جب حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آغوش پدری کی لذات میں سرشار ہوجاتے تو جناب ابو طالب آہستگی سے اٹھتے اور دیکھتے کہ کیا سب لوگ سوگئے ہیں اور جب سب کے سوجانے کا یقین ہوجاتا تو آپ خداوند کریم کی مقدس امانت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی دوسرے مقام پر سلا دیتے اور آپ کی جگہ اپنے کسی بیٹے کو جگا کر لے آتے یا کسی دوسرے کو سلا دیتے اور اس

امر کا بھی خاص خیال رہے کہ آپ کی جگہ ہونے والا یا تو آپ کا سگا بھائی ہو یا چچا زاد بھائی ہو اور ہر شب کو یہ اہتمام آپ بطور خاص اس خدشہ کے پیش نظر کرتے کہ کہیں رات کے وقت کوئی دشمن برائی کے ارادہ دھوکہ سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی مبارک سے نہ کھیل جائے۔

وکان ابو طالب فی کل لیلۃ یامر رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم ان یاتی فراشہ ویضطجع بہ فاذا نام الناس اقامہ وامر احد بنیہ او خوتہ او بنی عمہ ان یضطجع مکانہ خوفا علیہ ان یغتالہ احد ممن یرید بہ السوء۔

﴿انسان العیون المعروف السیرۃ الحلبیہ جلد اول ص ۳۴۴ مطبوعہ مصر﴾

خلاصی یہ یقین واعتماد

شعب ابی طالب میں مشکلات ومصائب کا دردناک دور تین سال تک رہا ایک روز دارالندوہ میں کفار مکہ آپس میں محصورین شعب ابی طالب کے متعلق مشورہ کر رہے تھے۔

کہ ان میں سے کچھ لوگ اس حق میں ہو گئے کہ اب اس ظلم وستم کو ختم کر دیا جائے لیکن کچھ لوگ جن میں ابوجہل ملعون پیش پیش تھا بضد تھے کہ ان مظالم میں اور بھی اضافہ کیا جائے ادھر یہ مشورے ہو رہے تھے ادھر امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالی نے مطلع فرما دیا کہ کفار نے

جو معاہدہ تحریر کیا تھا اسے دیمک نے چاٹ لیا ہے۔

چنانچہ امام الانبیاء نے حضرت ابو طالب کو بلا کر ارشاد فرمایا کہ آپ کفار قریش سے مل کر بتا دیں کہ ان کے معاہدہ کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ضائع فرما دیا ہے۔

کتب سیر میں ہے کہ حضرت ابو طالب ان لوگوں کے پاس تشریف لے گئے اور ان کو بتایا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی ہے کہ حق تعالیٰ نے دیمک کو اس عہد نامہ پر مسلط کر دیا ہے کہ ظلم و جور اور مقاطعہ کی عبارت کو چاٹ جائے اور خدا اور رسول کے نام کو باقی رکھے۔

اگر ان کی یہ بات جھوٹی نکلے تو ان کے ساتھ جو چاہو کرنا اور اگر یہ خبر سچی ہو تو یہی کافی ہے کہ اس عہد نامہ کا مضمون ناپید ہو گیا پھر عہد نامہ کھولا گیا تو ویسا ہی بر آمد ہوا جیسا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا تھا قریش شرمندہ ہوئے اور اپنے منہ لٹکا دیئے اس کے باوجود ابو جہل اور اس کے پیروکار چیختے چلاتے رہے کہ عہد نامہ کو نہ توڑا جائے۔

مگر حضرت ابو طالب اپنے ساتھیوں کے ساتھ حرم کعبہ میں داخل ہوئے اور دعا فرمائی۔

اللھم انصرنا علی من ظلمنا و قطع ارحامنا و استحل ما یحرم علینا

یعنی اے اللہ تعالیٰ ظالموں کے حق میں ہماری مدد فرما

اور قطع رحمی کو دور فرما اور جو ہم پر حرام کر دیا گیا ہے اسے

حلال فرما۔

﴿طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۳۰۹﴾ ﴿مدارج النبوۃ ج ۲ ص ۵﴾

دعائے ابوطالبؓ

حرم کعبہ میں داخل ہوتے ہوئے حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہ کی رب ذوالجلال کے حضور میں مندرجہ بالا دعا کے الفاظ سوائے ایک سچے اور نیک دل مسلمان کے اور کسی کے نہیں ہو سکتے بہر حال حضرت ابوطالب نے جس انداز سے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت وصیانت فرمائی ہے اور جس طریقہ سے اسلام کی شمع روشن رکھی ہے اس کی مثال پوری تاریخ اسلام میں نہیں مل سکتی۔

اندریں حالات یہ قطعی غلط ہے کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہیں سنتے تھے اور خود بھی ان سے دور بھاگتے تھے اور دوسروں کو بھی قریب نہیں آنے دیتے تھے۔

محبت کی انتہا

کفار مکہ کو جب یقین ہو گیا کہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالی عنہ ہرگز ہرگز اپنے بھتیجے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ساتھ چھوڑنے پر تیار نہیں اور ہماری کسی بات کو بھی لائق التفات نہیں سمجھتے تو انہوں نے مشورہ کیا کہ اگر

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر براہ راست حملہ کیا گیا تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کا سخت ترین انتقام لیں گے اس لئے مناسب ہے کہ آپ کو دھوکے سے قتل کر دیا جائے۔

ایک دن صبح کے وقت حضرت ابوطالب رضی اللہ عنہ ما دیگر بنی ہاشم کے امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قیام گاہ پر حاضر ہوئے تو آپ کو وہاں نہ پایا تو انہیں اندیشہ ہوا کہ خدانخواستہ کفار نے آپ کو قتل ہی نہ کر دیا ہو۔

چنانچہ حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بنی ہاشم اور بنی عبد المطلب کے جوانوں کو جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے ہر شخص کو ایک ایک تیز تلوار لے کر میری پیروی کرنا چاہیے جب میں بیت اللہ شریف میں داخل ہو جاؤں تو تم میں سے ہر نوجوان کو چاہئے کہ کسی بڑے سردار کے پاس بیٹھے جن میں ابوجہل بھی ہو۔

کیونکہ اگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قتل کر دیئے گئے ہوں تو ابوجہل اس شرارت میں ضرور شریک ہے تمام نوجوانوں میں عرض کیا کہ ہم اس کام کے لئے تیار ہیں۔

حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس تیاری میں مصروف ہی تھے کہ وہاں زید بن حارثہ آ گئے تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس سے استفسار کیا کہ اے زید تم نے میرے بھتیجے کو بھی کہیں دیکھا ہے تو حضرت زید نے کہا کہ جی ہاں میں ابھی ابھی آپ ہی سے مل کر آ رہا ہوں حضرت

ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ جب تک ان کو نہ دیکھ لوں اپنے گھر نہیں جاؤں گا۔

زید تیزی سے روانہ ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کی خدمت میں سارا واقعہ عرض کیا۔ آپ اس وقت کوہِ صفا پر اپنے اصحاب کے ساتھ ایک مکان میں مصروف گفتگو تھے۔

آپ کو اس واقعہ کا علم ہوا تو آپ فوراً ہی حضرت ابوطالب کے پاس تشریف لائے حضرت ابوطالب نے انتہائی والہانہ جذبات کے ساتھ عرض کیا اے ابن اخی آپ کہاں تھے خیریت تو تھی؟ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا جی ہاں۔

اے عمِ محترم ہر طرح خیریت تھی تو حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ گھر تشریف لے جایئے چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اندر تشریف لے گئے۔

صبح ہوئی تو حضرت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ کا دستِ اقدس تھام کر مجلس قریش میں کھڑا کر دیا حضرت ابوطالب کے ساتھ ہاشمی اور مطلبی جوان بھی تھے اس موقعہ پر حضرت ابوطالب نے کفار مکہ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا کہ۔

اے گروہ قریش تمہیں معلوم ہے کہ میں نے کس بات کا قصد کیا تھا

ان لوگوں نے کہا ۔ تب تو حضرت ابو طالب نے انھیں واقعہ بتایا اور نوجوانوں سے کہا کہ جو کچھ تمہارے پاس ہے کھول دو ان لوگوں نے کھولا تو ہر ایک کے پاس تیز تلوار تھی۔

حضرت ابو طالب نے فرمایا کہ رب العزت کی قسم اگر تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیتے تو میں تم میں سے ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتا یہاں تک کہ ہم تم دونوں فنا ہو جاتے آپ کی فیصلہ کن اور ایمان افروز مجاہدانہ گفتگو سن کر کفار قریش دوڑ گئے اور ان سب میں تیز دوڑنے والا ابو جہل تھا۔

﴿طبقات ابن سعد ج ا ص ۱۳۲﴾

ان نا قابل تردید واقعات کی روشنی میں قطعی طور پر واضح ہو جاتا ہے کہ سیدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دور نہیں بھاگتے تھے بلکہ آپ کی جائے پناہ تھے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پناہ ابو طالب کو اپنی پناہ کے نام سے موسوم کر رکھا ہے لہذا یاد رکھیں کہ،

الم یجدک یتیما فاوی کو ھم ینھون عنہ اور ھم ینھون عنہ میں تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

فیصلہ ہو چکا ہے

تاہم چند تفاسیر کے حوالے مزید ملاحظہ فرمالیں تا کہ حق اچھی طرح واضح ہو جائے۔

تفسیر ابن عباس

﴿وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ وهو ابو جهل و اصحابه ينهون عنه محمد والقرآن ﴿وَيَنْئَوْنَ عَنْهُ﴾ يمنعون عنه و يتباعدون۔

﴿وهم ينهون عنه﴾ اور وہ ابو جہل اور اس کے ساتھی ہیں جو لوگوں کو منع کرتے تھے ﷺ اور قرآن کو اور ﴿ینئون عنہ﴾ دوسروں کو منع کرتے تھے ﴿آپ سے اور قرآن سے﴾

﴿تفسیر ابن عباس ج ۱ ص ۹۴﴾

تفسیر خازن

﴿وهم ينهون عنه﴾ يعني ينهون الناس عن اتباع محمد صلى الله عليه وآله وسلم ﴿وينئون عنه﴾ يعني يتباعدون عنه بانفسهم نزلت في كفار مكة

كانوا يمنعون الناس عن الايمان بمحمد صلى الله عليه وآله وسلم و عن الاجتماع به وينهونهم عن استماع القرآن۔

﴿وهم ينهون عنه﴾ یعنی لوگوں کا انکار اتباع محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ﴿وینئون عنه﴾ یعنی دُور رکھتے تھے اُن سے اپنی جانوں کو نازل ہوئی یہ آیت کفار مکہ کے حق میں تھے منع کرتے لوگوں کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ایمان لانے سے اور آپ کے پاس جمع ہونے سے اور منع کرتے تھے قرآن سننے سے۔

﴿تفسیر خازن ج۲ص۱۰﴾

تفسیر نسفی مدارک

﴿ينهون عنه﴾ ينهون الناس عن القرآن او عن الرسول و اتباعه والايمان به وينئون عنه ويبعدون عنه بانفسهم۔

﴿وینهون عنه﴾ انکار کرتے تھے لوگ قرآن سے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اور ان کی اتباع سے اور ایمان سے ﴿وینئون عنه﴾ اور دور رکھتے

تھے اپنی جانوں کو۔

﴿تفسیر نسفی مطبوعہ بیروت ج ۲ ص ۸﴾

چلتے پھرتے اعتراض

قارئین کرام آیتِ کریمہ هم ینهون عنه و ینئون عنه کا ہر طریقہ سے جائزہ لے چکے ہیں اب آپ سیدنا ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر کئے گئے چند مزید ایسے اعتراضات کے جوابات ملاحظہ فرمائیں جنہیں محض اور محض بے عنان تخیلات نے جنم دے رکھا ہے۔

ہم نے نہیں سنا کا جواب

کتاب ہذا کی جلد اول میں ہم متعدد کتب معتبرہ سے یہ روایت ہدیۂ قارئین کر چکے ہیں کہ جب حضرت ابوطالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا وقت احتضار آیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں کلمہ پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا تو ان کے ہونٹ تھرکنے لگے چنانچہ حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ کے ہونٹوں پر کان رکھ دیئے اور پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں عرض میرے بھائی نے وہ کلمہ پڑھ لیا ہے جس کا آپ نے انہیں ارشاد فرمایا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہم نے نہیں سنا۔

اگرچہ امام سہیلی و دیگر اکابرینِ اُمت نے اس امر کی وضاحت فرما رکھی ہے کہ اگر آپ نے نہ بھی سنا ہو تو مسلمان ہونے کی صورت میں

دوسرے شخص کی گواہی قابل قبول ہے تاہم آپ کی دلیل کے طور پر یہاں مزید ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لے گئے اور ان سے اندر آنے کی اجازت طلب کرنے کے طور پر فرمایا السلام علیکم ورحمۃ اللہ سعد نے وعلیکم السلام کہا مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ سنا حتیٰ کہ تین دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے السلام علیکم فرمایا اور ہر سہ بار حضرت سعد بن عبادہ نے وعلیکم السلام کہہ کر جواب دیا مگر حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہ سنا۔

عن انس او غيره ان رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم استاذن على سعد بن عبادة فقال السلام عليكم ورحمة الله فقال سعد و عليكم السلام ورحمة الله ولم يسمع النبى صلى الله عليه وآله وسلم حتى سلم ثلاثا ورد عليه سعد ثلاثا ولم يسمع۔

﴿اشعۃ اللمعات ج ۳ ص ۵۱۵﴾

اعلیٰ حضرتؒ کے چند فیصلے

اِن روشن تر حقائق کے اظہار کے بعد ہم کفر و اسلام کے امتیاز کے

لئے اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کے چند ایسے فیصلوں کا اعادہ کریں گے جو قرآن وحدیث کے عین مطابق ہونے کے ساتھ ساتھ اس امر کی بھی واضح طور پر نشاندہی کرتے ہیں کہ حضرت ابوطالب کو کافر متصوّر کرنا دین میں کس قسم کے اثرات مرتب کرتا ہے۔

کلمہ طیبہ نہ پڑھنے والا مسلمان

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت بریلوی اللہ العزیز عیسائیوں کے اسلام قبول کرنے اور کلمہ نہ پڑھنے کے متعلق ارشاد فرماتے ہیں کہ وہ بے شک مُسلمان ٹھہریں گے اگرچہ کلمہ طیبہ کا ترجمہ نہ جانیں بلکہ اگرچہ کلمہ طیّبہ بھی نہ پڑھا ہو کرا تنا بھی کہنا کہ میں نے وہ دین چھوڑ کر دین محمدی قبول کیا ان کے اسلام کے لئے کافی ہے۔ محیط اور فتح الوسائل میں ہے۔

الکافر اذا اقر بخلاف ما اعتقد یحکم باسلامہ

جب اپنے دین باطل کے خلاف اقرار کرلے تو اس کے اسلام کا حکم دیا جائے گا۔

﴿فتاویٰ افریقہ ص ۱۶۹﴾

قارئین خود ہی اندازہ فرمالیں کہ اگر حضرت ابوطالب نے کلمہ نہ بھی پڑھا ہو تو ان کا بتوں سے اظہار بیزاری اور کفارِ مکہ کے اعتقادات سے برأت ان کے ایمان کو مستلزم ہے یا نہیں؟

پورا کلمہ پڑھے بغیر مسلمان نہیں ہوتا۔

آپ کی معلومات کے لئے یہاں ایک حوالہ شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی تصنیف لطیف "اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ" کا پیش کر دینا بھی ضروری ہے تا کہ معلوم ہو جائے کہ بقول بخاری کے حضرت ابو طالب صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہنے سے مسلمان ہو سکتے تھے یا نہیں؟

حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جمیع علماء کا مذہب یہ ہے کہ صرف لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کہہ دینا اسلام کا حکم نہیں رکھتا جب تک کہ اس کے ساتھ ملا کر محمد رسول اللہ نہ کہا جائے۔

متن ہے۔

مذهب جمعی از علماء آن است که بمجرد لا اله الا
الله حکم اسلام نتوان کرد تانگوید و ضم نکند
بوی محمد رسول الله

﴿اشعۃ اللمعات مشکوٰۃ جلد سوم ص ۲۲۵ کتاب القصاص﴾

مندرجہ بالا دونوں حوالوں کی تطبیق خود دے لیں اور یہ بھی سامنے رکھیں کہ بخاری شریف کی روایت میں حضرت ابو طالب کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ ارشاد بتایا جاتا ہے کہ آپ صرف لا الہ الا اللہ کہہ دیں۔

کافر کی خوبی بیان کرنا

سوال! اکثر مسلمان اپنی لاعلمی میں مشرکین کی بابت کہتے ہیں کہ فلاں شخص فلاں کام میں یا اخلاق میں اچھا ہے یہ کہ مسلمان کا کس حد تک جائز ہے۔

جواب! اخلاق میں اچھا کہنا گناہ ہے

﴿احکام شریعت ج ۲ ص ۲۲۹ از اعلیٰ حضرت بریلوی﴾

خوبی ابوطالب کی

اب آپ کی درج ذیل واقعہ اعلیٰ حضرت ہی کی تحریر کے آئینہ میں ملاحظہ فرمائیں اگرچہ یہ واقعہ دوسری ثقہ کتابوں کے حوالہ سے پہلے بھی پیش کیا جا چکا ہے مگر اعلیٰ حضرتؒ نے اس کو ایک خاص انداز سے بیان فرمایا ہے

ایک اعرابی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر قحط کے دنوں میں بارش کی التجا کی اور کہا کہ آپ کے سوا ہمارا کون ہے جس کے پاس مصیبت کے وقت بھاگ کر جائیں اور مخلوق کو سوائے رسولوں کے اور جائے پناہ ہی کہاں ہے۔

ولیس لنا الا الیک فرارنا و این فرار الخلق الا الی الرسل۔

یہ فریاد سن کر حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً یہ نہایت

مُجلت منبر اطہر پر جلوہ فرما ہوئے اور دونوں دستِ مبارک بلند فرما کر اپنے
ربّ عزوجل سے پانی مانگا ابھی وہ پاک مبارک ہاتھ جھک کر گلوئے پُرنور تک
نہیں آئے تھے کہ آسمان اپنی بجلیوں کے ساتھ اُمڈا اور بیرون شہر کے لوگ
فریاد کرتے آئے کہ یارسول اللہ ہم ڈوبے جاتے ہیں حضور نے فرمایا۔
"حوالینا لا علینا" ہمارے گرد برس ہم پر نہ برس فوراً ابر مدینے پر سے
کھل گیا آس پاس گھرا تھا اور مدینہ طیبہ پر سے کھلا ہوا یہ ملاحظہ فرما کر حضور
اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خندہ دندان نما کیا اور فرمایا۔

اللہ تعالیٰ کے لئے ہے خوبی ابو طالب کی اس وقت وہ زندہ ہوتا تو
اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوتیں کون ہے جو ہمیں اس کے اشعار سنائے۔

مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے عرض کی یارسول اللہ شاید حضور یہ
اشعار سننا چاہتے ہیں جو ابو طالب نے نعت اقدس میں عرض کیے تھے۔

وابیض یستقی الغمام بوجھہ

ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

تلوذبہ الھلاک من آلِ ھاشم

فھم عندہ فی نعمۃ و فواضل

وہ گورے گورے رنگ والے کہ ان کے منہ
کے صدقے میں ابر کا پانی مانگا جاتا ہے یتیموں کے
جائے پناہ بیواؤں کے نگہبان بنی ہاشم جیسے غیور لوگ

تباہی کے وقت ان کی پناہ میں آتے ہیں ان کے پاس
ان کی نعمت وفضل میں بسر کرتے ہیں۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اجـل ذلك اردت
ہاں یہی نظم ہمیں مقصود تھی۔

﴿الامن والعلی ص ۱۰۶﴾

اس کے آگے فاضل بریلوی فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پسند فرمودہ اشعار میں یہ الفاظ خاص ہمارے مقصودِ رسالہ ہیں کہ حضور کے سوا ہمارا کوئی نہیں جس کے پاس مصیبت میں بھاگ کر جائیں خلق کے لئے جائے پناہ نہیں سوائے بارگاہ انبیاء علیہم الصلوٰۃ والثناء کے وہ گورے رنگ والا پیارا جس کے چاند سے منہ کے صدقے میں مینہ اترتا ہے وہ یتیموں کا حافظ وہ بیواؤں کا نگہبان وہ ملجا وماویٰ کہ بڑے بڑے تباہی کے وقت اس کی پناہ میں آکر اس کی نعمت اس کے فضل سے چین کرتے ہیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

﴿الامن والعلی ص ۱۰۶﴾

قاضی دحلان مکی اور علمائے حرمین کا مذہب

۲۳ رمضان ۱۳۳۹ھ

کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ جو لوگ علمائے حرمین طیبین کو بدعتی بتائیں ان کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں۔

الجواب مطلقا علمائے حرمین شریفین کو بدعتی وہی بتائے گا جو وہابی ہے اور وہابی کے پیچھے نماز باطل محض ہے۔

﴿فتاوی رضویہ ج ۳ ص ۲۶۶﴾

حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی نماز جنازہ

ہم نے کتاب ہذا کے پہلے ایڈیشن میں حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ کے ضمن میں وضاحت پیش کی تھی کہ اس وقت نماز جنازہ مشروع نہیں تھی بلکہ اس واقعہ کے کئی سال بعد مدینہ منورہ میں نماز جنازہ کی ابتداء ہوئی اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا تھا کہ ملکہ فردوس بریں ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نماز جنازہ بھی نہیں پڑھی گئی تھی جس کی تردید میں شیخوپورہ سے ہمارے ایک رضوی بزرگ قصے کہانیوں کی چند کتابیں اٹھا کر آدھمکے اور فرمانے لگے کہ ادھر دیکھو ام تم کو دکھاتا ہے بی بی

خدیجہ کا نماز جنازہ ہوا تا۔

ان کے جواب میں متعدد حوالے پیش کرتے ہوئے ہم نے عرض کیا کہ خان صاحب آپ کی معتبر کتاب کا حوالہ پیش کریں مگر آپ یہی فرماتے رہے معتبر کیسا ہوتا ہے تم کافر کو مُسلمان بنا رہے ہو وغیرہ وغیرہ،

بہر کیف! اب ان خان صاحب کے لئے بطورِ خاص و دیگر قارئین کرام کے لئے بالعموم اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی کی ایک عبارت پیشِ خدمت ہے۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں تشریعی امور مدینہ منورہ زاد اللہ شرفہا سے پہلے نافذ نہیں تھے چنانچہ امام واقدی علیہ الرحمۃ حضرت حکیم بن حزام رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ اُمّ المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی بعثتِ مبارک دسویں سال شعب ابی طالب میں سے بنی ہاشم کے خروج کے بعد انتقال فرمایا اور مقامِ حجون پر آپ کو دفن کیا گیا اور حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم آپ کی لحد مبارک میں اترے مگر اس وقت نماز جنازہ مشروع نہ تھی لہٰذا آپ کی نماز جنازہ نہیں پڑھی گئی۔

نماز جنازہ کب شروع ہوئی

امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب الاصابہ فی تمیز الصحابہ

اسعد ابن زرارہ رضی اللہ تعالٰی عنہ کے تذکرہ میں فرماتے ہیں کہ واقدی نے کہا ہے کہ وہ مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا میں ہجرت کے نو ماہ بعد فوت ہوئے اور روایت نقل کی ہے حاکم نے مستدرک میں کہ واقدی نے کہا کہ وہ مدینہ منورہ زاداللہ شرفہا میں ہجرت کے نو ماہ بعد فوت ہوئے اور روایت نقل کی ہے حاکم نے مُستدرک میں کہ واقدی نے کہا کہ وہ شوال کا مہینہ تھا اور امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ہم تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ اسعد زرارہ وہ صحابی ہیں جو ہجرت کے بعد تمام صحابہ میں سے پہلے فوت ہوئے اور ان کی پہلی میت ہے جس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز جنازہ ادا فرمائی۔

جنازہ کیوں نہیں پڑھا؟

وفی کلام بعضهم صلاة الجنازة فرضت فی السنة الا ولیٰ من الهجرة انه مات قبل خدیجة رضی الله تعالیٰ عنها ای بثلاثة ایام و دفنت بالحجون ولم تکن الصلوٰة علی الجنازة شرعت۔

﴿سیرت حلبیہ ج ا ص ۴۰﴾

بعض کے کلام میں ہے کہ نماز جنازہ ہجرت کے پہلے سال فرض ہوئی ہے اور ابو طالب حضرت خدیجہ سے تین یوم پہلے فوت ہوئے اور حجون میں دفن ہوئے۔ اور اس وقت نماز جنازہ مشروع نہیں تھی۔

جنازہ کے ساتھ جانا

سیدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز جنازہ نہ پڑھنے کو ان کے کفر کی دلیل قائم کرنے کے علاوہ بعض لوگوں نے عقل کے زور سے ایک یہ دلیل بھی پیدا کر رکھی ہے۔

کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جنازہ کے ساتھ نہیں گئے اس لئے ابو طالب کافر و مشرک ہیں۔

ہم اس منطقی دلیل کو ماننے سے قاصر ہیں کیونکہ پوری روایت میں ایک لفظ بھی ایسا نہیں جس سے ثابت کیا جا سکے کہ آپ جنازہ کے ہمراہ تشریف نہیں لے گئے البتہ حضرت علیؑ کو حکم ہے کہ ایسا کرو اور آپ کا جنازہ کے ہمراہ تشریف لے جانا تو مسلم الثبوت ہے۔

بلکہ بعد وفات ابی طالب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ان کے سر پر دست رحمت پھیرنا بھی ثابت ہے چنانچہ سیرت کی کتابوں میں آتا ہے۔

ان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسح ابا طالب بعد موتہ

﴿تاریخ الخمیس ص ۳۱۰﴾

جنازہ کے ساتھ تشریف لے جانے کی روایات ملاحظہ ہو۔

واما روی عنه انه صلی الله علیه وآلہ وسلم عارض

جنازة عمه ابی طالب فقال وصلتك رحم وجزيت

خیرا یا عم۔

﴿سیرت حلبیہ ج ۲ ص ۴۷﴾

مگر روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اپنے چچا ابوطالب کے جنازہ کے ہمراہ تشریف لے

گئے اور فرمایا اے چچا آپ نے حق صلہ رحمی ادا کر دیا

اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر دے۔

قال ابن عباس عارض رسول الله صلی الله علیه وآله

وسلم جنازة ابی طالب وقال صلتك رحم و جزاك

الله خیرا یا عم۔

﴿تاریخ الخمیس ج ۱ ص ۳۰۱ مؤلفہ حسین بن محمد بن حسن دیار بکری﴾

اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم حضرت ابوطالبؑ کے جنازہ کیساتھ تشریف لے

گئے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بہتر جزا عطا فرمائے

اے چچا آپ نے حق صلہ رحمی ادا فرما دیا۔

شاہ عبدالحق محدث دہلوی رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت نقل فرماتے

ہیں۔

ونیز آوردہ کہ سید عالم ہمراہ جنازہ ابو طالب

میرفت ومیگفت اے عم من صلہ رحم بجا آوردی ودر حق

من تقصیر نہ کردی خدائے تعالیٰ ترا جزائے خیر دہاد۔

﴿مدارج النبوت ج ۲ ص ۷۹﴾

روایات میں آتا ہے کہ سید عالم صلی اللہ علیہ

وآلہ وسلم حضرت ابوطالب کے جنازہ کے ساتھ

تشریف لے جارہے تھے اور فرماتے جارہے تھے کہ

اے میرے چچا آپ صلہ رحم بجا لائے اور میرے حق

میں آپ نے کوئی غلطی نہیں کی اللہ تعالیٰ آپ کو

جزائے خیر عطا فرمائے۔

علاوہ ازیں یہ روایت جامع الاصول معارج النبوۃ ودیگر متعدد کتب

معتبرہ میں بھی موجود ہے۔

آیت کیسے منسوخ ہوگی

قارئین کرام حدیث ضحضاح کی تفصیل تو ملاحظہ فرما چکے ہیں اور یہ

بھی جان چکے ہیں کہ یہ خبر احاد ہے۔

اور قرآن مجید کی متعدد آیات بینات کی ناسخ نہیں ہوسکتی اب اعلیٰ

حضرت عظیم البرکت کی ایک تحریر ملاحظہ فرمائیں اور پھر فیصلہ کریں کہ کیا

حضرت ابو طالب کے لئے تخفیف عذاب کی روایت قرآن مجید کی ان آیات کو منسوخ کر سکتی ہے جن میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ کفار و مشرکین کے عذاب میں تخفیف عذاب کی روایت قرآن مجید کی ان آیات کو منسوخ کر سکتی ہے جن میں واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ کفّار و مشرکین کے عذاب میں تخفیف نہیں ہوگی۔

اور نصوص ہمیشہ ظاہر پر محمول رہیں گی بے دلیل شرعی تخصیص و تاویل کی اجازت نہیں ورنہ شریعت سے امام احاد اگر چہ کیسے ہی اعلیٰ درجہ کی ہو صحیح ہو عموم قرآن کی تخصیص کر سکے گی بلکہ اس کے حضور مضمحل ہو جائے گی۔

﴿ابناء المصطفےٰ ص ۵﴾

عموم آیات قطعیہ قرآنیہ کی مخالفت میں اخبار احاد سے استناد ہرزہ بانی ہے۔

﴿ابناء المصطفےٰ ص ۶﴾

تین مسئلے

پہلا مسئلہ

سوال! کیا ارشاد ہے شریعتِ مقدسہ کا اس مسئلہ میں کہ زید بد مذہبوں کے یہاں کا کھانا کھاتا ہے اور بد مذہبوں سے میل جول رکھتا ہے مگر خود سنّی ہے اس کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

الجواب! اس صورت میں فاسق معلن ہے اور امامت کے لائق نہیں۔

﴿احکام شریعت ج ۲ ص ۱۳۳﴾

سوال کیا فرماتے ہیں علمائے اہلِ سنّت کہ کافر کا جھوٹا پاک ہے یا ناپاک؟

الجواب! کافر نرے ناپاک ہیں

قال اللہ تعالیٰ انما المشرکون نجس کافر نرے ناپاک ہیں اور یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے کافر کے جھوٹے سے بھی بحمد اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ایسی ہی نفرت ہے اور یہ نفرت ان کے ایمان سے ناشی ہے جو شخص دانستہ اس کا جھوٹا کھائے پئے مسلمان اس سے بھی نفرت کرتے ہیں اور آخر پر متعدد دلائل دینے کے بعد لکھا ہے دلائلِ شرعیہ اور احادیث صحیحہ سے ثابت ہوا کہ

کافر کے جھوٹے سے احتراز ضرور ہے۔

﴿احکام شریعت ص ۱۱۔۱۲﴾

دوسرا مسئلہ

کافر کو راز دار بنانا مطلقاً ممنوع ہے امورِ دنیویہ میں وہ ہرگز قدر قدرت ہماری بدخواہی میں نہیں کریں گے۔

قل صدق اللّٰہ ومن اصدق من اللّٰہ قیلا سیدنا امام اجل حضرت امام بصری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا۔ یعنی مشرکین کی آگ سے روشنی نہ لو کی تفسیر میں فرمایا ہے کہ اپنے کسی کام میں ان سے مشورہ نہ لو اور اسے اسی آیت کریمہ سے ثابت فرمایا۔

﴿احکام شریعت ج ۲ص ۲۶۴﴾

تیسرا مسئلہ

یونہی موالات مُطلقاً جملہ کفّار سے حرام ہے۔

﴿احکام شریعت ج ۲ص ۲۶۶﴾

الکفرۃ ملۃ واحدۃ اس میں اگر کافروں پر یوں اعتماد کیا کہ ان کو اپنی مصیبت میں ہمدرد اپنا دلی خیر خواہ اپنا مخلص با خلاص خلوص کے ساتھ ہمدردی کر کے اپنا دلی دوست بنانے والا اس کی بے کسی میں اس کی طرف اتحاد کا ہاتھ بڑھانے والا جانا تو بے شک آیت کریمہ کا مخالف ہے اور ارشاد

آیت جان کر ایسا سمجھا تو نہ صرف اپنی جان بلکہ جان وایمان اور قرآن سب کا دشمن ہے۔

﴿احکام شریعت ج ۲ ص ۲۶۷﴾

تینوں مسئلوں کا ایک ہی حل

قارئین کرام کی خدمت میں التماس ہے کہ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت فاضل بریلوی کے ان تینوں فتوؤں کو ایک بار پھر بنظرِ غائر پڑھ لیں اور اس کے بعد یوں تصور کر لیں کہ کافر ومشرکین سے انقطاعِ کُلّی کے لئے ان احکام شرعیہ کا نفاذ ہر مومن مسلمان عاقل بالغ پر ہوتا ہے اور اس میں کسی ایک کے لئے بھی کوئی تخصیص موجود نہیں۔

یہ تصور قائم کرنے کے بعد پھر نہایت ہی خلوص و دیانت کے ساتھ اس امر پر غور فرمائیں کہ جب ایک مُسلمان کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ کفّار کے کھانے سے احتراز کرے اور کفّار ومشرکین کو اپنے دُنیوی امور میں بھی اپنا راز دار نہ بنائے اور مطلق طور پر ان سے ترکِ موالات کرے تو یہ کیسے ممکن ہے کہ خود شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام ان احکام کے خلاف کفّار ومشرکین کو اپنا راز دار بھی بناتے ہوں ان کے دسترخوان پر کھانا بھی کھاتے ہوں اور مُسلمانوں سے بھی زیادہ ان پر اعتماد کرتے ہوں یہی نہیں بلکہ ان سے امداد بھی طلب کرتے ہوں اور ان کی پناہ میں بھی رہتے ہوں۔

اگر آپ کے قلب ونظر اس امر پر مطمئن ہو جائیں کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہرگز ایسا اقدام نہیں کر سکتے جو احکامِ خداوندی کے خلاف ہو تو پھر آپ کو حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے کامل ترین مومن ہونے پر ذرہ برابر بھی شک نہیں کرنا چاہیے اس لئے کفار و مشرکین سے ہر ممکن اجتناب اور پرہیز کرنے سے اعلیٰ حضرت شاہ احمد رضا خان بریلویؒ نے اہلِ اسلام کے لئے جن باتوں کی نشان دہی فرمائی ہے ان تمام تر امور میں حضور رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ساتھ شامل کر رکھا تھا۔

نام ہی کافروں کا ہے ﴿ایک نکتہ آفرینی﴾

بعض حضرات کی اس نکتہ آفرینی سے عباسی وغیرہ نے بھی اپنے سفلی جذبات کی تسکین کے لئے خاطر خواہ فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی ہے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت مبارکہ کے وقت آپ کے چار چچا بقید حیات تھے ان چاروں میں سے جن دو کے نام مسلمانوں جیسے تھے وہ مسلمان ہو گئے اور جن دو کے نام کافروں جیسے تھے۔ وہ کافر ہی رہے۔

مسلمان ہونے والوں کے نام حضرت حمزہ اور حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہیں جبکہ اسلام نہ قبول کرنے والوں کے نام عبد مناف یعنی ابو طالب اور عبد العزیٰ یعنی ابولہب ہیں۔

بلکہ اس تخیّلاتی شاخسانہ سے خارجی عباسی نے مزید یہ فائدہ بھی حاصل کرنا چاہا ہے کہ اگر حضرت عبدالمطّلب توحید پرست ہوتے تو وہ اپنے بیٹوں کے نام بتوں کے نام پر نہ رکھتے۔

عبدالمناف اور عبدالعزّیٰ

یہ حقیقت ہے کہ عزیٰ نامی بت کفار و مشرکین کے چند بہت بڑے خداؤں میں سے ایک تھا جب کہ ان اصنام میں مناف کسی بت کا نام نہیں تھا لغت کی مشہور کتاب المنجد میں یہ امر ضرور مذکور ہے کہ مناف بھی ایک بت ہی کا نام تھا مگر مؤلف کتاب کا یہ قول پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتا جس کی وضاحت آئندہ اوراق میں پیش کی جا رہی ہے بایں ہمہ اگر یہ تسلیم بھی کر لیا جائے کہ مناف بھی عزیٰ کی طرح ایک بت ہی کا نام تھا تو جب بھی اس سے یہ امر لازم نہیں آتا عبدالمطلب کے تصور میں انہی معبودانِ باطل سے نسبت قائم کرنا رہا ہوگا جنہیں مشرکینِ مکہ نے اپنے ہاتھوں سے تراش کر کعبۃ اللہ میں رکھا ہوا تھا اس لئے کہ مشرکین جن لوگوں کی تصویریں بنا کر پرستش کرتے تھے وہ بہرصورت صالحین کی ایک جماعت تھی ہو سکتا ہے کہ ان میں کچھ بتوں کو چند اولیائے شیطان کے نام سے بھی منسوب کر رکھا ہو لیکن کثرت سے اولیائے رحمان کے ناموں کو استعمال کیا جا رہا تھا حتیٰ کہ کعبہ شریف کے اندر سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کی تصویر بنا کر بھی پرستش کی جاتی تھی۔

علاوہ ازیں سیدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جدِ امجد اور سیدنا ہاشم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے والد گرامی کا اسم گرامی بھی عبد مناف تھا اور عرب کے رواج کے مطابق حضرت عبدالمطلب نے اپنے بیٹے کا نام اپنے جدِ امجد کے نام پر رکھا تھا بلکہ عبدالعزیٰ بھی آپ نے اپنے جدِ امجد کے بھائی کے نام کی نسبت سے رکھا تھا۔

اب جب کہ یہ بات قطعیت کے ساتھ ثابت ہو چکی ہے کہ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تمام تر آبا وَ اُجداد کفر و شرک کی آلودگیوں سے پاک تھے تو ظاہر ہے کہ آپ کے پردادا عبد مناف بھی مومن و موحد تھے اور ان کے والد سیدنا قصی بھی مومن و موحد تھے اندریں حالات یہ کیسے ممکن ہے کہ حضرت قصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ توحید پرست ہونے کے باوجود اپنے بیٹوں کے نام بتوں کے ناموں پر رکھیں۔

ایک تاریخی حقیقت

قارئین کرام کے لئے یہ امر یقیناً دلچسپی کا باعث ہوگا کہ حضرت قصی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے بیٹوں کے نام عبد مناف اور عبدالعزیٰ اس وقت رکھے تھے جب آپ نے عرب میں بُت پرستی کو رواج دینے والے عمرو ابن لحی الخزاعی کے پورے قبیلے خزاعہ کو مکہ معظمہ سے نکال کر خود تولیتِ کعبہ اور امورِ حج کی نگرانی کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔

مشکوک نہ کریں

بہر کیف! عباسی وغیرہ کی غلط بیانیوں اور خرافات پر لعنت بھیجتے ہوئے ہم محض اپنے ہم مسلک بزرگوں کی خدمت میں استدعا کریں گے کہ محض عدم ایمان ابو طالب پر استدلال قائم کرنے کے شوق میں من گھڑت اور تخیلاتی نکتہ آفرینیوں سے حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباؤ اجداد الکرام رضی اللہ عنہم کے ایمان کو بھی مشکوک نہ کرتے جائیں۔

ہاں! اگر آپ کے پاس اس ضمن میں قرآن وحدیث کی کوئی نص موجود ہے تو آپ اسے اپنے مؤقف میں پیش کر سکتے ہیں اور اگر آپ ایسی کسی دلیل سے تہی دامن ہیں تو پھر یہ بے پر کی اڑانے سے حاصل کیا ہوگا۔

جب کہ آپ جانتے ہیں کہ ہزاروں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نام دور جاہلیت میں مشرکانہ اور کافرانہ تھے اور ان کے وہ مشرکانہ نام ان کے ایمان قبول کر لینے میں ہرگز حائل نہیں ہوئے۔

بایں ہمہ! حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا اسم گرامی عبد مناف ہرگز مشرکانہ نہیں بلکہ اس کے برعکس حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اسم مقدس کی برکات کا ذکر اس طرح فرماتے ہیں۔

عبد مناف برکت والا نام ہے

امام ابن عساکر سند کے ساتھ کریمی سے اور وہ حضرت ابو سعید

خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب ہماری بعثت مبارکہ ہوئی تو اس وقت ہمارے چار چچا بقید حیات تھے۔

ان میں ایک تو عباس رضی اللہ عنہ ہیں جن کی کنیت ابوالفضل ہے اور قیامت تک اس کی اولاد اہلِ فضل یعنی بزرگی والی ہوگی۔

دوسرے ہمارے چچا حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں ان کی کنیت ابویعلیٰ ہے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں اعلیٰ قدر و طاقت عطا فرمائی ہے۔

تیسرے چچا کا نام عبدالعزیٰ ہے اور اس کی کنیت ابولہب ہے چنانچہ وہ جہنم میں داخل ہوا اور جہنم کی آگ کا شعلہ بنا۔

اور ہمارے چوتھے چچا کا نام عبدمناف ہے اور اس کی کنیت ابو طالب تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کے لئے ان کی اولاد میں برکت عطا فرمائی اور یہ قیامت تک طویل اور بلند شان والی ہوگی۔

منقولہ بالا روایت امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے تفسیر دُرِّ منثور میں نقل فرمائی ہے علاوہ ازیں آپ خصائص کبریٰ شریف میں مزید یہ روایت نقل فرماتے ہیں حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جد امجد سیّدنا عبدالمطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک سفر سے واپس تشریف لا رہے تھے اثنائے راہ میں آپ نے ایک ایسے مقام پر پڑاؤ کیا جہاں چند لوگ پہلے

بھی موجود تھے ان لوگوں میں ایک کاہنہ بھی تھی جو اپنے ساتھی کو بتا رہی تھی کہ نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورِ اقدس بَیْنَ الْمَنَافَیْن یعنی دو منافوں کے درمیان سے ہو کر جلوہ گر ہونے والا ہے۔

اس جملہ کی تشریح حضرت عبد المطلب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے الفاظ میں اس طرح فرمائی ہے کہ ہمارے جد امجد کا اسم گرامی بھی عبد مناف ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کے جد امجد کا اسم مقدس بھی عبد مناف ہے۔

قارئین! ان دونوں عبارتوں کا عربی متن اور کتابوں کے صفحات وغیرہ تو ہماری کتاب والدین رسول الثقلین ملاحظہ فرمائیں مگر یہاں اس امر پر ضرور غور فرمائیں کہ

این تفاوت راہ از کجا تا بکجا است

پتھروں کا مومن ہونا

حمد بے حد مر رسولِ پاک را
آنکہ ایماں داد مُشتِ خاک را

پہلے ایڈیشن میں شیخ الاسلام والمسلمین حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی مدظلہ العالی کی ایک دلیل تھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مالک ومختار کائنات ہیں اور آپ نے اپنے لامحدود اختیارات کو استعمال فرماتے ہوئے

پتھروں اور کنکروں تک کو مومن بنادیا تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنے شفیق چچا کو ایمان کی دولت نہ عطا کر سکتے۔

آپ کے اس ارشاد کے جواب میں ایک تنکے نے لکھا کہ پتھروں اور جمادات کے لئے ایمان ثابت کرنا پیر سیال کی من گھڑت دلیل ہے۔

اہلِ اسلام کو ایک تنکے کے شر سے محفوظ رکھنے کے لئے اس ضمن میں ہی منقولہ بالا شعر پیش کیا گیا ہے۔

حضرت علامہ اقبال علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں بے حدو حساب حمد و تعریف رسول معظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے جنہوں نے مٹی کی مُٹھی کو ایمان کی دولت سے نواز دیا۔

ہوسکتا ہے کہ کوئی سرپھرا علامہ اقبال کے اس ایمان افروز ارشاد کو حجت قرار دینے سے پس وپیش کرے اس لئے ہم ایسے شخص کی توجہ اس روایت کی طرف مبذول کروائیں گے جس میں ہے کہ حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد پا کر ابو جہل لعین کی مٹھی میں دبی ہوئی کنکریاں لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا ورد کرنے لگیں۔

اگر اب بھی بات سمجھ میں نہیں آئی تو ایک کفر توڑ حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

صاحب سیرت حلبیہ علامہ برہان الدین حلبی نقل فرماتے ہیں کہ امام جعفر الصادق علیہ السلام سے روایت ہے کہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے

مخلوق کو پیدا فرمایا تو اولادِ آدم پر سوال کیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو انہوں نے کہا ہاں کیوں نہیں پس ان کے اقرار کو علم میں تحریر کر لیا پھر پتھر کی کتاب پر یہ لکھ دیا تو یہ اس کا اسلام ہے بے شک یہ وہ بیعت ہے جس کا انہوں نے اقرار کیا تھا اور مقر ہوئے تھے۔

امام جعفر الصّادق علیہ السلام مزید فرماتے ہیں۔

کہا کہ اپنی بات کا انکار کرتے ہیں جب کہ پتھر نے بھی اسلام قبول کر لیا اور کہا کہ الٰہی میں اس امانت کو واپس کروں گا اور اس وعدے کو پورا کروں گا اور تو میرے لئے گواہ ہو جا کہ میں تیرا وفادار ہوں۔

وعن جعفر الصادق رضی اللّٰہ تعالیٰ عنه لما خلق اللّٰہ الخلق قال لبنی آدم الست بربکم؟ قالوا بلی فکتب العلم اقرارهم ثم القم ذالك الکتاب الحجر فهذا لا سلام له انه هو بیعة علی اقرارهم الذی کانوا اقروا به قال رضی اللّٰہ عنهٗ وقال ابی علی یقول اذا اسلم الحجر یقول اللهم امانتی اودیتها و میثاقی و فیت به یشهد لی عندك بالوفا وفی کلام السهیلی ان العهد الذی اخذه اللّٰہ تعالیٰ علی ذریته آدم حین مسح ظهره ان لا یشرکوا به شیا کتبه فی صك والقمه الحجر الا سود ولذا لك یقول المستلم اللهم ایما نا بك ووفاء بعهدك وقد جعله الحجرا لا سود یمین اللّٰہ فی الارض۔

﴿ج ا ص ۱۸۲ سیرت حلبیہ﴾

بعدازاں امام سہیلی کے حوالہ سے اس پتھر کے ایمان واسلام کو ثابت کر کے بتایا گیا ہے کہ یہ حجر اسود ہے اور اللہ کی زمین کے دائیں طرف ہے۔

آخری واہی اعتراض

الاصابہ وغیرہ کے حوالہ سے ہم درج ذیل روایت نقل کرنے کے بعد اس کی تردید ابتدائی صفحات میں کر چکے ہیں۔

تاہم کچھ لوگوں کے اس پر بار بار زور دینے کی وجہ سے ہم دوبارہ نقل کرتے ہوئے اس شخص کو دو انعام دینے کا وعدہ کرتے ہیں جو اسماء الرجال کے کسی بھی طریق سے اس کو صحیح ثابت کر دے۔

روایت یہ ہے کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے والد ماجد حضرت ابو قحافہ نے اسلام قبول کیا تو حضرت ابو بکر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی خدمت میں عرض کیا کہ آپ کے چچا ابو طالب ایمان لے آتے تو مجھے اپنے باپ کے ایمان لانے سے زیادہ خوشی ہوتی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ روایت قطعی طور پر باطل اور موضوع ہے۔

اور حدیث کی کسی بھی ثقہ کتاب میں اس کا وجود تک نہیں انہی الفاظ پر چلتے پھرتے اعتراضات کے جوابات کا سلسلہ ختم کیا جاتا ہے۔

باب شانزدہم

☆ تعدیل و جرح

☆ یہ روایات محلِّ نظر ہیں

☆ تمام راویوں کا تعارف

☆ ضعیف اور مُنکر الحدیث

☆ حضرت مسیّب

نقد ونظر تعدیل جرح

بخاری شریف کی ﴿٦﴾ چھ روایات کے راوی

ابنِ شہاب زہری

مسیّب سعید بن مسیّب

علی بن حسین عمر بن عثمان اسامہ بن زید
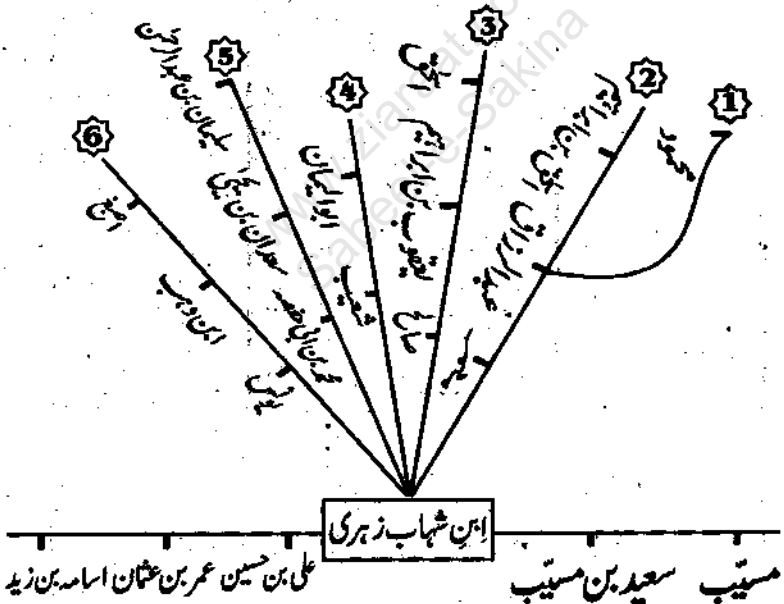
روایت نمبر ایک دو تین چار میں ابتدائی راوی مسیّب ہیں جن کے متعلق علامہ کرمانی شارحِ بخاری اور علاّمہ عینی شارح بخاری لکھتے ہیں۔

بان المسیب علی قول العسکری ممن بایع تحت الشجرة قال فایا ما کان لم یشھد وفاة ابی طالب نیز فرماتے ہیں ھذا الاسناد لیس علی شرط البخاری اذ لم یرو عن مسیب الا ابنہ۔

مزید لکھتے ہیں:۔

ان البخاری لم یخرج عن احد ممن لم یروعنه الا واحد لعله اراد من غیر الصحابی۔

﴿کرمانی شرح بخاری جلد ۱۷ صفحہ ۱۴﴾

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۹ ص ۱۰۵۔ ج ۱۸ ص ۲۷۶۔۲۷۷﴾

مندرجہ بالا نقشہ سے قارئین کرام اچھی طرح جان چکے ہیں کہ سیدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدم ایمان پر سب کی سب روایات جناب ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی وساطت سے ہی منتشر ہوئی ہیں۔

جناب زہری کی بیان کردہ دیگر بے شمار روایات بھی کتب احادیث میں موجود ہیں جن پر اپنے اپنے مؤقف کے مطابق ہر دور میں محدثین کرام

نے تعدیل وجرح کر لینا ہی مناسب خیال فرمایا ہے۔

بالخصوص جناب زہری کا حضرت سعید بن میتب رحمۃ اللہ علیہ سے روایت بیان کرنا محدثین کے نزدیک قطعی طور پر محل نظر ہے۔

اس لئے کہ جناب زہری رحمۃ اللہ علیہ کی حضرت سعید بن میتب رحمۃ اللہ علیہ سے کبھی ملاقات ہی نہیں ہوئی چنانچہ اس امر کی وضاحت بخاری شریف ہی کے مقدمہ میں اس طرح کی گئی ہے کہ۔

واما اذا قال حد ثنا الزهری ان ابن المسيب قال كذا
او حدث بكذا او فعل اوذ كر او روی او نذ لك فقال
الامام احمد بن حنبل و جماعة لا يلتحق ذالك
بعض بل يكون منقطعا حتى يتبين السماع

﴿مقدمہ بخاری شریف ص ۷﴾

مندرجہ بالا تحریر سے صراحتاً پتہ چل جاتا ہے کہ زہری کی سعید بن میتب سے بیان کردہ روایت منقطع ہے جسے صحیح کے درجہ میں کسی بھی صورت میں داخل نہیں کیا جا سکتا۔

علاوہ ازیں سعید بن میتب نے بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرفوع حدیث روایت نہیں کی بلکہ ان کے اپنے ہی والد گرامی جناب میتب کے کفر کے زمانہ کا قول ہے جسے زبردستی اس قدر اہمیت دی گئی ہے۔

علامہ کرمانیؒ شارحِ بخاری کرمانی شرح بخاری میں اور سرتاج

الاحناف علامہ بدر الدین عینی عمدۃ القاری شرح بخاری میں واضح طور پر فرماتے ہیں کہ حضرت میتب نے عسکری کے قول کے مطابق بیعت رضوان کے وقت اسلام قبول کیا اور وہ وفات ابی طالب کے وقت ان کے پاس ہرگز موجود ہی نہیں تھے۔

یہی نہیں بلکہ یہ دونوں حضرات فرماتے ہیں کہ اس روایت کی اسناد بخاری کی اپنی قائم کردہ شرط پر ہی پوری نہیں اترتیں اور پوری بخاری شریف میں صرف ایک ہی ایسی روایت ہے جو امام بخاری نے اپنی شرط کو توڑتے ہوئے دو ابتدائی غیر صحابی راویوں کی بجائے صرف ایک راوی سے قبول کرلی ہے نیز یہ کہ میتب کا یہ قول سوائے اس کے بیٹے سعید بن میتب کے کسی اور شخص نے بیان ہی نہیں کیا۔

بان المسیب علی قول العسکری ممن بائع
تحت الشجرۃ قال فایا ما کان لم یشھد وفاۃ ابی
طالب عذبانلا سناد لیس علی شرط البخاری الا لم
یرو عن مسیب الا ابنہ۔

ان البخاری لم یخرجہ عن احد ممن لم یرو عنہ الا
واحد ملہ ارا د من غیر الصحابی۔

﴿کرمانی شرح بخاری جلد ۷ اص ۱۸۳﴾

﴿عمدۃ القاری شرح بخاری ج ۹ ص ۱۰۵ اجلد ۱۸ ص ۲۷۷﴾

زہری کی روایت پابر ہوا ہے

قارئین سلسلہ اسناد کے نقشہ کو غور سے دیکھیں تو صاف طور پر واضح ہو جائے گا چھ میں سے چار سلاسل اسناد کی ابتدا جناب سعید بن مسیّب رحمۃ اللہ علیہ سے ہوتی ہے جن کو بغیر ان سے ملاقات کرنے کے ان کے نام سے جناب ابن شہاب زہری نے سب کی سب روایات بیان کر رکھی ہیں۔

اندریں حالات ان مرسل اور منقطع روایات کو فضائل و مناقب میں نہیں بلکہ ایک واجب الاحترام ہستی کے ایمان کے خلاف استعمال کرنا زبردستی اور تحکم نہیں تو اور کیا ہے۔

امام زہری کی مرسل روایات کے متعلق امام اہل سنت سیدنا شاہ احمد رضا خاں رحمۃ اللہ علیہ بریلوی فرماتے ہیں۔

اور مرسل بھی زہری کی جسے محدثین پابر ہوا کہتے ہیں۔

﴿رسائل رضویہ جلد دوم ص ۱۶۹﴾

قرآن مسیّب پر نہیں اُترا

جیسا کہ قارئین پر اچھی طرح وضاحت ہو چکی ہے کہ آیت کریمہ، انك لا تهدى الى آخره، اور آیت مقدسہ ما كان للنبى والذين آمنوا على آخر الاية، کو ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں بیان کرنے والے جناب مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہیں حالانکہ ان دونوں آیات

کے نزول میں تقریباً بارہ سال کا طویل وقفہ موجود ہے۔

اندریں حالات ایک ہی راوی کا اس بُعد المشرقین کو ایک ساتھ جمع کر کے کوئی روایت بیان کرنا کسی بھی صورت میں قرینِ صحت نہیں قرار دیا جا سکتا۔

بہرکیف جلیل القدر صحابی رسول اور یکے از اصحابِ عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم اجمعین حضرت جناب سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک آیتِ کریمہ کے بارے میں فرماتے ہیں کہ قرآن مجید مسیّب پر نہیں اُترا ملاحظہ ہو۔

وصححه عن سعد بن ابی وقاص رضی الله تعالیٰ عنهٗ
انه قراما ننسخ من آيت اوننسها بالفصيل له ان
سعيد بن المسيب يقرأ معنا با فقال سعد رضی الله
عنه ان القرآن لم ينزل علی المسيب ولا آل مسيب
قال الله سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰى، واذكر ربك اذا نسيت۔

﴿تفسیر در منثور جلد اول ص ۱۰۴ السیوطی﴾

اب تو غور فرما لیں

بھول جانے والی اور منسوخ آیات کے سلسلہ میں سیدنا سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جناب مسیّب اور اس کی اولاد کو قرآن کریم کے متعلق ناآشنا ٹھہرانا معمولی بات نہیں اس لئے قارئین اس امر پر غور فرمائیں

اور اس حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں کہ بقول امام بخاریؒ اگر حضرت ابوطالب کے حوالہ سے بیان کردہ روایت بجائے دیگر راویوں کے اکیلے حضرت مسیّب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی تیار کی ہے تو اس سے زیادہ حیرت انگیز دنیا کا کوئی واقعہ نہیں ہو سکتا کیونکہ مذکورہ روایت میں ایک آیت حضرت مسیّب کے قبولِ اسلام سے کئی برس پہلے نازل ہوئی ہے اور دوسری آیت ان کے قبولِ اسلام سے کئی سال بعد نزول پذیر ہوئی اندریں حالات اسے خود روایت تیار کرنا ہی کہا جا سکتا ہے۔

چھوٹی عمر کا تابعی

شیخ المحققین شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ امام ابن شہاب زہری رحمۃ اللہ علیہ کا تعارف پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ وہ اگرچہ تابعی ہیں مگر نہایت چھوٹی عمر کے تابعی ہیں یعنی انہوں نے کسی نہ کسی صحابی کو دیکھا تو ضرور ہو گا مگر اس سے روایت لینے یا روایت محفوظ کرنے کی اس وقت ان میں صلاحیت نہیں تھی یہی وجہ ہے کہ ان کی بیان کردہ متصل روایتوں کے راوی ضعیف ہوتے ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

زہری تابعی ہے لیکن صغیر سن تابعی ہے اور اس کے رجال جو بطریق مرسل آتے ہیں وہ قوی اور مضبوط ہیں جب کہ اس کے برعکس متصل اسناد کے ساتھ بیان کردہ راوی ضعیف ہوتے ہیں۔

زہری تابعی است وتابعی صغیر است ورجال آں اسناد کہ بطریق ارسال آمد قوی تر اند بخلاف اسناد متصل کہ بعضے رجال وے ضعیف اند۔

﴿اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ج ۳ ص ۵۲۷﴾

زہری کی حدیث کے راوی

زہری سے جو لوگ روایت کرنے والے ہیں ان کے پانچ طبقے ہیں طبقہ اولیٰ تو نہایت صحیح ہے اور یہی مقصد بخاری کا ہے کہ طبقہ ثانیہ ثقہ ہونے میں اس کے شمل ہے مگر اس طبقہ کے لوگ صحبت سفر وحضر اور سب حالوں میں اتنی واقفیت نہ رکھتے تھے جتنی طبقہ اولیٰ کے لوگ رکھتے تھے تو یہ اتقان میں پہلے طبقہ سے کم ہوئے طبقہ اُولیٰ کی بخاری نے شرط کی ہے مگر کبھی کبھی طبقہ ثانیہ کی روایت بھی نکال لیتے ہیں مگر بالاستعیاب ان کی نہیں لاتے حافظ ابن حجر نے کہا کہ امام بخاری اکثر طبقہ ثانیہ کی حدیث معلقاً ذکر کرتے ہیں اور طبقہ ثالثہ کی بہت کم معلقاً بیان کرتے ہیں۔

﴿مقدمہ تیسیر الباری شرح بخاری علامہ وحید الزمان ص ۵﴾

منقولہ بالا عبارت سے واضح ہے کہ ابن شہاب زہری کی روایت اگر درست بھی ہو تو اسے راویوں کے پانچ طبقے بیان کرتے ہیں اور امام بخاری باوجود محض پہلے طبقہ پر اعتماد کرنے کے دُوسرے اور تیسرے طبقہ کی روایتیں بھی قبول کر لیتے ہیں۔

صحیح حدیث چھوڑ دیں

ابو علی نسائی نے امام بخاری سے نقل کیا وہ کہتے تھے میں نے اس کتاب کو چھ لاکھ حدیثوں سے چھانٹا ہے اور اسماعیلی نے کہا بخاری سے روایت کیا کہ میں نے اس کتاب میں وہی حدیث لکھی جو صحیح ہے اور اکثر صحیح حدیث کو بھی چھوڑ دیا ہے اسماعیلی نے کہا اگر امام بخاری ہر صحیح حدیث کو اس کتاب میں لکھتے اور ایک باب میں متعدد صحابہ کی روایتیں لکھنا ہوتیں اور ہر ایک اسناد تو اس صورت میں کتاب بہت بڑی ہو جاتی۔

متصل نسفی کہتے ہیں امام بخاری نے کہا میں نے اس جامع میں وہی حدیث لکھی جو صحیح تھی اور بعض صحیح طول کے ڈر سے چھوڑ دی ہیں۔

﴿مقدمہ تیسیر الباری شرح بخاری ص ۴﴾

علاوہ ازیں ہم اپنے قارئین کو درج ذیل عبارت پر غور کرنے کی خاص طور پر دعوت دیں گے کیونکہ بقول علامہ وحید الزمان امام بخاری نے ذوقِ اجتہاد کی تسکین کے لئے روایات کو اپنے ذہن اور فہم کے مطابق ترتیب دیا ہے۔

اجتہاد سے مطلب نکالے ہیں

پھر امام بخاری نے دیکھا کہ اس کتاب کا خالی رکھنا فوائد فقہی اور نکتِ حکمی سے مناسب نہیں ہے تو اپنی سمجھ کی رو سے متون حدیث سے بہت

مطلب نکالے اور ان کو جدا جدا کیا کتاب کے بابوں میں اور زیادہ توجہ کی ان آیات سے جو احکام کے بیان میں ہیں۔

ان میں سے بھی نادر ارشادات نکالے امام نووی نے کہا بخاری کی غرض فقط احادیث بیان کرنا نہیں بلکہ ان کا مقصد استنباط ہے مسائل کا احادیث سے اور استدلال ہے ان بابوں پر جو انہوں نے قائم کیے اور اسی وجہ سے بہت سے ابواب اسناد سے خالی ہیں اور ان میں صرف یہ بیان ہے۔

کہ فلاں نے حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایسی روایت کی اور کبھی متن بغیر اسناد کے اور کبھی مطلقاً روایت کرتے ہیں۔

کیونکہ غرض ان کی دلیل قائم کرنا ہے اس پر جو باب کا مقصود ہے اور بعض بابوں میں بہت سی حدیثیں صحیح ہیں بعضوں میں ایک ہی حدیث بعض میں آیت قرآن کی بعضوں میں کچھ نہیں ہے اور لوگوں نے کہا کہ امام بخاری نے قصداً ایسا کیا ہے۔

اور ان کی غرض یہ ہے کہ اس باب میں کوئی حدیث میری شرط پر نہیں ہے اور یہی وجہ ہے کہ بعض نسخوں میں ایک باب ہے جس میں کوئی حدیث نہیں پھر اس کے بعد ایک حدیث ہے۔

جس کے لئے کوئی باب نہیں اور اس کا سمجھنا لوگوں کو مشکل ہوا ہے۔

﴿مقدمہ تیسیر الباری شرح بخاری ص ۲﴾

ہم اس عبارت پر تبصرہ نہیں کریں گے قارئین خود ہی اندازہ فرمالیں

کہ بغیر حدیثوں کے ابواب مقرر فرمانے سے امام بخاری کا مطلب کیا تھا؟

نسخے ہی نسخے اپنی اپنی سمجھ

حافظ ابو اسحاق ابراہیم بن احمد مستملی نے کہا میں نے صحیح بخاری کو نقل کیا اصل کتاب سے جو امام بخاری کے ساتھ محمد بن یوسف فربری کے پاس تھی اس میں بعض چیزیں تمام نہ تھیں بعض جگہوں میں بیاض تھی بعض تراجم تھے جن کے بعد کچھ نہ تھا بعض احادیث تھیں جن کا ترجمہ باب نہ تھا ہم نے ایک دوسرے کے ساتھ اضافہ کیا ابو الولید نے کہا کہ اس قول کے صحت کی دلیل یہ ہے کہ ابو اسحاق مستملی اور ابو محمد سرخسی اور ابو الہیثم کشمیہنی اور ابو زید مروزی جو کہ بخاری کے راوی ہیں کی روایتوں میں تقدیم و تاخیر کا اختلاف ہے حالانکہ ان سبھوں نے ایک ہی اصل سے نقل کیا ہے اور وجہ اس کی یہی ہے کہ زائد پرچوں اور ٹکڑوں میں جو لکھا تھا اس کو ہر ایک نے اپنی سمجھ کے موافق ایک جگہ لگا لیا اور دوسرے نے دوسری جگہ اور بعض دو ترجمے ہیں یا زیادہ ملے ہوئے اور ان کے درمیان احادیث نہیں۔

﴿مقدمہ شرح بخاری علامہ وحید الزمان ص ۴﴾

مندرجہ بالا عبارت کے مطالعہ سے قارئین پر یہ حقیقت یقیناً منکشف ہو گئی ہو گی کہ ابتداء ہی میں بخاری شریف کے قلمی نسخے ایک دوسرے سے مختلف تھے۔

منقولا بالا عبارت درحقیقت ان عبارات ہی کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے جو ہم نے قرآن اور بخاری کے باب میں بالوضاحت تحریر کر رکھی ہیں۔

یہاں اس نئی عبارت کا نقل کرنا محض اس وجہ سے تھا کہ قارئین کو بجائے سابقہ اوراق یں نقل کی گئی عبارات سے رجوع کرنے کے یہیں پر ہی معلوم ہو جائے کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے احادیث صحیحہ کی کثیر تعداد محض طوالت کی وجہ سے نقل نہیں کی۔

زہری کے بعد یونس

جیسا کہ آپ جرح و تعدیل کے نقشہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ سیدنا ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عدمِ ایمان پر امام بخاری کی تمام تر روایات کی ابتدا امامِ زہری سے ہوتی ہے چنانچہ ان روایتوں میں زہری سے براہ راست روایت بیان کرنے والے ایک بزرگ یونس بھی ہیں ان کا مکمل تعارف تو آئندہ اوراق میں جلد ہی پیش کیا جا رہا ہے یہاں پر بطورِ خاص زہری سے یونس کی بیان کردہ روایات کے متعلق ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

اعلیٰ حضرت عظیم البرکت اسی راوی یونس کے متعلق فرماتے ہیں اس میں زہری سے راوی یونس بن یزید ہیں جنہیں اسی تقریب میں فرمایا !

ثقۃ الا ان فی روایتہ عن الزہری وہما قلیلا وفی غیر الزہری خطاء ہیں

تو ثقہ مگر زہری سے ان کی روایت میں کچھ وہم ہے اور غیر زہری سے روایت

خطا اثرم نے کہا اضعف احمد امر یونس امام احمد نے یونس کا کام ضعیف بتایا امام ابن سعد نے کہا لیس الحجۃ یونس قابل احتجاج نہیں امام وکیع بن الجیر اح نے کہا نسی الحفظ یونس کا حافظہ برا ہے یونہیں امام احمد نے ان کی کوئی حدیثوں کو منکر بتایا "کل ذالك فی المیزان"۔

﴿فتاویٰ رضویہ جلد سوم ص ۵۱﴾

زہری کا آخری تعارف

آیت کریمہ "من عندہ علم الکتاب" یعنی اس کے پاس کتاب کا علم ہے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے نواب صدیق الحسن بھوپالی غیر مقلد لکھتے ہیں کہ یہ علم کتاب کتب سماویہ کی جنس سے ہے جیسا کہ تورات وانجیل ہیں۔

من عندہ علم الکتاب ای علم جنس الکتاب
السماوی کا التوارۃ والانجیل۔

﴿فتح البیان ص ۱۲۰ جلد سوم﴾

زہری نے سالم سے اور سالم نے عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم کتب سماویہ کی تلاوت فرماتے تھے پھر فرمایا کہ زہری کی اس حدیث کی ثقہ محدثین کے نزدیک کوئی اصل نہیں ہے۔

عن الزھری عن سالم عن ابن عمر ان رسول اللہ
صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قراھا ومن عندہ علم

الکتاب ثم قال لا اصل لہ من حدیث الزھری عند الثقات۔

﴿فتح البیان ج سوم ص ۱۴۰﴾

روایت کی بنیاد

یہ تو ہے روایت کی جڑ کی بات جو یقیناً کٹ چکی ہے اب آپ دیگر راویان کرام کے متعلق ملاحظہ فرمائیں۔

ہم نے ان راویوں کے وہی اسماء لئے ہیں جو بخاری شریف کے حاشیہ پر اسماء الرجال کے کالم میں بتائے گئے ہیں اس لئے قطعاً مطمئن رہیں کیونکہ ہمارے علم میں ہے کہ کچھ لوگ اپنی تحقیق پیش کرتے ہوئے ایک ہی نام کے کئی راوی ہونے کا پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے ثقہ حضرات کو بھی غیر ثقہ اور ضعیف بنا کر پیش کرتے ہیں البتہ ہم نے یہ ضرور کیا ہے کہ ناقدین کی محض وہی آراء نقل کی ہیں جن میں راوی کے عیوب بتائے گئے ہیں کیونکہ پوری پوری بحث درج کرنے سے ایک نئی کتاب بن جانے کا قوی احتمال ہے ملاحظہ فرمائیں۔

روایت نمبر ایک اور دو میں دوسرے بنیادی راوی ابن شہاب زہری کے تلمیذ معمر ہیں جنہیں اسماء الرجال میں معمر ابن راشد بتایا گیا ہے ان کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ثقہ لوگوں میں ہیں ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان کی بصرہ کی

روایات میں غلطیاں ہیں اور ثابت سے ضعیف روایتیں بیان کرتے ہیں۔
ملاحظہ فرمائیں۔

معمر بن راشد احد الا علام الثقات له او هام معروفة
احتملت له فی سعة ما اتقن قال ابو حاتم صالح
الحدیث و ما حدث بهی البصرة ففیه اغا لیط قال
معمر عن ثابت ضعیف۔

﴿میزان الاعتدال ج ۴ ص ۱۵۴ ذہبی﴾

پہلی روایت میں اس کے بعد محمود ابن غیلان ہے میزان الاعتدال میں اس نام کا کوئی شخص نہیں صرف ابن غیلان ہے اور وہ بھی صرف ایک ہی راوی اس کے متعلق لکھا ہے ابن غیلان قال ابو زرعۃ۔ مجہول۔

﴿میزان الاعتدال ج ۴ ص ۵۹۴﴾

دوسری روایت میں اسحق بن ابراہیم ہیں جنہیں بخاری کے حاشیہ پر ابن نصر لکھا ہے میزان الاعتدال میں ابن نصر کوئی اسحٰق بن ابراہیم نہیں ہے البتہ ایک ابوالنضر دمشقی ہیں اور وہ ثقہ ہیں لیکن ابن نصر اور ابوالنضر میں صرف نقطے کا ہی فرق نہیں ابن اور ابو کا بھی ہے۔

روایت میں اسحٰق بن ابراہیم عن عبدالرزاق ہے لہٰذا گمان ہے کہ یہ الدبری ہیں چنانچہ میزان میں ہے کہ یہ شخص عبدالرزاق کا شاگرد ضرور ہے اور ان کی تصانیف کا سماع کیا ہے لیکن یہ عبدالرزاق سے منکر حدیثیں بیان

کرتا ہے اور ان میں تردد پایا جاتا ہے۔

متن ملاحظہ ہو۔

اسحق بن ابراهيم الدبري صاحب عبد الرزاق ما كان الرجل صاحب حديث و انما اسمعه ابوه واعتنى به سمع عبد الرزاق تصانيفه ﴿الخ﴾ لكن روى عن عبد الرزاق احاديث منكرة ووقع التردد فيها۔

﴿میزان الاعتدال جلد اول ص ۱۸۱﴾

پہلی اور دوسری روایت میں معمر کے بعد بعد الرزاق کا نام ہے اور یہ عبد الرزاق ابن ہمام ہیں حفاظ حدیث میں آپ کا مقام نہایت ارفع ہے لیکن ان کی روایات بھی اغلاط سے مبرا نہیں چنانچہ امام نسائی لکھتے ہیں۔

کہ وہ منکر حدیثیں روایت کرتے ہیں اور ان کا آخر پر لکھا ہوا کلام محل نظر ہے۔

ابن عدی کہتے ہیں کہ ان کی فضائل میں لکھی ہوئی روایات پر کسی نے موافقت نہیں کی اور دوسروں نے ان کا انکار کیا ہے اور ان کی شیعوں کی طرف بھی نسبت دی جاتی ہے دار قطنی کہتے ہیں کہ ثقہ ہیں لیکن معمر کی حدیثوں میں غلطی کرتے ہیں۔

محدثین نے اور بھی ان کے متعلق بہت سخت کلام کیا ہے جسے چھوڑ دیا جاتا ہے جو کچھ بتایا گیا ہے اس کا عربی متن ملاحظہ ہو اور یہ یاد رکھیں کہ یہ

روایت انہوں نے معمر ہی سے بیان کی جس کے متعلق دار قطنی کہتے ہیں کہ معمر کی روایت میں غلطی کرتے ہیں۔

وقال النسائی فیه نظر لمن کتب عنه با خرة روی عنه احادیث مناکیر وقال ابن عدی حدث با احادیث فی فضائل لم یوافقه علیها احد و شالب لغیر هم مناکیر و نسبوه الی التشیع۔

وقال دار قطنی یخطی علی معمر فی احادیث۔

﴿میزان الاعتدال ص ۶۱۰﴾

تیسری روایت میں آخری راوی اسحٰق ہیں جنہیں اسماء الرجال میں اسحٰق بن راہویہ بتایا گیا ہے ان کے متعلق ابوعبید آجری کہتے ہیں کہ میں نے ابوداؤد سے سنا کہ اسحٰق بن راہویہ کا حافظہ موت سے پانچ ماہ پہلے بدل گیا تھا بن حجاج کہتے ہیں کہ آخری عمر میں ان سے روایات غلط سلط ہو جاتی تھیں۔

قال ابو عبید الآجری سمعت ابو داؤد یقول اسحق بن راهویه تغیر قبل ان یموت بخمسه اشهر وذکر لشیخنا ابی الحجاج حدیث فقال قبل اسحق اختلط فی آخر عمره۔

﴿میزان الاعتدال ج ۱ص ۱۸۳﴾

چوتھی روایت کے آخری راوی ابوالیمان جن کا نام الحکم بن نافع ہے اور شعیب بن ابی حمزہ سے ہی روایت کرتے ہیں جو نہایت شان کے

مالک اور ثقہ تھے لیکن عجیب بات یہ ہے کہ ابوالیمان کہتے ہیں کہ خبر دی ہم کو شعیب نے حالانکہ شعیب کے بیٹے بشر جو خود بھی حافظ حدیث ہیں فرماتے ہیں کہ ابوالیمان ہمارے گھر والدِ محترم کی وفات کے بعد آئے اور ان کی کتابوں کو دیکھا تو ان کے لئے کیسے جائز ہے کہ وہ کہیں مجھے خبر دی شعیب نے۔

امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ ابوالیمان کا یہ کہنا کہ مجھے خبر دی شعیب نے اور مجھے ان سے اجازت ہے عجیب بات ہے ابوزرعہ کہتے ہیں ابوالیمان نے شعیب سے صرف ایک حدیث سنی ہے اب اگر ایک شخص کسی آدمی کو ملے بغیر یہ کہے کہ میں نے اُس سے یہ بات سنی ہے تو اس کا روایات بیان کرنے میں کیا مقام ہوگا یہ خود اندازہ کریں اور ان اقوال کا عربی متن ملاحظہ فرمائیں جن کا ترجمہ ہم پیش کر چکے ہیں۔

قال بشر بن شعيب جاء الي ابو اليمان بعد موت ابي فاخذ كتاب و الساعة يقول اخبرنا شعيب فكيف يستحل هذا وروى الاثرم عن احمد قال كان ابو اليمان يقول اخبرنا شعيب و استجازه ذالك بشي عجيب ابو داود حدثنا محمد بن عوف قال لم يسمع ابو اليمان من شعيب الا كلمة۔وقال سعيد البردعي سمعت ابو زرعة يقول لم اسمع ابو اليمان من

شعیب الا حدیث واحد۔

﴿میزان الاعتدال ج۱ ص۵۸۴﴾

پانچویں روایت میں زہری کے بعد محمد بن حفصہ ہیں ابن معین نے پہلے انہیں ثقہ لکھا ہے پھر صالح اور پھر کہا کہ یہ کمزور ہے اور آخر پر فرمایا کہ یہ ضعیف ہے نسائی کہتے ہیں کہ ضعیف الحدیث ہے ابن عدی کہتے ہیں ضعیف لوگوں کی روایت بیان کرتا ہے۔ متن ملاحظہ ہو۔

محمد ابن ابی حفصة البصری عن الزهری فیه شی ولهذا وثقه ابن معین مرة وقال مرة صالح وقال مرة لیس بالقوی وقال مرة ضعیف وقال النسائی ضعیف الحدیث وقال ابن عدی هو من ضعفا الذین یکتب حدیثهم۔

﴿میزان الاعتدال ج۳ ص۵۲۵﴾

پانچویں روایت کے آخری راوی سُلیمان بن عبد الرحمٰن ہیں جن کے متعلق ابو حاتم لکھتے ہیں کہ وہ سچے تھے لیکن مجہول اور ضعیف لوگوں سے بھی روایت بیان کرتے تھے اور وضعی حدیثوں کا نہ فہم رکھتے تھے اور نہ ہی ان میں تمیز کر سکتے تھے دار قطنی کہتے ہیں کہ ان کے نزدیک منکر اور ضعیف روایات بھی ثقہ ہیں ابوداؤد کہتے ہیں کہ وہ غلطیاں کرتے تھے جیسے دوسرے لوگ کرتے ہیں لیکن ہشام بن عمار سے بہتر تھے۔ متن ملاحظہ ہو۔

وقال ابو حاتم صدوق الا انه من اروی الناس عن

ضعفاء والمجهولین وهو فی حدثوا ان رجلا وضع له

حدیثا لم یضهم وکان لا یمیز قال الدار قطنی ثقة

عنده منا کیر عن الضعفاء قال ابو داود هو یخطی

کما یخطی الناس وهو خیر من هشام بن عمار۔

﴿میزان الاعتدال ج۲ ص۴۴۳﴾

چھٹی روایت میں ابنِ شہاب زہری کے بعد یونس ہیں رجال

بخاری کے مطابق ان کا نام یونس بن یزید ایلی ہے ابن سعد کہتے ہیں کہ اس

کی بات حجت نہیں وکیع کہتے ہیں کہ حافظہ کمزور تھا جیسا کہ امام احمد بن حنبل

نے انکی روایت کا انکار کیا ہے آثرم کہتے ہیں کہ امام احمد نے ان کو ضعیف کہا

ہے متن ملاحظہ ہو۔

یونس بن یزید الایلی صاحب الزهری شذ ابن

سعد فی قوله لیس بحجة وشذ وکیع فقال سیئ

الحفظ و کذا استنکر له احمد بن حنبل احادیث

وقال الأثرم ضعف احمد امر یونس۔

﴿میزان الاعتدال ج۴ ص۴۸۴﴾

بخاری شریف کی دوسری روایات جو حدیثِ صحاح کے متعلق ہیں

کہ راوی حسب ذیل ہیں۔

پہلی روایت میں ﴿۱﴾ مسدد ﴿۲﴾ یحییٰ ﴿۳﴾ سفیان ﴿۴﴾ عبدالملک بن عمیر ﴿۵﴾ عبداللہ بن حارث ﴿۶﴾ عباس بن عبدالملک

اس روایت کے چوتھے راوی عبدالملک بن عمیر کے متعلق اگر چہ وہ ثقہ تھے لیکن طویل عمر ہونےکی وجہ سے حافظہ کمزور ہوگیا تھا ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ حافظ حدیث نہیں تھے اور ان کے حافظے میں تغیر آگیا تھا امام احمد بن حنبل کہتے ہیں کہ وہ ضعیف ہیں اور غلطیاں کرتے تھے ابن معین کہتے ہیں کہ روایات کو غلط ملط کرتے تھے۔ متن ملاحظہ ہو:۔

عبد الملك بن عمير اللخمي الكوفي الثقة ولكنه طال عمره وساء حفظه قال ابو حاتم ليس بحافظ تغير حفظه وقال احمد ضعيف يغلط وقال ابن معين مخلط

﴿میزان الاعتدال ج۲ص ۶۶۲﴾

دوسری روایت کے راوی یہ ہیں،

عبداللہ بن یوسف لیث ابن الہاد عبداللہ بن خباب ابو سعید خدری۔

اس میں تیسرے راوی ابن الہاد ہیں جن کا نام یزید اللیثی ہے ابن معین کہتے ہیں کہ صالح ہیں اور ابو حاتم کہتے ہیں کمزور ہے۔ متن ملاحظہ ہو۔

عن ابن معين صالح وقال ابو حاتم ليس بقوي

﴿میزان الاعتدال ج۴ص ۴۳۰﴾

اسی روایت کے راوی لیث ابن سعد ہیں اگرچہ بلا نزاع ثقہ ہیں تاہم سماع حدیث میں تساہل پسند تھے۔

وقال یحییٰ بن معین کان یتساهل فی الشیوخ و السماع۔

﴿میزان الاعتدال ج ۳ ص ۴۲۳﴾

اسی روایت کے پہلے راوی عبداللہ بن یوسف ہیں بخاری کے حاشیہ پر دیئے گئے اسماء رجال میں ان کو تینیسی بتایا گیا ہے جو بخاری کے اساتذہ میں سے ہیں اور ثقہ ہیں لیکن لیث ابن سعد سے روایت کرنے والے جو عبداللہ ابن یوسف ہیں وہ لائق اعتماد نہیں ملاحظہ ہو۔

عبد اللہ بن یوسف عن اللیث لیس بمعتمد۔

﴿المیزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۲۸﴾

بخاری کی آخری روایت کے راویوں میں یزید ابن الہاد اللیثی ہیں جن کے متعلق ابو حاتم لکھتے ہیں لیس بالقوی دیگر حضرات کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جاتا ہے۔

بخاری کی تمام روایات تمام ہوئیں جن کی صحت پر اندھا دھند اعتماد کرتے ہوئے ان کے برعکس آنیوالی روایات کو قطعی طور پر نا قابل التفات سمجھا جاتا ہے۔

اکلوتی روایت

اب ترمذی شریف کی اکلوتی روایت کے متعلق ملاحظہ فرمائیں جس کے متعلق خود امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس روایت کے راوی یزید بن کیسان کو ہم نہیں جانتے کسی راوی کے متعلق کسی محدث کا یہ کہہ دینا بہر صورت کافی ہوتا ہے تاہم ان کا نام اسماء الرجال میں یزید بن کیسان الیشکری الکوفی ہے اور ابی حازم اشجعی سے روایت کرتے ہیں ابو حاتم کہتے ہیں کہ ان سے روایت نہیں لی جاتی یحییٰ بن سعید قطان کہتے ہیں کہ لائق اعتماد نہیں۔ متن ملاحظہ ہو۔

قال ابو احاتم لا یحتج بہ وقال سعید القطان ھو
صالح وسط لیس ممن یعتمد علیہ

﴿میزان الاعتدال ج ۴ ص ۴۳۹﴾

اس روایت کے آخری راوی بندار ہیں اور اس نام کے صرف یہی ایک راوی ہیں ان کا پورا نام بندار بن عمر ہے اور اسے کذاب بتایا گیا ہے ملاحظہ ہو۔

بندار بن عمر قال نخشبی کذاب

﴿میزان الاعتدال ج ۱ ص ۳۵۲﴾

یہ روایت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے شروع ہوتی ہے

جن کے متعلق بالوضاحت بتا چکے ہیں کہ آپ حضرت ابوطالب کی وفات کے وقت نہ تو اسلام لائے تھے بلکہ یمن میں تھے اور اگر آپ نے یہ روایت کسی سے سماعت فرمائی تھی تو اس کا نام روایت میں موجود نہیں لہٰذا یہ روایت منقطع بھی ہے اور اس کے راویوں میں کذاب اور غیر معتبر لوگ بھی ہیں۔

مُسلم شریف میں حدیث ضحضاح کے راویوں کی ترتیب میں معمولی سافرق ہے چنانچہ ان کے متعلق بھی وضاحت پیش خدمت ہے۔

ایک روایت کے راوی ہیں عبید اللہ بن عمر قواریری محمد بن ابی بکر مقدمی، محمد بن عبد الملک اموی، ابوعوانۃ، عبد الملک بن عمیر، عبد اللہ بن حارث، عباس بن عبد المطلب تیسرے راوی محمد بن عبد لملک ہیں جن کا پورا نام محمد بن عبد الملک بن مروان بن الحکم ہے مروان کی نسل ہونے کے علاوہ ان کے متعلق آتا ہے کہ محکم عقل کے مالک نہیں تھے، متن ملاحظہ ہو۔

وقال ابو داؤد لم یکن بمحکم العقل۔

﴿المیزان الاعتدال ج ۳ ص ۶۳۲﴾

پانچویں راوی عبد الملک بن عمیر کے متعلق آپ کے پہلے جان چکے ہیں کہ انکا حافظہ متغیر ہو چکا تھا اور روایات کو خلط ملط کرتے تھے مسلم شریف کی دوسری روایت میں بھی یہی عبد الملک بن عمیر بن اُسامۃ بصرہ سے گریز کیا جاتا ہے۔

تیسری روایت میں ابن الہاد ہیں جن کا ذکر آپ پڑھ چکے ہیں

چوتھی روایات بھی ایسی ہی ہے کیونکہ اس کے پہلے راوی ابوبکر ابن شیبہ ہیں جن کا پورا نام عبدالرحمٰن بن عبدالملک بن شیبہ ہے حاکم لکھتے ہیں کہ ان میں متانت نہیں تھی۔ ابوبکر بن ابی داؤد لکھتے ہیں کہ کہ وہ ضعیف ہے ملاحظہ ہو۔

قال ابو احمد الحاکم لیس بالمتین عند هم وقال
ابو بکر بن ابو داؤد ضعیف۔

﴿المیزان الاعتدال ج ۲ ص ۵۷۵﴾

زور ٹوٹ گیا

بُخاری، مُسلم، ترمذی جنہیں صحاح کے نام سے یاد کیا جاتا ہے کی روایات کا زور ٹوٹ چکا ہے اب تفاسیر اور کُتب سیر میں آنے والی دو چار روایات ہیں جن میں نصف منقطع بھی ہیں اور محدثین کے نزدیک مجروح بھی اور نصف کے راویان کرام بھی ایسے ہی ثابت ہوئے ہیں جن کی تصویر آپ دیکھ چکے ہیں۔

اسا بکی ایک روایت میں فضل بن دکین ہیں جن کے متعلق لکھا ہے کہ وہ شیعہ تھے لیکن غلو اور گالی سے بچے ہوئے تھے نیز لکھا ہے کہ جب انسانوں کا ذکر کرتے تھے تو جید تھے اور جب دوسری باتیں ہوتیں تو شیعہ تھے ملاحظہ ہو۔

قال ابن الجنید سمعت ابن معین یقول کان اذا ذکر
انسان فقال هو جید والثنیٰ علیه فهو شیعی ذہبی کہتے

ہیں:۔ حافظ حجۃ الا انہ یتشیع من غیر غلو و سب،

ھم ینھون ، والی روایت تفاسیر وغیرہ ہی میں ہے اور اس کے راویوں میں بھی عبدالرزاق ہیں جن کے متعلق تفصیلاً عرض کیا جاچکا ہے یہ بحث بھی کافی طویل ہو چکی ہے اور انشاء اللہ ہمیں اُمید ہے کہ اصحاب فہم و فراست اب ان لائنوں پر حضرت ابو طالبؓ کے متعلق غور فرمائیں گے جنہیں ہم نے نہایت دیانتداری اور خلوص سے آپ کے سامنے پیش کیا ہے آپ یقین جانیں کہ اچھے لوگوں کو اچھے لفظوں سے یاد کرنا خسارے کا سودا نہیں۔

دعا فرمائیں اللہ تعالیٰ میری اس محنت و کاوش کو منظور و مقبول فرمائے اور قیامت کے دن اچھے لوگوں کا ساتھی بنائے اور سایۂ دامان مصطفےٰ نصیب فرمائے ﴿آمین ثم آمین﴾

وما علینا الا البلاغ المبین

ملتمس بالخیر

نیاز آگیں

صائم چشتی

تتمّہ و تکملہ

خداوندِ بزرگ و برتر جلّ و علیٰ کی عنایت و مہربانی اور حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحمت و نوازش سے "عیون المطالب فی نجات ایمان ابی طالب" پایۂ تکمیل تک پہنچ چکی ہے۔

چند مزید گزارشات پیشِ خدمت ہیں۔

اوّل یہ کہ ہم نے کتاب ہٰذا کی جلد اوّل میں عباسی ملعون کی عبارت نقل کرتے وقت وضاحت کی تھی کہ اس کے تمام تر فرضی شاخسانے میں صرف ایک حوالہ "انساب الاشراف" بلاذری کا ہے جس کو قطع برید کر کے اس نے حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کفالت و پرورش کا سہرا بجائے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دوسرے سگے تایا جناب زبیر کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے مگر یہ حوالہ بھی لاتقربوا الصلوٰۃ کی طرح سیاق و سباق کو منقطع کرتے ہوئے پیش کیا گیا ہے چنانچہ عباسی کی من گھڑت اور وضعی کہانی کو صد فی صد جھوٹ ثابت کرنے کے لئے

انساب الاشراف کی پوری عبارت پیش کی جاتی ہے۔

بلاذری کی پوری عبارت یہ ہے

جب حضرت عبدالمطلبؑ کا وقت احتضار آیا تو آپ نے اپنے بیٹوں کو بلا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق وصیت فرمائی۔

حضرت زبیر بن عبدالمطلبؑ اور حضرت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے والد گرامی حضرت عبداللہ کی والدہ ماجدہ اور والد گرامی ہر دو کی طرف سے سگے بھائی تھے چنانچہ آپ کی کفالت و پرورش کے لئے دونوں بھائیوں زبیر اور ابو طالب کے درمیان قرعہ اندازی کی گئی تو قرعہ بنام عاشقاں یعنی حضرت ابو طالب کے نام نکلا اور حضور رسالتماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت ابو طالب کے زیر کفالت آ گئے۔

دوسری روایت کے مطابق اس طرح ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ نے حضور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس امر کا اختیار دے دیا تھا کہ آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ کس چچا کی کفالت میں رہنا پسند کرتے ہیں چنانچہ حضور سرور کائنات علیہ تحیۃ والتسلیمات نے جناب زبیر پر حضرت ابو طالبؑ کو ترجیح دی اور اس کی خاص وجہ یہ ہے کہ حضرت ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر دوسرے چچاؤں کے مقابلہ میں زیادہ مہربان اور شفیق تھے۔

ایک روایت اس سلسلہ میں یہ بھی آئی ہے کہ حضرت عبدالمطلبؑ

نے خود ہی آپؐ کو حضرت ابو طالب کی کفالت میں دے کر بہتر طریقہ پرورش کرنے کی وصیت فرمائی تھی۔

علاوہ ازیں بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پرورش پہلے جناب زبیر نے کی تھی پھر جب ان کا انتقال ہو گیا تو آپؐ حضرت ابو طالب کے زیرِ کفالت آ گئے اور یہ بات غلط ہے کیونکہ حضرت زبیر "حلف الفضول" کے زمانہ میں بقید حیات تھے اور اگر یہ جان لیا جائے کہ حلف الفضول کے وقت حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک بیس سال سے زیادہ تھی تو علماء کرام کے درمیان کوئی اختلاف نہیں رہتا کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس وقت حضرت ابو طالب کے ہمراہ شام کے سفر کو تشریف لے گئے تھے جب حضرت عبدالمطلب کے انتقال مبارک کو پانچ سال بھی پورے نہیں ہوئے تھے حق تبصرہ بحق قارئین محترم ملاحظہ ہو۔

ولما احتضر عبدالمطلب جمع بنيه فاو صاهم برسول الله صلى الله عليه وآله وسلم وكان زبير بن عبدالمطلب وابو طالب اخوي عبدالله لامه وابيه، وكان الزبير، فاقترع القرعة اليهما يكفل رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم فاصابت القرعة فلعذعه اليه، ويقال بل اعطاه رسول الله صلى الله عليه وآله

وسلم علی الزبیر وکان الطف عمیه به ویقال بل

اوصاه عبدالمطلب بان یکفله بعده

وروی بعضهم ان الزبیر کفل النبی صلی اللّٰه علیه

وآلہٖ وسلم "حتی مات ثم کفله بعده، وذالك غلط

لان الزبیر شهد حلف الفضول ولرسول لویرئ یعف

و عشرون سنة لا اختلاف بین العلماء فی ان شخوص

رسول صلی اللّٰه علیه وآلہٖ وسلم الی الشام معه ابو

طالب بعد موت عبدالمطلب باقل من خمس سنون

﴿انساب الاشراف للبلاذری ج ا ص ۸۵﴾

فتوے پر فتویٰ

جیسا کہ ہم متعدد بار قارئین پر یہ انکشاف کر چکے ہیں کہ حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے ایمان کے خلاف امام بخاری کی جمع کردہ تمام تر روایات امام ابنِ شہاب زہری کی اپنے فہم سے ترتیب دی ہوئی اور بیان کی ہوئی ہیں اور یہ بھی وضاحت کی جا چکی ہے کہ امام زہری کی بیان کردہ روایات اکثر طور پر منقطع اور مُرسل بھی ہوتی ہیں اور ترتیب دیتے وقت گھپلا بازی کا بھی شکار ہو جاتی ہیں اور انہیں امام بخاری نہایت فراخدلی سے قبول بھی فرما لیتے ہیں اور ان کی توثیق بھی کرتے ہیں اور اکثر طور پر اپنے اجتہاد کی بنیاد بھی امام زہری ہی کے فتووں کو بناتے ہیں۔

چُنانچہ اس سلسلہ کی آخری کڑی کے طور پر درج ذیل ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں جس میں آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ جناب ابنِ شہاب الزہری حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا درست اوراق نہ کر سکنے کی وجہ سے تمام آئمہ سلف سے کس طرح کٹ کر رہ گئے ہیں۔ مگر باوجود اس کے امام بخاری اُن کے ساتھ اپنے والہانہ عشق پر مہر عقیدت ثابت کرتے ہوئے اُن کے غلط اور نادرست تخیّل کو صحیح وصواب مان کر سرِ تسلیم خم کر دیتے ہیں اور محض ان کی روح کو خوش کرنے کے لئے حدیث کا وہ باب مقرر کرتے ہیں جو منشائے رسول کے سراسر خلاف ہے ملاحظہ ہو۔

قبل از دباغت مُردہ جانور کی کھالوں کا باب

راویانِ حدیث، زہیر بن حرب، یعقوب بن ابراہیم، ابی صالح عبید اللہ بن عبداللہ سے ابن شہاب زہری حدیث بیان کرتے ہیں کہ انہیں خبر دی حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک مُردہ پڑی ہوئی بکری کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ تم نے اس سے کیوں نفع نہیں اٹھایا؟ لوگوں نے عرض کیا کہ یہ تو مری ہوئی ہے آپ نے فرمایا کہ اس کا کھانا حرام ہے۔ متن ملاحظہ ہو،

حدثنا زهير ابن حرب حدثنا يعقوب بن ابراهيم ،

حدثنا ابی عن صالح

حدثنی ابن شہاب عن عبید اللہ بن عبد اللہ

اخبرہ ان عبد اللہ ابن عباس اخبرہ ان رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مرہ بشارۃ میتتہ فقال ہلا

استمتعتم باھابہا قالوا انہا میتتہ قال انما حرم اکلہا

﴿بخاری شریف ج ا ص ۲۹۶، باب جلود المیتۃ قبل ان تدبغ﴾

زہری کیا فرماتے ہیں

تیسیر الباری شرح بخاری میں علامہ شاہ نور الحق محدث دہلوی فرماتے ہیں کہ جناب زُہری نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ مردہ جانور کی کھال سے مطلق طور پر بغیر دباغت کے نفع حاصل کرنا بھی جائز ہے حالانکہ دوسری احادیث میں مردہ جانور کی کھالوں سے نفع حاصل کرنے کو ان کی دباغت کے ساتھ مقید و مشروط کیا گیا ہے اور یہ ظاہر امر ہے کہ زہری قید دباغت کی حدیث کو نہیں پہنچا سکتی ہے۔

زہری اخذ کردہ است بایں حدیث انتفاع پوست

مُردہ مطلقاً بے دباغت لیکن در احادیث دیگر مقید شدہ

است بدباغت وظاہرا بہ زہری نہ رسیدہ است حدیث

قید بدباغت۔

﴿تیسیر الباری شرح بخاری ج ۲ ص ۲۸۹، مطبوعہ دہلی﴾

امام بخاری امام زہری کی اقتداء میں

یہ قول کہ کیوں نہ نفع اٹھایا اس میں اس بات پر دلیل ہے کہ مردہ جانور کی کھال سے نفع حاصل کیا جائے اور یہ نفع ٹھہراتے کھانے کے ہے اور نہ کھانا عام ہے بالمقابل اس کی بیع وغیرہ کے۔

بظاہر یہ جواز برابر ہے کہ مُردہ کے چمڑہ کی دباغت کی جائے یا نہ کی جائے اور یہی مذہب زہری کا ہے اور اسی مذہب کو بخاری نے اختیار کیا اور اس مفہوم کو دلیل بنایا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف مُردہ جانور کو کھانا حرام فرمایا ہے۔

چنانچہ امام بخاری اور امام زہری کی یہ بات اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ کھانے کے سوا مُردہ جانور کی ہر چیز مباح ہے جیسا کہ عینی اور فتح الباری میں بیان کیا گیا ہے۔

قوله هلا استمتعم ، فيه ترجمة لانه يدل انه ينتفع بجلد الميتة والانتفاع بغير الاكل وغير الاكل اعم من ان يكون بالبيع وغيره وظاهره جواز الانتفاع به سواء دبغ اولم يدبغ وهو مذهب الزهري وكان البخاري ايضاً اختار هذا المذهب وحجة مفهوم قوله صلى الله عليه وآله وسلم انما حرم اكلها فانه يدل على ان كل ماعدا اكلها مباح كذافي العيني والفتح۔

﴿حاشیہ بخاری ج ا ص ۲۹۶﴾

آج کے مقتدی

ایک طبقہ آج کل بڑی شدومد سے اس امر کا دعوے دار ہے کہ وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث پر عمل کرتا ہے اور کسی بڑے سے بڑے فقیہ و مجتہد یا امام کو اس قابل نہیں سمجھتا کہ اس کی تقلید کی جائے۔

اگر ہم نے اس طبقہ پر باقاعدہ تبصرہ شروع کر دیا تو بات یقیناً بہت دور نکل جائے گی اس لئے صرف اپنے قارئین کرام پر یہ انکشاف کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ ان لوگوں کا یہ دعویٰ سراسر باطل ہے کہ وہ کسی کی تقلید نہیں کرتے۔

یہ لوگ مقلد ہیں

بظاہر تو یہی خیال کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ لوگ کسی کی تقلید گوارا نہیں کرتے اس لئے فی الواقع یہ غیر مقلد ہیں مگر بباطن یہ لوگ اکثر و بیشتر مسائل میں حضرت امام بخاری کے اجتہادات پر عمل کرتے ہیں اور یہی تقلید ہے لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ آخر انہیں اس کذب سرائی سے حاصل کیا ہوگا کہ ہم کسی کے مقلد نہیں۔

یہی مسئلہ لے لیجئے

ان لوگوں کا دعویٰ کہ یہ براہ راست حدیث مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم پر عمل کرتے ہیں غلط ہے کیونکہ ان لوگوں کا پورا مذہب مزعومہ صحاح ستّہ
کی رواتیوں میں بالعموم اور بخاری شریف میں آنے والی روایات میں
بالخصوص محصور ومحبوس ہے حالانکہ۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

انہی کے مطابق امام بخاری کو تین لاکھ یا ایک لاکھ صحیح احادیث یاد
تھیں لیکن انہوں نے مکررات کو چھوڑ کر بخاری شریف میں صرف ڈھائی ہزار
کے قریب احادیث جمع فرمائی ہیں۔

کیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ انہوں نے جس مخصوص عقیدہ کی بنیاد
رکھنا چاہی تھی اس کے لئے مخصوص قسم کی روایات کو تلاش کیا اور کتابی صورت
میں جمع کر دیا اور کمال تو یہ ہے کہ ان کو اپنا اجتہادی مشن پورا کرنے کے لئے
اگر حسب ضرورت روایات میسر نہیں آئیں تو اس کے لئے بلا مقصد ہی باب
مقرر فرما رکھے ہیں اور غیر مقلد ہونے کے دعویداران کی تقلید میں اس طرح
اندھا دھند گرفتار ہیں کہ اپنے سر پیر کا بھی ہوش نہیں۔

زیب عنوان روایت ہی کو لے لیجئے امام زہری اور امام بخاری
حدیث مصطفےٰ علیٰ صاحبہا علیہ الصلوٰۃ والسلام کا درست مطلب نہ سمجھ سکنے کی
بناء پر یہ فیصلہ دے گئے ہیں کہ مُردہ جانوروں کو کھانے کے علاوہ ہر طریقہ
سے نفع حاصل کرنے کا ذریعہ بنایا جا سکتا ہے اور اسی فتوٰی کو بظاہر غیر مقلد
اور بباطن تقلید بخاری میں گرفتار لوگ اپنے عقیدہ کی جان متصوّر کئے
ہوئے ہیں۔

پسند اپنی اپنی

اب اگر ہمارے لائق صد احترام خالص رضوی بزرگ اجازت دیں تو انہیں زیرِ آیت " انک لا تھدی " وہ تفسیر پیش کریں جو اعلیٰ حضرت عظیم البرکت شاہ احمد رضا خاں کے ترجمہ قرآن پر شاہ نعیم الدین مراد آبادی کے حاشیہ کی صورت میں موجود ہے آپ فرماتے ہیں۔

شان نزول

مُسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ آیت حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حق میں نازل ہوئی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے ان کی موت کے وقت فرمایا، اے چچا کہو لا الہ الا اللہ، میں تمہارے لئے روز قیامت شاہد ہوں گا انہوں نے کہا کہ اگر مجھے قریش سے عار دینے کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں ضرور ایمان لا کر تمہاری آنکھیں ٹھنڈی کرتا اس کے بعد انہوں نے یہ شعر پڑھے۔

ولقد علمت بان دین محمد

من خیر ادیان البریۃ دینا

لولا الملامۃ او حذار سبۃ

لوجدتنی سمحا بذاک مبینا

یعنی میں یقین سے جانتا ہوں کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ

وسلم کا دین تمام جہانوں کے دین سے بہتر ہے، اگر
ملامت و بدگوئی کا اندیشہ نہ ہوتا تو میں نہایت صفائی
کے ساتھ اس دین کو قبول کرتا۔

اس کے بعد ابو طالب کا انتقال ہو گیا اس پر یہ آیت کریمہ نازل
ہوئی۔

﴿قرآن مجید مترجم اعلیٰ حضرت حاشیہ شاہ نعیم الدین مراد آبادی ص ۵۶۷﴾

شانِ نزول بدل لیجئے

یہی بزرگ یعنی حضرت مولانا سید نعیم الدین مراد آبادی زیر آیت
"ماکان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا للمشرکین"
جناب سیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا کے متعلق صفائی پیش کرتے ہوئے
فرماتے ہیں بلکہ بخاری کی حدیث سے یہی ثابت ہے کہ ابو طالب کے لئے
استغفار کرنے کے باب میں یہ حدیث وارد ہوئی ہے۔

کیا سمجھے؟

منقولہ بالا دونوں آیات کی تفسیر میں جو واضح ترین فرق موجود ہے
وہ یقیناً اہلِ علم قارئین سے مخفی نہیں رہا ہوگا۔

صدر الافاضل رحمۃ اللہ علیہ نے آیتِ کریمہ "انک لا تھدی من
احببت" کی تفسیر کرتے ہوئے حضرت ابو طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی

وفات کے موقع کی تو روایت بیان کی لیکن اس روایت سے مختلف ہے جس کا حوالہ آپ نے سورۂ توبہ کی آیت "ما کان للنبی والذین آمنوا" کے تحت دیا ہے یعنی پہلے آپ نے مسلم شریف کے حوالہ سے اس حدیث سے استفادہ کر لیا جس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جناب ابوطالب نے عار کی وجہ سے کلمہ نہ پڑھا اور اسی مفہوم کا شعر پڑھنے کے بعد آپ کا وصال ہو گیا۔

مگر آیت کریمہ "ما کان للنبی والذین آمنوا ان یستغفروا" کی تفسیر کرتے ہوئے آپ بخاری شریف کی اس حدیث کا حوالہ دے رہے ہیں جس میں ہے کہ حضرت ابوطالب کے موت سے قبل آخری الفاظ یہ تھے کہ میں ملت عبدالمطلب پر فوت ہو رہا ہوں چونکہ مسلم شریف کی روایت میں حضرت ابوطالب کے حق میں صرف ایک ہی آیت "انک لا تھدی" کا تذکرہ ہے اس لئے آپ کو دوسری آیت کو ان کے حق میں ثابت کرنے کیلئے مجبوراً دوسری روایت سے رجوع کرنا پڑا۔

اب قارئین خود ہی فیصلہ کریں کہ ان دونوں روایات میں سے کسی ایک کے حق میں ووٹ دینا پسند کرتے ہیں یا دونوں کو ہی متضاد ہونے کی وجہ سے محل نظر سمجھتے ہیں۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

اعتذار

خیال تھا کہ مشائخ عظام اور علمائے کرام کی کتاب ہذا پر لکھی ہوئی تقاریظ کا کچھ حصہ جلد دوم میں بھی شامل کر دیا جاتا مگر مضامین کا سلسلہ اس قدر دراز تھا کہ کتاب کی ضخامت ۷۷۰ صفحات ہوگئی اور ہدیہ بھی زیادہ ہوگیا لہٰذا مزید گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے میں اپنے ان تمام کرم فرماؤں کا معذرت کے ساتھ شکر گزار ہوں جنہوں نے حضرت ابو طالب رضی اللہ عنہ کے اثبات ایمان پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اپنی آراء اور محبت ناموں سے نوازا خاص طور پر محترم جناب حضرت پیر سید محمد امین شاہ صاحب نقوی اچوی فیصل آباد عالی قدر حضرت پیر سید علی احمد شاہ صاحب سجادہ نشین آستانہ عالیہ حضرت دائم الحضوری قصور،

والا قدر عالی مرتبت پیر سید خورشید الحسن شاہ صاحب نارووال کا سپاس گزار بھی ہوں اور ان سے نادم بھی ہوں کہ ان کے جذبات و احساسات کتاب ہذا میں شامل نہ ہوسکے انشاء اللہ العزیز جلد ہی دوسرے ایڈیشن میں مزید صفحات بڑھا کر بھی ان حضرات کے ساتھ دیگر مشائخ اور علماء کی چند تقاریظ کو شامل کر دیا جائے گا یہاں پر کتاب ہذا کے پہلے ایڈیشن میں طبع شدہ وہ تقاریظ جو جلد اول میں شامل نہ ہوسکیں ہدیہ ناظرین ہیں۔

اقتباسِ تقریظ

محترم جناب علامہ حامد الوارثی صاحب مدظلہ العالی فیصل آباد

قادرِ مطلق، خالق کبریا جل وعلا شانہٗ اپنے بندوں پر نہایت مہربان ہے وہ نہیں چاہتا کہ میرا کوئی بندہ عذاب وعتاب میں گرفتار ہو البتہ وہ کبریا ہے اور کبریائی کو پسند کرتا ہے اس لئے چاہتا ہے کہ میرے بندے میرے دربار میں اظہارِ عبودیت کریں اور میں انہیں انعاماتِ کثیرہ اور عنایات و عطایات جلیلہ سے نوازوں۔

اس کی حکمتوں کو سمجھنا آسان نہیں اس لئے ضروری ہے کہ اس کے رحم وکرم اور الطاف وعنایات سے زیادہ وابستگی رکھی جائے اور نحس فکروں سے احتراز کیا جائے۔

ہمارے عظیم قومی شاعر، صاحب طرز ادیب اور باکمال انشاء پرداز جناب صائم چشتی ایک عرصہ سے نعت ومنقبت کی دلآویز صنف پر چھائے ہوئے ہیں وعظ کی مجالس، دین کی تقاریب، بزرگوں کے اعراس اور منبرو محراب اب آپ کے حسین وجمیل اور مؤثر ودلکش نغمات سے ہمہ وقت گونجتے رہتے ہیں نعت ومنقبت کا اتنا ذخیرہ شاید ہی کسی شاعر کے دامن خیال میں ہو اور یہ سب ممدوح دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا فیض ہے کسی شاعر کا قول ہے!

رُکتی ہے تو ہوتی ہے مری طبع رواں اور

مگر صائم چشتی کی طبع ہی کسی لمحہ رکتی ہے اور نہ قلم بلکہ وہ لکھتے ہی چلے جاتے ہیں منظومات میں شہرت نامہ حاصل کرنے کے بعد اب انہوں نے منثورات کو اپنی جولانگاہ فکر بنا لیا ہے اور لطف یہ ہے کہ سلسلہ منظومات بھی حسب سابق شد و مد سے جاری و ساری ہے گیارہویں شریف جیسی ضخیم بسوط اور مستند کتاب کی تالیف کے بعد اب وہ معرکۃ الآرا تصنیف ایمان حضرت ابوطالب مرتب و مدون فرما رہے ہیں جس میں معقولی اور منقولی دلائل ساطعہ اور براہین قاطعہ سے آپ نے ناظرین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے بے شمار کتب معتبرہ سے ایسے ایسے نقول اور ناقابل تردید حوالے نقل کئے ہیں کہ آپ کی کدو کاوش اور سعیٔ مشکور کی داد دیئے بغیر چارہ ہی نظر نہیں آتا۔

سچ تو یہ ہے کہ خاندان رسالتمآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے انہیں جو بے پناہ والہانہ عقیدت و محبت ہے اس کے اثر سے آپ اس بارے میں کسی غبار خیال تک کو برداشت اور گوارا نہیں کرتے۔

لکھتا ہوں اسدؔ سوزشِ دل سے سخن گرم

تا رکھ نہ سکے مرے حرف پہ کوئی انگشت

بعض انتہائی غلو اور تجاوز کرنے والوں کو کم از کم اتنا خیال ضرور کرنا چاہیے کہ ابوطالبؑ سید المرسلین امام المعصومین شفیع المذنبین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے محبوب ترین اور محترم عم بزرگوار ہیں اور حضور علیہ السلام کا رشتہ دنیاو

کتابیات

﴿۱﴾ القرآن والفرقان المجید
﴿۲﴾ ابن جریر، تفسیر
﴿۳﴾ ابن خلدون، تاریخ
﴿۴﴾ ابن کثیر، تفسیر
﴿۵﴾ ابن ماجہ، حدیث
﴿۶﴾ ابوداؤد، حدیث
﴿۷﴾ ابیات باہو، تصوف
﴿۸﴾ الاتقان، اصول تفسیر
﴿۹﴾ احکام شریعت
﴿۱۰﴾ احیاء العلوم الدین
﴿۱۱﴾ اخبار الاخیار
﴿۱۲﴾ الاستیعاب فی اسماء الاصحاب
﴿۱۳﴾ ارشاد الساری شرح بخاری
﴿۱۳﴾ اسد الغابہ فی معرفۃ
﴿۱۵﴾ اصح السیر، سیرت
﴿۱۶﴾ اسرار رموز، مثنوی
﴿۱۷﴾ اسنی المطالب فی تمییز الصحابہ
﴿۱۸﴾ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ
﴿۱۹﴾ الاصابہ فی تمییز الصحابہ
﴿۲۰﴾ اعجاز القرآن باقلانی
﴿۲۱﴾ اعلان بالتوبیخ
﴿۲۲﴾ امام اعظم اور علم حدیث
﴿۲۳﴾ الامن والعلیٰ
﴿۲۴﴾ انباء المصطفیٰ
﴿۲۵﴾ الانتصار
﴿۲۶﴾ انباء الاذکیاء بحیاۃ الانبیاء
﴿۲۷﴾ انفاس العارفین
﴿۲۸﴾ انوار قادریہ
﴿۲۹﴾ انوار محمدیہ من المواہب اللدنیہ

﴿ب﴾

﴿۳۰﴾ بخاری، حدیث
﴿۳۱﴾ البدایہ والنہایہ
﴿۳۲﴾ بریلوی مذہب اور اسلام
﴿۳۳﴾ بعض الناس فی دفع الوسواس

﴿۳۴﴾ نبراس مع التعلیقات الحسان

﴿ت﴾

﴿۳۵﴾ تاریخ اسلام

﴿۳۶﴾ تاریخ الامم والملوک طبری

﴿۳۷﴾ تاریخ الخمیس [illegible]

﴿۳۸﴾ تاریخ صغیر، بخاری

﴿۳۹﴾ تاریخ کامل، ابن اثیر

﴿۴۰﴾ تحریر [illegible]

﴿۴۱﴾ تحفۃ الاحوذی [illegible]

﴿۴۲﴾ ترمذی [illegible]

﴿۴۳﴾ تفسیر القرطبی، قرطبی

﴿۴۴﴾ تفسیر کبیر، رازی

﴿۴۵﴾ تفسیر مظہری

﴿۴۶﴾ تفسیر نعیمی

﴿۴۷﴾ التقیید والایضاح

﴿۴۸﴾ التنبیہ والاشراف، مسعودی

﴿۴۹﴾ تنویر المقباس تفسیر ابن عباس

﴿۵۰﴾ تیسیر الباری شرح بخاری شاہ نور الحق

﴿۵۱﴾ تیسیر الباری شرح بخاری [illegible]

﴿ج﴾

﴿۵۲﴾ جامع البیان

﴿۵۳﴾ جلالین، تفسیر

﴿۵۴﴾ جمل علی الجلالین، تفسیر

﴿۵۵﴾ جواہر البحار

﴿۵۶﴾ جواہر البیان

﴿ح﴾

﴿۵۷﴾ حاشیہ بخاری

﴿۵۸﴾ حاشیہ خصائص کبریٰ، خلیل ہراس

﴿۵۹﴾ حاشیہ مسلم نووی

﴿۶۰﴾ الحاوی للفتاوی

﴿۶۱﴾ حجۃ اللہ علی العالمین

﴿۶۲﴾ حسام الحرمین

﴿۶۳﴾ الحطۃ فی ذکر صحاح ستہ

﴿۶۴﴾ حقانی، تفسیر

﴿۱۵۴﴾ موطا امام مالک

﴿۱۵۵﴾ مواہب اللدنیہ

﴿۱۵۶﴾ میزان الاعتدال

﴿ن﴾

﴿۱۵۷﴾ نسفی مدارک، تفسیر

﴿۱۵۸﴾ النعمۃ الکبریٰ علی العالم

﴿۱۵۹﴾ نور الابصار

﴿۱۶۰﴾ نور العرفان، تفسیر

﴿۱۶۱﴾ النہج القویم فی شرح صراط مستقیم

﴿و﴾

﴿۱۶۲﴾ وقائع زعمکانی ام ہانی

﴿۱۶۳﴾ الوفا لابن الجوزی

﴿ہ﴾

﴿۱۶۴﴾ ہدایہ شریف

﴿۱۶۵﴾ ہدایۃ المستفید

﴿۱۶۶﴾ ہدیۃ المہدی

فہرست کتب چشتی کتب خانہ

حضرت علامہ صائم چشتی کی تحقیقی کتب وتراجم

مشکل کشاء 2 جلد	روضۃ الشہداء مجلد
ایمان ابی طالب 2 جلد	خاتونِ جنت
البتول	**علامہ صائم چشتی کی نعتیہ کتب**
شہید ابن شہید مجلد	ارمغانِ مدینہ
گیارہویں شریف	فردوسِ نعت
المدد یا رسول اللہ	شاہِ خوباں
پھل تے کنڈے	طٰہٰ تے یٰسین
تفسیر کبیر 4 جلد	جانِ بہار
تفسیر خازن	رحمت دا خزانہ
فتوحات مکیہ عربی اردو	جانِ کائنات
ریاض النضرہ	حُسنِ کائنات
شرف سادات عربی اُردو	شانِ کائنات
خصائصِ علی عربی اُردو	روحِ کائنات
والدین مصطفےٰ عربی اردو	یا محمد
ہدیۃ المہدی عربی اُردو	مدینہ نگینہ

اہل تصوف حضرات کیلئے [illegible]
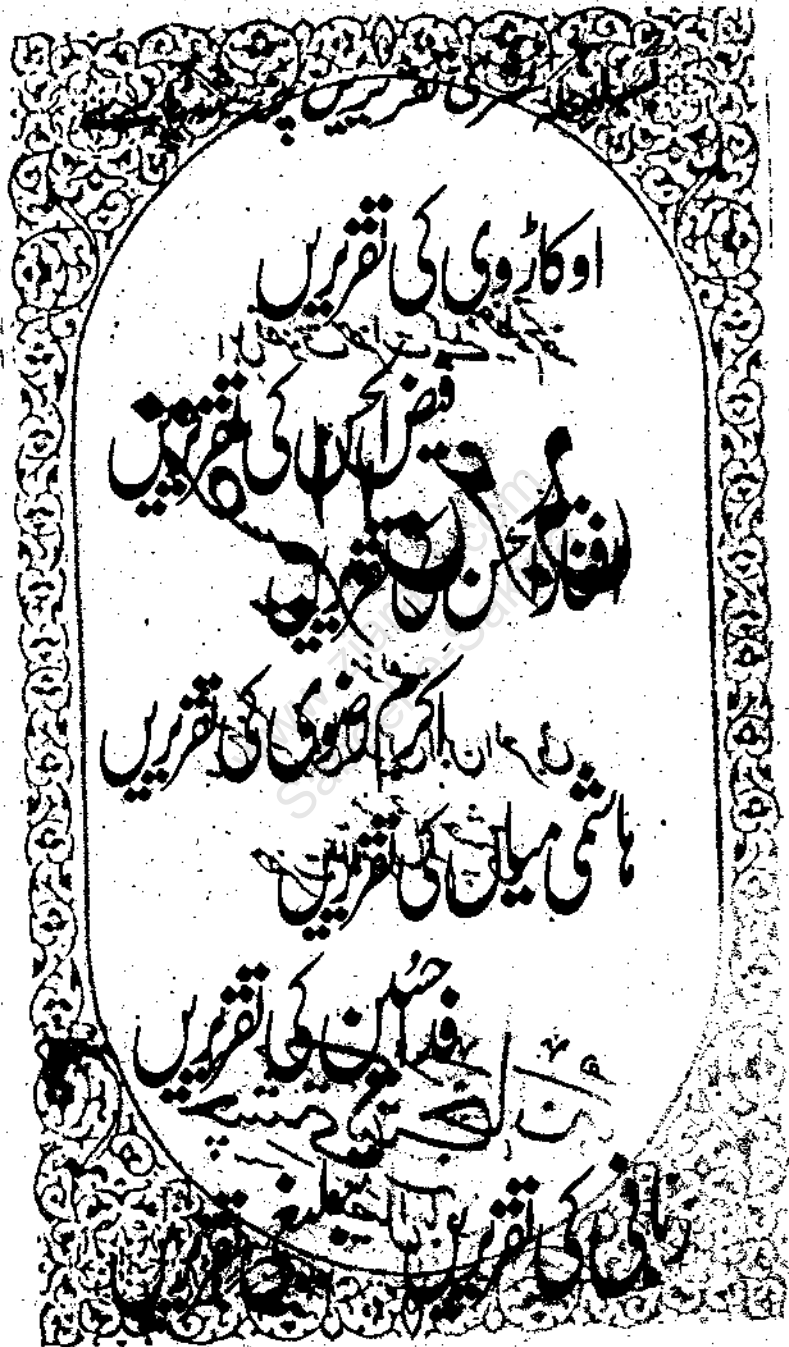
تفسیر ابن عربی

مؤلف

شیخ اکبر محی الدین [illegible]

مترجم

حضرت علامہ صائم چشتی

چشتی کتب خانہ

فیصل آباد